سلسلۂ مطبوعات اُردو کتاب گھر لاہور
(۳)

صرف ایک سال کے اندر

کابل میں چار بادشاہ

مرتبہ

حضرت سید شاہ بخاری صاحب مدظلہ العالی

جسے باخذ حقوق دائمی

سید شمشاد احمد و حافظ محمود علی کارپردازان اُردو کتاب گھر

نے

حمایت اسلام پریس لاہور میں باہتمام شیخ حسن الدین صاحب مینیجر

چھپوا کر شائع کیا

شاہ عنایت اللہ خان شاہی لباس میں

سلسلۂ مطبوعات اُردو کتاب گھر لاہور

(۳)

صرف ایک سال کے اندر

کابل میں چار بادشاہ

مُرتّبہ

حضرت سیّد شاہ بخاری صاحب مدظلہ العالی

سیّد شمشاد احمد، و حافظ محمود علی کارپردازانِ اُردو کتاب گھر

نے

حمایت اسلام پریس لاہور میں باہتمام شیخ حسن الدین صاحب منیجر

چھپوا کر شائع کیا

تعداد ایک ہزار

قیمت [illegible]

شاہ امان اللہ

پیدائش و حلیہ مبارک

اعلیٰحضرت شاہ امان اللہ خاں مورخہ ۲ر فروری ۱۸۹۱ء مطابق ۱۳۰۹ھ دارالسلطنت افغانستان کابل میں پیدا ہوئے۔ آپ کی شکل وشباہت دلکش اور مردانہ حسن سے بہرہ وافی رکھتی ہے۔ وجاہت وشان چہرہ سے نمایاں ہے: قد وقامت اوسط درجہ کا۔ جسم گداز۔ رنگ سرخ سپید۔ آنکھیں متوسط سے کچھ بڑی۔ داڑھی صفا اور مونچھیں فیشن کے مطابق۔

اس وقت آپ کی عمر ۳۹ سال کی ہے۔ صرف ۲ سال پہلے ایک ۲۵ سالہ خوش رو نوجوان معلوم ہوتے تھے۔ اور آج دو سال بعد ۵۰ سالہ معمر بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ بالوں کی سپیدی۔ چہرہ کی متانت وسنجیدگی اور غیر معمولی خاموشی اور گوشہ نشینی نے انہیں معمر بنا دیا ہے۔

علم و اخلاق

آپ سات زبانیں جانتے ہیں۔ پشتو تو مادری ہی سمجھنی چاہیے فارسی بھی درباری اور ملکی زبان ہے۔ عربی اور ترکی میں آپ کو کافی مہارت ہے۔ کسی قدر اردو سے بھی واقفیت ہے مگر تقریر بسہولت اور گفتگو بے تکلف نہیں کر سکتے۔ چنانچہ سیاحت یورپ کو جاتے وقت جب بمبئی کے ایک عظیم الشان استقبالی جلسہ میں مسٹر گاندھی کا آپ سے تعارف کرایا گیا تو آپ نے بڑی عزت کے ساتھ ان سے ہاتھ ملایا اور اردو میں فرمایا

کہ "مہاتما گاندھی میرے بھائی ہیں۔ دوست ہیں اور بہت ہی بڑے دوست ہیں" یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ اردو پر آپ کو پوری قدرت حاصل نہیں لیکن ذرا تکلف سے بول سکتے ہیں۔ فرانسیسی میں بے تکلف گفتگو کر سکتے ہیں اور انگریزی میں بھی ایک حد تک دسترس ہے۔

اخلاق حمیدہ اس قدر وسیع ہیں کہ جس کو شرف تکلم حاصل ہوا آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ جب آپ کابل میں بادشاہ وقت کی حیثیت سے موٹر میں گزرتے اور کسی اجنبی شخص کو دیکھتے تو موٹر کو ٹھیرا لیتے اس سے مزاج پرسی فرماتے اور پھر آگے بڑھ جاتے۔ شاہانہ اقتدار کے ہوتے ہوئے آپ عوام سے نہایت محبت و شفقت کے ساتھ پیش آتے۔ آپ کی طبیعت میں فطری طور پر مساوات اسلامی رنگ جھلکتا ہے۔ یہی چیز تھی جس نے آپ کے مزاج میں اس قدر رفق و نرمی پیدا کر دی تھی کہ عہد حکمرانی میں اپنے ہاتھوں پر رعایا یا درباریوں کا مودبانہ بوسہ تک بھی پسند خاطر نہ تھا۔ آپ نے حکم دے رکھا تھا کہ سلام اور مصافحہ مسنونہ کے سوا کوئی اور تعظیمی رسم بجا لانے کی ضرورت نہیں۔ اس حکم کی خلاف ورزی صرف ایک شخص نے جشن تخت نشینی کے روز کی تھی جبکہ قصر دلکشا کے وسیع احاطہ میں نمائندگان جمہور کے سوا دوسرے ممالک کے سفرا بھی موجود تھے۔ ایک بزرگ نے جوش عقیدت و محبت میں آپ کا ہاتھ چوم لیا۔ اس وقت آپ نے بوسہ دینے والے سے تو کچھ نہ کہا کہ دل شکنی نہ ہو۔ لیکن سردار یعقوب خاں صاحب وزیر دربار سے فرمایا کہ کیا میرا یہ حکم عوام تک نہیں پہنچایا گیا کہ انسانی ہاتھ کو بوسہ دینا خلاف شرع ہے اور کسی خلاف شرع رسم آداب کی کوئی ضرورت نہیں؟

ایسے خیالات رکھنے والا بادشاہ کسی وقت بھی دشمن اسلام یا زندیق یا کافر نہیں ہو سکتا جو ایسا الزام یا فتوے دے وہ خود اسلام کی حقیقت سے بےخبر ہے

تخت نشینی

شاہ امان اللہ خاں ۱۹۱۹ء میں رونق افروز تخت افغانستان ہوئے۔ جبکہ ان کے والد امیر حبیب اللہ خاں شہید اپنے ملک کے دورے کے لئے تشریف لے گئے تھے اور جلال آباد میں مقیم تھے۔ ایک شب کسی نے امیر ممدوح کو پستول سے شہید کر دیا۔ اس ناگہانی شہادت نے کیمپ میں تہلکہ مچا دیا۔ فوراً افسران ہمرکاب نے تجویز کی کہ سردار نصر اللہ خاں کو جو امیر ممدوح شہید کے بھائی تھے امیر منتخب کیا جائے چنانچہ یہ تجویز منظور ہو گئی اور نصر اللہ خاں کے ہاتھ پر سب افسروں نے وفاداری کی بیعت کی اس کے بعد شہید مرحوم کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ شہزادہ عنایت اللہ خاں ولیعہد سلطنت اس وقت کابل سے باہر گئے ہوئے تھے انہوں نے والد مرحوم کی شہادت کی خبر سنتے ہی اپنی امارت کا حق ثابت کیا۔ ولیعہدی کے حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت سے لوگ ان کی امارت پر راضی ہو گئے۔

غازی امان اللہ خاں اس وقت کابل میں تھے۔ رات کو دو بجے کے قریب آپ کو اطلاع ملی کہ ان کے والد کسی دشمن کے پستول سے شہید ہو گئے۔ آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ فوراً آپ نے والدہ محترمہ سے مشورہ کر کے صبح کے وقت فوج کو جمع کیا۔ اور امیر حبیب اللہ خاں کی شہادت کی خبر سنائی۔ تمام سرداران فوج نے امان اللہ خاں کے سامنے حلف وفاداری اٹھایا اور وعدہ کیا۔ کہ امیر شہید کے قاتلوں سے بدلہ ضرور لیا جائے گا۔ اسی دن سہ پہر کو تمام امراء شہر اور سرداران قبائل نے امان اللہ خاں کو باقاعدہ اپنا امیر منتخب کر لیا۔

اعلان امارت کے بعد آپ نے مدعیان امارت کی گرفتاری کا حکم دیا کہ ایک ملک میں ایک ہی امیر ہو سکتا ہے۔ جب سرداران قوم نے مجھے امیر بنایا ہے تو دوسرا کوئی شخص اپنی امارت کا دعوے نہیں کر سکتا۔

جب امان اللہ خاں کے انتخاب کی خبر جلال آباد میں سردار نصر اللہ خاں کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے اظہار خوشنودی کیا اور کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ میں ان کو سب پر ترجیح دیتا ہوں کیونکہ امان اللہ خاں میں فرمانروائی کی خاص قابلیت ہے۔ اور اصلاح و ترقی کی ایک زبردست استعداد ان کے اندر موجود ہے۔ ساتھ ہی اپنی امارت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔

دوسرے ہی روز کابل میں امان اللہ خاں کی تخت نشینی کی مراسم ادا کی گئیں امیر شہید کے تخت پر بٹھا کر نذریں دی گئیں۔ سلامی کی توپیں سر ہوئیں۔ فوجی بینڈ نے سلامی کے نغمے گائے۔ اور شاہی فرمان کے ذریعہ تمام ملک میں امان اللہ خاں کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا گیا۔

اس فرمان شاہی اور اعلان تخت نشینی کی اطلاع پاتے ہی نصر اللہ خاں نے امان اللہ خاں کی خدمت میں ایک خط بھیجا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"فرزند عزیز امان اللہ خاں کو بندۂ حقیر نصر اللہ خاں کی جانب سے دعا کے بعد معلوم ہو کہ میں نے محض احباب کی خواہش و اصرار سے امارت کابل قبول کر کے آپ کو اطلاع دیدی تھی۔ اب کہ کابل کی رعایا نے آپ کی امارت قبول کر کے تخت نشینی کی رسم ادا کر دی ہے میں اپنی امارت سے دستبرداری کا اعلان کر کے آپ کی امارت کو تسلیم کرتا ہوں۔ میں آپکو بیدار مغز۔ روشن خیال اور حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے اور نظم و نسق ملک پر قابو رکھنے کا اہل سمجھتا ہوں۔ اس لئے آپ کی بیعت کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ جلشانہ آنعزیز کو عروج و کمال کی دولت سے بہرہ اندوز کرے۔ میں عنقریب کابل آرہا ہوں جہاں پہنچکر بالمواجہہ شرف بیعت حاصل کروں گا۔"

(نصر اللہ خاں)

یہ خط بھیجنے کے بعد نصراللہ خاں جلال آباد سے کابل کو روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ان سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہو گئی جو اعلان امارت کرنے والوں کی گرفتاری کے لئے کابل سے بھیجے جا چکے تھے۔ نصراللہ خاں اور ان کے ہمراہیوں نے کہا کہ ہم امیر امان اللہ خاں کی خدمت میں بیعت کرنے کو کابل جا رہے ہیں مگر انہوں نے یقین نہ کیا اور گرفتار کر لیا۔ اور سب کو قیدیوں کی حیثیت میں لے کر چلے اگلے پڑاؤ تک پہنچ کر امیر کابل کو اطلاع دی کہ نصراللہ خاں اور ان کے حامیوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور قید کر کے کابل لایا جا رہا ہے۔ امیر امان اللہ خاں نے فوراً حکم دیا کہ سب محمدزائیوں کو عزت کے ساتھ لاؤ اور ہتھکڑیاں کھول دو۔

کابل پہنچنے پر معمولی سی نگرانی و نظربندی کے بعد ان سب صاحبان کو رہا کر دیا گیا۔ لیکن شہزادہ عنایت اللہ کی سرگرمیوں اور نقل و حرکت کو مشتبہ سمجھ کر قید کر دیا مگر اس قید کو ہندوستان کی قید نہ سمجھا جائے بلکہ یہ قید اسی قسم کی تھی جیسی شہزادوں کے لئے مناسب ہے تاکہ کسی قسم کی سرگرمیاں عمل میں نہ آئیں دو سال بعد انہیں بھی رہا کر کے معین السلطنت کے منصب پر فائز کیا گیا۔

شاندار کارنامہ

امان اللہ خاں نے تخت نشینی کے بعد سب سے پہلا اور سب سے اہم کام جو کیا وہ اعلان آزادی تھا۔ آپ نے سفیر برطانیہ مقیم کابل کو بلا کر کہا کہ آج سے افغانستان آزاد و خود مختار ہے۔ اس کی اندرونی و بیرونی حکمت عملی میں کسی کی نگرانی اور کسی کا ہاتھ ہرگز نہ ہوگا۔ کسی بیرونی حکومت کو ہمارے کاموں میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں تم ہمارے اس اعلان سے اپنی حکومت کو مطلع کر دو۔

اس اعلان استقلال کے بعد امیر امان اللہ خاں نے اپنی قوم کے نام بھی ایک نہایت اہم اعلان شائع کیا جس کا ملخص درج ذیل ہے۔

اپنی قوم سے

"اے میری غیرتمند قوم! اور اے بہادر سپاہیو! میں نے افغانستان کی آزادی کا اعلان کر دیا ہے۔ ہماری سلطنت آج سے اپنے اندرونی و بیرونی امور میں مکمل طور پر خودمختار رہے اس اعلان سے میں نے انگریزوں کو بھی آگاہ کر دیا ہے۔ آج کی تاریخ سے افغانستان کو وہی حقوق حاصل ہیں جو دنیا کی دوسری آزاد حکومتوں کو حاصل ہیں۔ یہ اعلان آزادی ایک بڑا اہم تاریخی واقعہ ہے۔ اور اہل ملک کے لئے بہت ہی بڑی خوشخبری۔

اب میں اپنے ارکان دولت اور افسران فوج کو مخاطب کرتا ہوں کہ وہ پوری مستعدی اور سرگرمی سے اپنے فرائض منصبی کو انجام دیں۔ قوم کی بھلائی کو پیش نظر رکھیں۔ کسی پر کسی طرح کا ظلم و جبر ہرگز نہ ہو۔ شریعت حقہ اسلامیہ کا احترام ملحوظ رہے۔ قوانین ملک کی پابندی کریں اور اپنی آزادی کی حفاظت ضروری سمجھیں۔

(امان اللہ خان)

آغاز جنگ

اس اعلان کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا یعنی انگریزوں سے جنگ چھڑ گئی۔ ۹ مئی ۱۹۱۹ء کو ایک افغانی لشکر جس کی تعداد چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ آٹھ توپوں کے ساتھ لنڈی کوتل سے چل پڑا۔ اور سرحد کے مقام عیش خیل پر قابض ہو گیا۔ پھر وہاں سے شمال کی طرف چل کر ان تمام مواضع پر قبضہ جما لیا جو ہندوستان کے صوبہ سرحدی میں واقع ہیں اور جو انگریزوں کے مقبوضات میں سے تھے اس افغانی حملہ نے انگریزی حکومت کو پریشانی میں ڈال دیا۔ اور یہ بات واضح طور پر سامنے آ گئی کہ افغانستان کی طرف سے باقاعدہ اعلان جنگ ہو چکا ہے۔ اور افغانی لشکر نے کچھ ایسی مستعدی اور نبرد آمادگی دکھائی کہ ہندوستانی فوج فوراً اس کی مدافعت کے لئے تیار نہ ہو سکی۔ اور اسی نیم تیاری کی حالت میں

افغانی فوج مقابلے کے لئے چل پڑی۔ چنانچہ ہندوستانی سپاہ نے عبش جنبل کے مقام پر افغانی سپاہ سے مقابلہ کیا اور پیہم جد وجہد کے بعد بڑی ہی مشکل سے افغانیوں کو پسپا کرنے میں کامیاب ہوسکی۔ اس معرکہ میں جانبین کے معمولی سے نقصانات ہوئے لیکن چند گھنٹے کے بعد ہی پھر افغانی لشکر نے پیش قدمی شروع کردی۔ اور اس زور سے پیش قدمی شروع کی کہ سرحد کے کئی مقامات پر قبضہ کرتا ہوا لنڈی کوتل کے مقام کے علاوہ مقام "خرکالی" پر بھی قابض ہوگیا۔ ساتھ ہی قندھار سے "چمن" کے علاقے میں مورچہ بندی کا ڈھنگ ڈال دیا۔ اس حیرت انگیز سرعت اور مستعدی سے ہندوستانی فوج کو سخت پریشانی کا سامنا ہوا۔ اور وہ مزید کمک کا انتظار کرنے لگی

اخلاقی جرم

اس صورت حال کو دیکھ کر انگریزی حکام نے کیا کام کیا کہ پشاور میں مارشل لا جاری کردیا۔ اور افغانی پوسٹ ماسٹر کو گرفتار کرلیا ساتھ ہی ہوائی جہازوں کے ذریعہ افغانستان کی غیر مصافی آبادی پر بھی بم برسائے جب شہر کی پرامن رعایا پر گولے برسنے لگے تو سپہ سالار افواج افغانی نے اسی وقت پولیٹیکل ایجنٹ خیبر کے نام چٹھی لکھی کہ میں آزاد فرمانروائے افغانستان کی طرف سے آپکو آگاہ کرتا ہوں کہ آپکے فوجی افسروں نے پرامن افغانیوں پر بم کے گولے برسائے ہیں۔ جو ایک **اخلاقی جرم** ہے۔ نیز ہمارے پاس وائسرائے ہند کی ایک چٹھی بھی پہنچی ہے جس پر ہم غور کر رہے ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ انگریزی فوجی حکام کو ان حرکات قبیحہ سے روکو۔

کمانڈر افغانستان کی اس چٹھی کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اور جنگ برابر جاری رہی اس پر افغانیوں کو بہت غصہ آیا اور ۱۷ مئی ۱۹۱۹ء کو انہوں نے ہندوستان کا ایک بہت بڑا ہوائی جہاز گولیاں مار مار کر نیچے گرالیا۔ اور اس جہاز کے ہوابازوں سے افغانیوں نے ساری کسر نکال لی۔

افغانوں کا طرز جنگ اور پیشقدمی

۱۸ رمئی ۱۹۱۹ء کو افغانوں نے پھر پیشقدمی کی اور اس ڈھنگ سے آگے بڑھے کہ ہندوستانی افواج نے ہر چند مدافعت کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور لڑائی دیر تک جاری رہی۔ ۱۹ رمئی کو جمرود پر بھی ایک خونریز جنگ ہوئی یہ جنگ رات کو بھی بند نہ ہوئی صبح کو پشاور سے ایک تازہ دم فوج جمرود پہنچ گئی۔ افغانی سپاہ تازہ دم فوج کو دم دے کر ایسے کمینگاہوں میں چھپ گئی کہ بصد جستجو اس کا پتہ نہ چل سکا۔ یہ بات ان کی عادت میں داخل ہے کہ وقت مناسب پر غنیم کو بیچ میدان میں چھوڑ کر خود گھاٹیوں میں چھپ جاتے ہیں۔ پھر کوئی لاکھ سر پٹکے انہیں نہیں پا سکتا۔

۲۰ رمئی کو افغانوں نے سرحدی علاقہ کے مختلف محاذات جنگ پر اچانک حملہ کر دیا۔ اور محاذ جنگ کو اس قدر طول دیدیا کہ جس نے فریق مخالف کو شدید ترین دقت میں ڈال دیا۔ ۲۱ رمئی کو بھی لڑائی برابر ہوتی رہی۔ ان معرکوں میں جانبین کا سخت نقصان ہوا۔ افغانوں سے زیادہ انگریزوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ جنگی محاذ تقریباً سب کے سب پہاڑی علاقوں میں تھے۔ جہاں افغانی گھر آنگن کی طرح واقفیت و آگاہی رکھتے تھے۔ جب موقع دیکھتے پہاڑیوں میں جا چھپے جب مناسب سمجھتے نکل کر مقابلہ شروع کر دیتے۔ ہندوستانی سپاہ پہاڑی راستوں سے بالکل ناواقف اور اجنبی تھی۔ اس لئے حقیر سے حقیر جگہ کے لئے بھی سر پیش کرنا پڑتا تھا۔

۲۶ رمئی ۱۹۱۹ء کو افغانستان کی ایک تازہ دم فوج نے جو جرنیل نادرخان کے زیر کمان تھی سرحدی علاقہ میں مقام اسپین دم پر حملہ کر کے قبضہ جما لیا۔ اور ۲۷ رمئی کو بالائی ٹوچی پر شدید حملہ کر دیا۔ ہندوستانی سپاہ جس کی تاب نہ لا کر مسلحتاً پسپا ہو گئی

کوہ وقار نادر

اسپین دم اور بالائی ٹوچی پر قبضہ کر کے نادر خاں نے ایک افغانی لشکر جرار کے ساتھ مقام تھل پر ایک زبردست حملہ کر دیا۔ اور ایسی شدید گولہ باری کی کہ غنیم کو سخت نقصان پہنچا۔ اور نزاکت حالات نے کمانڈر اعظم افواج ہند کو ایک معقول فوج بھیجنے پر مجبور کر دیا۔

۲۹ مئی کو جرنیل نادر خاں نے موقعہ پا کر وزیرستان پر حملہ کر دیا۔ انگریزی لشکر نے جان توڑ مقابلہ کیا لیکن نادر خاں جیسا ماہر فن حرب کب ہٹنے والا تھا۔ حریف کو دابتا ہوا مع لشکر کے وزیرستان میں داخل ہو گیا۔ ۳۰ مئی کو پتہ چلا کہ سرحدی قبائل بھی افغانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہو رہے ہیں۔ یکم جون کو محسودیوں نے سرحدی مقام جنڈولہ پر بھی حملہ کر دیا۔

جون کی ابتدائی تاریخوں میں جنگ جاری رہی۔ سرحدی قبائل نے بھی انڈین افواج پر راتوں کو چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سرحدی جرگو نے رات کو پشاور میں بھی آ کر صدر بازار کو لوٹ لیا۔ اور کچا گوڑی کے اسٹیشن پر ایک فوجی ٹرین کو پٹری سے اتار کر سخت نقصان پہنچایا۔

جون کی درمیانی تاریخوں میں بعض جنگجو قبائل نے میران شاہ کے مقام پر بھی حملہ کر دیا۔ اور سرکاری تار کاٹ دیئے۔ ادھر محسودیوں نے کوہاٹ کے قریب پہنچ کر انڈین افواج پر گولیاں چلانے کے علاوہ بعض بعض مقامات سے ریلوے لائن بھی اکھاڑ پھینکی۔ محسودی قبائل کے بعض دستوں نے تو یہاں تک جرأت دکھائی کہ ٹوچی دریا کو بھی عبور کر لیا۔ اور آگے بڑھ کر ڈیرہ اسمٰعیل خاں پر بھی چھاپے مارے

"الحرب خدعة"

افغانوں کو بہت سیدھا سادا کہا جاتا ہے مگر اس موقعہ پر انہوں نے وہ جنگی چال چلی جس کی توقع نہیں ہو سکتی تھی یعنی خانی دردمی بن کر پہاڑیوں سے نکلے اور

ایک باقاعدہ رفتار سے بڑھتے ہوئے انگریزی فوج میں گھس گئے۔ جب تک دور رہے تو سب سمجھتے رہے کہ کوئی انگریزی کمپنی مارچ کر رہی ہے۔ جب خوب نزدیک پہنچ گئے تو اپنا کام شروع کر دیا۔ ان کی اس عیاری کا پتہ جب چلتا جب انگریزی سپاہ پر فیر شروع ہو جاتا۔ اس طریقہ سے انگریزی فوج کو سخت نقصان پہنچا۔ جوابی طور پر افغانوں کو شدید نقصان پہنچا لیکن جوابی حملہ اور مدافعت سے قبل ہی وہ اپنی کمینگاہ دہ پہاڑیوں میں دفعتاً جا چھپتے تھے۔

جون کے مہینہ کی آخری تاریخوں میں آفریدیوں نے ایک لشکر تیار کیا اور علاقہ خیبر کی چند چوکیوں پر ایسا ہلہ بولا کہ انڈین افواج کو "شاندار پسپائی" کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ اصل میں ہندوستانی فوجوں کے لئے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ سرحدی مقامات پر ایک طویل سلسلۂ کوہ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ جسکے درے اور گھاٹیاں افغانوں کے لئے تو شہر کی گلیوں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے لیکن برطانیہ کی فوج ان پہاڑی راستوں سے قطعاً بیخبر تھی۔ اسے ان خوفناک گھاٹیوں اور نا پتہ تاریک دروں سے پہلی دفعہ سابقہ پڑا تھا۔ دوسرے یہ کہ آزاد قبائل بھی افغانی افواج کے ساتھ ملکر شریک حرب و پیکار رہتے جن کے پاس غیر متوقع طور پر جدید قسم کا سامان جنگ پایا گیا۔ بعض کا تو خیال ہے کہ امیر امان اللہ خاں نے جنگ سے پہلے ہی آزاد قبائل کو بندوقیں وغیرہ تقسیم کرکے اپنا طرفدار بنا لیا تھا اسیوجہ سے ان آزاد قبائل نے انگریزوں کی فوج کو کسی موقع پر بھی متحدہ طاقت سے حملہ کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اور افواج ہند کو اپنا محاذ جنگ اس قدر بڑھانا پڑا کہ اس کی وسعت تقریباً ایک ہزار میل بیان کی جاتی ہے۔ اتنے وسیع محاذ جنگ پر پوری مجتمع قوت سے حملہ کرنا یا حملہ کی مدافعت کرنا آسان کام نہیں تھا۔ ان وجوہ سے اس جنگ میں حکومت انگلشیہ کو کسی طرح کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔

صلح کی گفت وشنید

جنگ نے جب ایسی نازک صورت اختیار کر لی تو حکومت انگریزی کے نزدیک مصلحت اسی میں تھی کہ وہ ایسے لمبے چوڑے محاذ جنگ کے غیر معمولی اخراجات اور نقصانات کو برداشت کرنے کے بجائے صلح کا پیغام بھیجے۔ پس فوراً صلح کی تجویز پیش ہوئی اور ۲۴ رجولائی ۱۹۱۹ء کو دونوں حکومتوں کے نمائندے راولپنڈی میں جمع ہو گئے۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے سرہملٹن گرانٹ اور افغانی حکومت کی طرف سے سردار علی احمد جان مقرر ہوئے۔ تقریباً دو ہفتہ کی مسلسل گفت وشنید کے بعد ۸ راگست ۱۹۱۹ء کو معاہدہ صلح مکمل ہو گیا۔ اور آزادی افغانستان تسلیم کر لی گئی یہی ۸ راگست کا دن تھا جس نے افغانستان کو دوسری خود مختار سلطنتوں کی سی عزت بخشی اور تاریخ افغانستان میں زریں حروف سے لکھا گیا۔ ~~استقلال افغانستان کے بعد امان اللہ خان کچھ عرصہ تک امیر کے~~ لقب سے ملقب رہے۔ پھر آپ نے شاہ کا لقب اختیار کر لیا۔

جشن آزادی

شاہ امان اللہ خان نے جنگ سے کامیاب فراغت حاصل کر کے جشن آزادی منایا جس میں دوسرے ممالک کے نمائندے بھی شریک تھے۔ اس موقعہ پر آپ نے ایک نہایت ہی معرکۃ الآرا تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

برادران ملت! میں آج آپ کے سامنے ایک آزاد ملک کے خادم کی حیثیت سے تقریر کر رہا ہوں۔ برادران! آزادی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ ہر شخص کو اپنے دل میں حریت و مساوات پسندی کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔ وہ وقت گیا جب پادشاہان ملک اپنے آپ کو ظل اللہ کہتے تھے۔ اور غریبوں پر ظلم کرتے تھے۔ اب مساوات کا زمانہ ہے۔ اکثر لوگ مجھے بادشاہ کہتے ہیں۔ مگر خدا کی قسم

میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ ایک حقیر خادم ملک و ملت ہوں میرے نزدیک ایک وزیر اور ایک مزدور یکساں مرتبہ رکھتے ہیں۔ انسانی اور اسلامی حیثیت سے میں دونوں کے حقوق برابر سمجھتا ہوں۔

عزیزان من! میرا موٹر ڈرائیور ایک ہندوستانی ہے۔ شروع شروع میں جب وہ میرے سامنے آتا تو ڈرتا اور جھجکتا ہوا۔ اور ہر بات کا ہاتھ جوڑ کر جواب دیتا۔ مجھے اس کی پست ذہنیت پر سخت افسوس ہوا۔ میں نے اسے سمجھا دیا کہ تو میرا بھائی ہے۔ مجھ میں تجھ میں کوئی بڑا فرق نہیں۔ صرف فرائض جدا جدا ہیں۔ تو موٹر چلاتا ہے ایک شخص کا خادم ہے۔ اور میں ملک کے نظم و نسق کو چلاتا ہوں ساری رعایا کا خادم ہوں۔ بحیثیت انسان جو تو ہے وہی میں ہوں امان اللہ اور اس کے ڈرائیور میں کیا فرق رہا؟ کچھ نہیں۔

میرا ایک خواب

چھوٹی عمر میں میں نے ایک خواب دیکھا تھا اور وہ یہ تھا کہ میں ایک عالی شان عمارت کے قریب کھڑا ہوں۔ کوئی بزرگ ہیں جو ایک صندوق میرے کندھوں پر رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں اسے اٹھانے کے لئے تیار نہیں ان بزرگ نے بار بار مجھ سے صندوق اٹھانے کو کہا لیکن میں انکار کرتا رہا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے ایک ہندوستانی استاد وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے مجھے فرمایا کہ درود شریف پڑھکر صندوق اٹھالے۔ ان کے فرمانے کا مجھ پر کچھ ایسا اثر ہوا۔ کہ میں نے فوراً درود شریف پڑھکر صندوق اٹھالیا اور دور تک لے گیا۔ گو اس وقت میں خواب کی تعبیر صحیح طور پر نہ سمجھ سکا تھا لیکن پھر بھی میرے دل میں ایک غیر معمولی عزم و ارادہ پیدا ہوگیا۔ اور عزم و یقین ہی وہ طاقت ہے کہ مشکل سے مشکل بات کو آسان بنا دیتی ہے۔

میری تخت نشینی درحقیقت مشیت الٰہی کا کرشمہ ہے۔ ورنہ کونسی ایسی صورت تھی جو مجھے ملک وملت کی خدمت کا تاج پہنا سکتی۔ میرا باپ جلال آباد میں شہید ہوگیا۔ انہی کے ساتھ تمام ارکان دولت بھی جلال آباد میں تھے۔ میں کابل میں تنہا تھا اور خدائے قہار میرا معین و مددگار۔ میرے چچا نے اعلان امارت کردیا تھا جس سے بعد میں وہ میرے حق میں دست بردار ہوگئے۔ مجھ سے بڑے دو بھائی بھی موجود ہیں لیکن پھر بھی قدرت الٰہی نے میرا ہی انتخاب کیا۔ اور مجھے خدمت مذہب وملت کا شرف بخشا۔ اس وقت مجھے اپنے سچے خواب کی سچی تعبیر معلوم ہوگئی۔

تخت نشینی کے بعد میں نے جب اعلان آزادی کے خیال کو اپنے اعیان مملکت کے سامنے پیش کیا۔ تو سپہ سالار افواج افغانیہ نے فوج کی غیر منتظم حالت اور اسلحہ کی کمی کی وجہ سے میرے خیال سے اختلاف کیا۔ اور اس خیال سے مجھے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن میں عزم کرچکا تھا اور اپنی قوم کی غیرت اور خدا کے بھروسہ پر میں نے انگریزی سفیر کو بلا کر کہدیا کہ افغانستان آج سے بالکل آزاد و خودمختار ہے مجھے یقین تھا کہ خدا ضرور مجھے کامیابی دیگا۔ یہ اسی یقین کی برکت ہے۔

بعض حالات نے ہمیں تلوار نکالنے پر مجبور کیا۔ جب ہم میدان جنگ میں اترے تو دنیا نے دیکھ لیا کہ کس طرح خدائے برتر و اعلےٰ نے ہمیں استقلال کی دولت مرحمت فرمائی۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ہر وہ قوم جو اپنے اندر آزادی کے صحیح جذبات رکھتی ہوگی وہ ضرور ایک نہ ایک دن آزاد ہوکر رہے گی۔ دیکھ لو ایک زندہ مثال آپ کے سامنے افغانی قوم کی موجود ہے۔

مجھے مشرق سے دلی ہمدردی ہے۔ اسی لیئے میں ایک پیغام مشرق کے نام دینا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ واقعی آزادی کی خواہشمند ہے تو

امان اللہ کی طرح عزم بالجزم سے کراٹھے اور وم کے وم میں اپنے مقصود کو پالے۔ آزادی ہر شخص اور ہر قوم کا پیدائشی حق ہے۔ جو اس کو ملنا چاہیے اور مسلمان تو کبھی محکوم رہ ہی نہیں سکتا۔ مشرق کو یہ پیغام پہنچانے کے بعد میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔

امان اللہی طرزِ حکومت

امان اللہ خاں نے سلطنت کے تمام امور و معاملات کو سات محکموں میں تقسیم کیا۔ (۱) محکمۂ عدالت (۲) محکمۂ امورِ عامہ (۳) محکمۂ مالیات (۴) محکمۂ تجارت (۵) محکمۂ داخلیہ (۶) محکمۂ خارجیہ (۷) محکمۂ جنگ۔ آپ نے ان ہفت محاکم کے لئے ہفتہ کے سات دن مقرر فرمائے۔ آپ ہر مقررہ دن اس محکمہ کے وزیر سے چند گھنٹہ بلا ناغہ مشورہ فرماتے اور اسے ہدایات دیا کرتے جمعہ کے دن بعد نمازِ جمعہ آپ عوام کے سامنے ہر ہفتہ تقریر فرما کر مذہبی۔ ملکی اقتصادی اور معاشری اصلاح کا مشورہ دیا کرتے تھے۔

پابندی اسلام

آپ صوم و صلوٰۃ کے پابند، زہد و اتقا کے شایق نہایت خدا ترس اور روشن خیال ہیں۔ علمائے ربانی سے آپ کو محبت اور علماء سو سے نفرت ہے۔ آپ کے عہد میں فوجی افسروں اور دیگر محکموں کے دفاتر قلعہ ارک میں تھے۔ جب نماز کا وقت آتا فوراً سب کام چھوڑ کر آپ بنفس نفیس تمام وزراء کو ساتھ لیکر مسجد میں تشریف لیجاتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے کہ ایک ہم سب کا افسر اعلیٰ بھی ہے اس کے دفتر کی حاضری ناغہ نہ ہونے پائے۔ قلعہ ارک میں ایک نہایت خوبصورت اور شاندار مسجد بنی ہوئی ہے اسی مسجد میں نماز کے وقت تمام اہلکار، وزراء اور خود امان اللہ خاں باجماعت نماز ادا کیا کرتے۔ خوب بھاری جماعت ہوتی تھی۔ اسلامی دستور کے مطابق

عرصہ تک تمام دفاتر میں جمعہ کے دن کی تعطیل منائی جاتی رہی لیکن ایک صدر الصدور امور مذہبی نے شاہ امان اللہ خاں سے کہا کہ بعض لوگ جمعہ کی تعطیل سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں کہ نماز میں شامل نہیں ہوتے۔ بہتر ہو کہ تعطیل کا دن کوئی اور مقرر کر دیا جائے۔ شاہ موصوف کے لئے آسان تھا کہ اتوار کی تعطیل مقرر فرما دیتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ بعض لوگ معترض ہوتے کہ اسلامی رسم کو عیسویت کا رنگ دیدیا گیا۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے جمعرات کا دن تعطیل کا رکھا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اعیان سلطنت، امراء وزراء، اہلکار، فوجی حکام ایک جگہ مسجد قلعہ ارک میں شاہ غازی کے ساتھ نماز جمعہ اسلامی شان عظمت کے ساتھ ادا کرنے لگے۔

غربا پروری امان اللہ خاں غریبوں اور مسکینوں کے حال پر خاص طور سے شفقت و مرحمت فرماتے تھے۔ کبھی کبھی بھیس بدل کر غربا کے محلوں میں نکلتے تھے اور ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرتے رہتے تھے اور پھر ان کی ضروریات و مشکلات کو رفع کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ شہر پناہ کے چنگی خانہ کی طرف سے سرحدیوں کے لباس میں نکلے۔ کمبل اوڑھے ہوئے۔ لباس میلا کچیلا۔ پاؤں میں جوتے کی جگہ چپل، اور وہ بھی پرانے۔ راستے میں اور بھی کئی ایک دیہقانی کسان ملے۔ آپ نے ان سے باتیں شروع کیں۔ دیہقانیوں نے خوب کھلے لفظوں میں ہر شخص پر "نقد و تبصرہ" کیا۔ غازی امان اللہ خاں نے پشتو میں ان سے پوچھا کہ کہو جی کچھ تم کو اپنے بادشاہ سے تو شکایت نہیں؟ ایک بولا کہ بادشاہ بہت اچھا ہے۔ اہلکار اپنے ظالم ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ چنگی کا محرر اور سپاہی تو بالکل کافروں کا سا ظلم کرتے ہیں۔ ایسے مسلمانوں سے کافر بھی اچھا ہوگا۔ غازی نے انجان بن کر کہا سنا ہے بادشاہ بھی ظالم ہے۔ یہ سنتے ہی ایک

دہقانی آگ بگولہ ہوگیا۔ ظالم کہنے والے کو زور سے دھکا دیکر دور دھکیل دیا اور کہا کہ اب کی دفعہ بادشاہ کی شان میں کچھ گستاخی کی تو میرا چھرا تیرا کام تمام کردے گا چنگی خانہ قریب آگیا تھا سب نے مشورہ کیا کہ فی آدمی چار چار پیسے اکٹھا کر دو تاکہ محرر چنگی ہمیں بلا روک ٹوک شاہی سڑک سے گزرنے دے۔ پیسے جمع کرکے چلدیئے رستے میں محرر نے روک لیا اور کہا کہ آدمی چار اور پیسے تین آنے؟ دہقانیوں نے صاف کہدیا کہ یہ اجنبی آدمی ایسا بیوقوف ہے کہ گھر سے چار پیسے منشی جی کے لئے بھی لیکر نہیں چلا۔ اسی نے نہیں دیئے۔ محرر نے اجنبی کو روک کر باقی لوگوں کو جانے کی اجازت دیدی۔ اجنبی (غازی ممدوح) نے ہر چند منت سماجت کی کہ میں غریب ہوں بچے بھوکے ہیں مجھے جانے دو۔ محرر نے کہا کہ شاہی حکم ہے ہم مجبور ہیں اجنبی نے کہا کہ میں نے سنا ہے بادشاہ سلامت نے اب آدمیوں کا محصول معاف کردیا ہے اسی وجہ سے میں کچھ نہیں لایا آئندہ ضرور لے کر آدوں گا۔ یہ سن کر محرر نے فارسی زبان میں بُرے الفاظ کہے اور ناراض ہوا۔ جب کسی طرح کامیابی نظر نہ آئی اور زجیر د توبیخ بھی اٹھالی تو واپس آکر دوسرے روز اس محرر کو طلب کیا اور سر دربار ذلیل کرکے ملازمت سے برطرف کردیا۔ ایک مرتشی (رشوت لینے والے) کی کم سے کم یہی سزا ہوسکتی تھی جو محرر چنگی کو امان اللٰہی دربار سے ملی۔ ایسی مثالیں آج دنیا میں مشکل سے مل سکتی ہیں۔ کہانیوں میں سنا کرتے تھے کہ اگلے زمانہ میں عادل بادشاہ اپنی رعایا کی حالت بچشم خود دیکھنے کے لئے راتوں کو گشت کیا کرتے تھے۔ یا تاریخ اسلام کے مطالعہ سے خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسی نظریں ملتی ہیں۔ اس بیسویں صدی عیسوی میں تیرہ سو برس پہلے کی مثال قایم کرنا امان اللہ خاں کا ہی کام تھا جبھی تو افغانی قوم کو آپ سے اس قدر عقیدت و ارادت تھی کہ دہقانیوں کے سامنے بادشاہ کو ظالم کہنے پر زبان کی جگہ ہاتھ سے جواب ملا اور چھرے کی دھمکی۔

ملکہ ثریا

ملکہ ثریّا

پیدائش تعلیم تربیت حسن ظاہری و باطنی

سردار محمود طرزی بعض سیاسی اختلافات کیوجہ سے امیر حبیب اللہ خاں کے عہد میں ترک وطن کر کے شام تشریف لے گئے تھے۔ اور وہاں انہوں نے ایک شریف خاندان کی یہودی النسل لڑکی حرا سے شادی کرلی۔ جسکے بطن سے ثریا خانم پیدا ہوئیں آپ کی تاریخ پیدائش ۲۴ اپریل ۱۸۹۹ء بیان کی جاتی ہے اس حساب سے اس وقت آپ کی عمر ۳۲ سال کی ہوتی ہے۔ سردار صاحب نے اپنی صاحبزادی کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ مبذول فرمائی۔ عربی تو خانم موصوفہ کی مادری زبان تھی فارسی اور پشتو کو اگر پدری زبان کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا گو اصطلاح نئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح آپ عربی بچپن سے بولتی اور لکھتی تھیں اسی طرح فارسی اور پشتو میں بھی شروع ہی سے بات چیت کا سلیقہ اور مہارت حاصل ہوگئی تھی عربی فارسی پشتو کے علاوہ فرانسیسی میں بھی آپ پوری قابلیت رکھتی ہیں۔ بلحاظ حسن ظاہری آپ کو ایک ممتاز درجہ حاصل ہے۔ رنگ سرخ سپید۔ آنکھیں کشادہ اور آبدار۔ چہرہ کتابی۔ جسم گداز۔ بال سیاہ اور چمکدار۔ جو سرخ سپید چہرہ پر نہایت حسین معلوم ہوتے ہیں۔ قامت رعنا مائل بہ درازی۔ مختصر الفاظ میں آپ کی تصویر یوں کھینچی جاسکتی ہے کہ افغانی اور شامی حسن کا ملا جلا ایک دلکش نمونہ ہیں۔ قدرت کی فیاضی نے جہاں حسن ظاہر میں آپ کی معاونت کی وہاں محاسن باطنی سے بھی مالامال فرمایا۔ ذہانت وفراست، دانش و بینش، اور تحریر و تقریر کی خاص

استعداد بخشی۔ دل و دماغ میں اصلاح و ترقی کا جذبہ ودیعت فرمایا ہے۔

امیر حبیب اللہ خاںؒ کے بعد جب شاہ امان اللہ خاں تخت نشین ہوئے۔ تو سردار محمود طرزی معہ اہل و عیال اپنے وطن افغانستان میں واپس آگئے اور رفتہ رفتہ نہایت قلیل مدت میں اپنی قابلیت کے باعث مجلس افغانیہ کے رکن اعظم بن گئے اس وقت خانم موصوفہ کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ افغانستان پہنچتے ہی ثریا خانم نے تعلیم و اصلاح نسواں کی تحریک جاری کی۔ اور اپنے طبقہ میں خاص ہر دلعزیزی حاصل کرلی۔ زنانہ جلسوں میں تقاریر کے علاوہ اخبارات و رسائل میں تحریر کے ذریعہ بھی آپ نے کافی شہرت و مقبولیت پائی۔ شاہ امان اللہ خاں ایک نوجوان دوشیزہ لڑکی کی اس تعلیمی و اصلاحی جد و جہد کو بنظر استحسان دیکھتے رہے۔ انہی دنوں خانم موصوفہ نے ایک معرکۃ الآرا مضمون "حقیقت الاسلام" کے عنوان سے "امان افغان" میں شایع کرایا۔ جسے دنیائے اسلام میں غیر معمولی دلچسپی سے دیکھا گیا۔ بہت سے عربی و فارسی جرائد نے اس کے تراجم و اقتباسات شایع کیے۔ شاہ امان اللہ خاں نے اس مضمون کو پڑھکر پروانہ خوشنودی عطا فرمایا۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے ہم اسے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"حقیقت اسلام"

وائے بر ما، وائے بر اسلام ما ! کفر وارد عار بر اسلام ما

آج جس موضوع پر میں قلم اٹھانا چاہتی ہوں وہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے ایک خاص درجہ رکھتا ہے۔ مجھے اپنی کم سنی، ناتجربہ کاری اور عقل و دانش کی کم مائیگی کا اعتراف ہے۔ پھر بھی میرا خیال ہے کہ مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنی دس سال کی تحقیق و تفتیش کو اپنی بہنوں اور بھائیوں کے سامنے پیش کردوں۔ اسلام کے دہ سالہ مطالعہ نے میرے قلب میں جو روشنی پیدا کردی ہے وہ میں دوسروں تک پہنچانے کے لئے بیتاب ہوں۔

میری بہنو اور بھائیو! بلا مبالغہ آج مقدس مذہب اسلام کو ایک خوفناک مذہب بنا دیا گیا ہے۔ اور مسلمان اپنے مذہب کی روح سے بہت دور ہو گئے ہیں وہ چند ظاہری رسوم کو اسلام سمجھنے لگے ہیں۔ ممکن ہے بعض مسلمانوں کو میرے یہ الفاظ گراں گزریں اور بعض علما سے تو کفر کے فتوے کی توقع بھی کی جا سکتی ہے۔ لیکن میں درخواست کروں گی کہ اظہار رنج و غصہ اور تکفیر سے پہلے میرے خیالات کو بغور ملاحظہ فرما لیجیے۔ اسلام کے لغوی معنے ہیں اطاعت شعاری یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لاکر اس کے احکام کی بجا آوری۔ اس کے پاک رسولوں کی صداقت کو ماننا اور منزل من اللہ قوانین و ہدایات پر بصدق دل عمل پیرا ہونا۔ اچھی باتوں کو قبول کرنا اور بری باتوں کو چھوڑنا۔ یہ ہے اسلام کی مجمل و مختصر تعریف جس سے کوئی ہوشمند انکار تو کیا اختلاف بھی نہیں کر سکتا۔ جو شخص توحید الٰہی پر ایمان رکھتا ہے اور اس خالق و مالک کی تمام صفات محمودہ کا دل اور زبان سے اعتراف و اقرار کرتا ہے۔ اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے بھیجے ہوئے انبیا کی عزت و تکریم کرتا ہے۔ وہ قابل احترام مسلمان ہے۔ جو شخص خدا کے احکام کو ناقابل تعمیل یا اس کی ہستی کو ناقابل تسلیم سمجھتا ہے وہ ملحد اور بے دین ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی صاحب فہم و شعور منکر خدا کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ دنیا کا ذرہ ذرہ اپنے خالق کی ہستی کا اعلان کر رہا ہے۔

ہستی باریتعالیٰ

کیا میں ان منکرین سے پوچھ سکتی ہوں کہ بلند آسمان، وسیع زمین، بسیط و عریض سمندر۔ اونچے اونچے پہاڑ۔ درخشاں چاند سورج چمکدار ستارے پیدا کرنے والا کون ہے؟ وقت مقررہ پر مینہ برسانا۔ کھیتوں اور باغوں کو سبز و شاداب کرنا کس کا کام ہے؟ آفتاب و ماہتاب کی مقررہ گردش اور ٹھیک وقت پر

طلوع وغروب۔ اور اس وسعت خیال ووہم سے بھی زیادہ وسیع نظام ارضی وسماوی کو خاص نظم وانضباط سے چلانا کس ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ جب ایک چھوٹی سی سلطنت کا نظم ونسق بھی بادشاہ یا صدر جمہوریہ کے بغیر قایم نہیں رہ سکتا تو پھر کائنات عالم کا نظم ونسق بغیر کسی زبردست طاقت کے کیونکر قایم رہ سکتا ہے۔ جب ایک موٹر، جہاز، گراموفون، رائفل، مشین گن بغیر اپنے صانع کے نہیں بن سکتے تو زمین، آسمان، سمندر، پہاڑ اور ہزارہا قدرتی چیزیں خود بخود کیسے بن سکتی ہیں؟ کس قدر نادان ہے وہ شخص جو ہستی باری تعالی سے انکار کرتا ہے۔ کیا اس شخص نے کبھی اپنی مجبوری وبے بسی پر غور نہیں کیا؟ کیا اسے اپنی زندگی میں کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جہاں اسے اپنی خواہش و ارادہ کے خلاف مجبور ہونا پڑا ہو؟ سنو! میں کہتی ہوں کہ جب انسان بیمار پڑتا ہے۔ اور ہر قسم کے علاج معالجہ کے بعد بھی صحت نہیں پاتا تو کیا اس وقت بھی اس کو اپنے عجز وبیچارگی کا احساس واعتراف نہیں ہوتا؟ پھر جب وہ ہزاروں حسرتوں اور لاکھوں ارمانوں کو اپنے سینے میں لئے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور بچشم خود دیکھ لیتا ہے کہ بڑی سے بڑی دنیاوی طاقت اور مادی قوت اسے زندہ نہیں رکھ سکتی تو کیا اس وقت بھی اس کو اپنی مجبوری نظر نہیں آتی؟ ذرا غور وفکر سے کام لو۔ ایک بادشاہ اعظم صاحب خدم وحشم مالک دولت وحکم اپنے اکلوتے بیٹے۔ ولیعہد سلطنت۔ اپنی آرزوؤں کے مرکز کی جان وصحت کی انتہائی حفاظت کرتا ہے اگر وہ بیمار ہو جائے تو وہ بادشاہ اپنی طرف سے کیا کچھ جد وجہد نہ کرے گا۔ لیکن مرض الموت میں مبتلا ہونے والے مریض کو کسی جد وجہد سے بھی افاقہ نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے ماہرین طب قدیم وجدید اور حاذق الملک نباض دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ شاہانہ سروسامان

بیکار ہو جاتی ہیں بہمہ شوکت و دبدبہ و خدم و حشم نہایت بیچارگی کے ساتھ اپنے چہیتے بیٹے کو اپنے ہاتھوں زیر زمین دفن کر دیتا ہے۔ جسکے ساتھ اس کی بہت سی توقعات بھی دفن ہو جاتی ہیں۔ یہاں کس کا حکم چلا؟ کیا ایسے واقعات انسان کو درس عبرت نہیں دے سکتے۔ انسان تو اس قدر عاجز ہے کہ اس کی سانس، نبض، حرکت، خون کی روانی، بھوک پیاس، کچھ بھی اس کے اپنے اختیار میں نہیں۔ جب اس کے عجز و بے بسی کا یہ عالم ہے تو پھر اپنے خالق و مالک جز و کل اور قادر مطلق سے تمرد و سرکشی کیسی؟

نبوت و رسالت

میں بالاجمال نبوت و رسالت کا بھی ذکر کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔ یاد رکھو کہ ہر نظام کو قائم رکھنے اور ہر پیغام کی اشاعت کرنے کے لیے کچھ کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ خواہ وہ نظام مادی ہو یا روحانی۔ مادی نظام کے لئے وزراء اور ممبران پارلیمنٹ کی ضرورت ہے اور روحانی نظام کے لئے چند برگزیدہ نفوس یعنی رسولوں اور پیغمبروں کی ضرورت ہے۔ جو انسانوں کی اصلاح و تعلیم پر مامور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جن مقدس ہستیوں کو اس کام کے لئے چنتا ہے وہ نہایت صداقت شعار، متقی اور اعلےٰ اخلاق و سیرت رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی روح اس قدر پاکیزہ اور لطیف ہوتی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک سے غیر معمولی نزدیکی اور قرب حاصل کر لیتے ہیں۔ اور ان کے قلب پر وحی نبوت نازل ہوتی ہے۔ اور وہ اسی وحی کے مطابق اصلاح اخلاق اور تلقین ہدایت کرتے ہیں۔ جسطرح دنیاوی حکومت کا نظام قائم رکھنے کے لئے قانون کی ضرورت ہے اسی طرح روحانی اور اخلاقی نظام قائم رکھنے کے لئے خدائی قانون کی ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ

قرآن مجید اللہ کی طرف سے ہمارے آقا و مولا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ میں نے دس برس تک فکر و تدبر کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت کی ہے میں پورے یقین سے کہتی ہوں کہ وہ ایک مکمل قانون ہے۔ جو اصلاح اخلاق و اعمال کا ضامن ہے اور تزکیہ نفس کا کفیل۔ میں نے اپنے آقائے محترم سرور دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو بھی بغور مطالعہ کیا ہے۔ میں سچائی اور خلوص کے ساتھ عرض کرتی ہوں کہ حضور اقدس ایک قابل احترام رسول، عظیم المنزلت پیغمبر اور جلیل القدر مصلح تھے۔ حضور اکرمؐ کو حیرت انگیز عروج و کمال حاصل ہوا۔ بڑے بڑے صاحب دولت و ثروت آپ کی غلامی میں داخل ہوئے لیکن حضور اکرمؐ کی سادہ طرز معاشرت میں سرمو فرق نہیں آیا۔ زندگی کے آخری لمحہ تک غریبانہ انداز کی وضعداری کو نبھا دیا۔

اسلام کے محاسن

اسلام ایک سیدھا سادہ اور پاکیزہ مذہب ہے۔ جس میں خلاف عقل رسوم کا نام و نشان تک نہیں۔ وہ انسان کو خالص خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ بندہ اور خدا کے تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ آج کل کے علما اور پیر اقرار توحید و رسالت کے ساتھ قبر پرستی و سجدۂ تعظیمی بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ میں اولیائے کرام کی تعظیم و تکریم کی قائل ہوں لیکن توہم پرستی کو لغو سمجھتی ہوں۔ میرے نزدیک اللہ کے ساتھ سچا تعلق قایم کرنے کے بعد قبر کی پرستش، پیروں کو سجدے سب بیکار ہیں۔ جو اس پرستش و سجدہ ریزی کا حامی و مؤید ہے۔ وہ حقایق اسلام سے نابلد ہے۔ میں کہہ چکی ہوں کہ اسلام اخلاق اور اعمال کی اصلاح اور تزکیہ نفس کا مؤید ہے۔ لیکن بعض تنگ خیال علما اور صوفیا صرف ظاہری تزئین و زیبائش کو ضروری سمجھتے ہیں اور اصلاح باطن سے قطعاً بےخبر اور بے پروا۔ ان کے نزدیک

ٹخنوں سے اونچا پاجامہ یا تہبند۔ نیچا کرتہ اور اس سے بھی نیچا جبّہ۔ داڑھی اور گیسو دراز۔ کتری ہوئیں مونچھیں۔ ہاتھ میں تسبیح اور سر پر عمامہ۔ یہ چیزیں تقدس کا سرٹیفکیٹ ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ جو شخص مذکورہ باتوں کا لحاظ رکھتا ہے وہ نہایت مقدس ہے۔ خواہ اس کی اخلاقی حالت کیسی ہی گری ہوئی کیوں نہ ہو۔ جو شخص ڈاڑھی صاف کراتا ہے۔ انگریزی وضع کے بال رکھتا ہے۔ کوٹ ہیٹ پہنتا ہے، خواہ وہ کسی قدر دیانتدار، راستباز، وسیع الاخلاق، اتقیا پسند اور تہجد گزار کیوں نہ ہو لیکن اس کا دعوے اسلام لائق اعتبار نہیں۔ تو کیا کسی مخصوص لباس یا مخصوص طرز معاشرت کا نام اسلام ہے؟ خدا کی قسم اسلام ان چیزوں سے اعلےٰ و ارفع ہے۔ میں پھر کہتی ہوں کہ اسلام نام ہے اقرار توحید و رسالت، اصلاح نفس، طہارت روح اور تزکیۂ اخلاق و اعمال کا۔ جو شخص اسلام کی حقیقت اور اصل روح کو چھوڑ کر کسی پاجامے یا کرتے یا گیسوؤں میں الجھا ہوا ہے۔ اس کو ہرگز حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی سیادت و قیادت کا دعوےٰ کر سکے۔ یاد رکھئے جب تک مسلمان اس ظاہر پرستی میں مشغول رہیں گے ہرگز ترقی نہ کر سکیں گے۔ ایک نیک نیت جماعت کو بڑھکر ریاکار مولویوں اور پیروں کے مکر و فریب کا تار و پود بکھیر دینا چاہیئے۔ ورنہ یہی نادان دوست ہولناک دشمن ثابت ہوں گے۔

میری عزیز بہنو اور بھائیو! آپ دیکھئے کہ آج کل ذرا ذرا سی باتوں پر مسلمان کس طرح باہم مصروف پیکار ہیں۔ اور ترقی یافتہ قومیں ان کی نادانیوں پر کیسی ہنس رہی ہیں۔ اسلام کی تعلیم اخوت و محبت کو فراموش کر دیا گیا ہے۔ اور مولویوں اور پیروں کی بدولت گلستان اسلام خارستان بنا ہوا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! اللہ نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔ تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو

لیکن آج کتنے ہیں جو صرف مسلم کے لقب کو پسند کرتے ہیں۔ کسی کو اہلحدیث ہونے کا دعوے ہے کسی کو حنفی ہونے کا۔ کسی کو شافعی ہونے کا۔ کسی کو حنبلی ہونیکا صرف مسلم ہونا کوئی پسند نہیں کرتا۔ اگر غلامان محمدؐ صرف مسلم کہلانا پسند کرتے تو آج آمین بالجہر اور رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام اور سماع موتے وغیرہ مسائل پر باہم گریبان دست و گریباں نہ ہوتے۔ میں زیادہ وضاحت کے ساتھ مسلمانوں کی کوتاہیوں پر نظر و تبصرہ کرنا چاہتی تھی لیکن مصلحت وقت کا تقاضا ہے کہ مضمون کو ختم کر دیا جائے۔ اور عدیم الفرصتی کہتی ہے کہ بس!

"ثریا بیگم"

شاہ غازی کے پروانہ خوشنودی نے ثریا بیگم کے حوصلے بڑھا دیئے۔ اور ان کی حاضر دماغی نے اسدفعہ سمند قلم کی جولانیوں کے لئے "فرمانروا کے فرائض" کا نیا اور برمحل موضوع پیش کر دیا۔ جسے "اتحاد مشرقی" نے شائع کیا۔ اس مضمون کو پڑھکر بعض نے یہ رائے بھی ظاہر کی کہ اگر یہ مضمون بحق شاہ افغانستان ضبط ہو جائے تو کچھ دور نہیں۔ بعض نے کہا کہ اب یہ چہچہاتا ہوا بلبل چمن افغانستان سے پر پرواز تول رہا ہے۔ یعنی نگارش مضمون کے جرم میں جلاوطنی کا پروانہ ملنے والا ہے۔ یہ کسے معلوم تھا کہ خود شاہ امان اسے اس قدر پسند فرمائیں گے کہ جو انعام انہوں نے اب تک کسی کو نہیں دیا تھا وہ ثریا بیگم کو ملے گا۔ اور جسے وہ بلبل چمن کہہ رہے ہیں وہ گل نوشگفتہ کی شکل پانے والا ہے۔

"تحقیقت اسلام" پر جس قابلیت کے ساتھ ثریا خانم نے روشنی ڈالی وہ ان کی فضیلت علمی اور مذہبی واقفیت کا ضامن ہے۔ اب ایک اور نہایت اہم مضمون پیش کیا جاتا ہے جو قابل داد و ستائش ہے۔

"فرمانروا کے فرائض"

سلاطین عرب وعجم کے حالات پڑھنے کے بعد میرا جی چاہتا ہے کہ میں اسلامی نقطۂ نظر سے فرمانروائی کے ضوابط و شرائط پر روشنی ڈالوں۔ اور ایک فرض شناس فرمانروا کے فرائض بیان کردوں۔

میں اپنی ناچیز معلومات کے مطابق عرض کرتی ہوں کہ اسلام شخصی فرمانروائی کا مخالف نہیں ہے۔ بلکہ حامی و مویّد ہے اگر حامی نہ ہوتا تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین ہرگز خود مختار امیر نہ ہوتے۔ اسلام نے ہر نظام اور سوسائٹی کے لئے ایک صدر کا تقرر ضروری قرار دیا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ نماز کے لئے ایک امام، فوج کے لئے ایک سپہ سالار اور مجلس کے لئے ایک صدر کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اسلام نے خانگی امور کے لئے شوہر کو صدر کا درجہ دیا ہے۔ اسی طرح ہر سلطنت کے لئے بھی ایک فرمانروا کا ہونا ضروری ہے۔ غیر مسلم اقوام حاکم وقت کو مالک و مختار سمجھتی ہیں۔ اسلام نے اسے ایک امین قرار دیا ہے امیر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ جمہور کی مرضی کے خلاف اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنادے۔ عام مسلمان جس کو اہل سمجھیں اپنا امیر منتخب کرسکتے ہیں۔ اور اگر وہ کسی کو نااہل پائیں تو معزول بھی کرسکتے ہیں۔ غرض معزولی و تقرر کا حق جمہور کو ہے۔ اور فرمانروا کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ عوام کے جذبات و حسیات کو پیش نظر رکھے جو رعایا کی راحت و آسائش کا لحاظ نہیں کرسکتا اسے فرمانروائی کا کوئی حق نہیں ان فرمانرواؤں کی حالت قابل افسوس ہے جو اپنے فرائض سے غافل ہیں۔ اور ایسے فرمانروا کے خلاف شورش برپا کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ بلکہ میرے نزدیک تو کار ثواب ہے۔ فرمانرواؤں کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ مرغن اور لذیذ کھانے کھائیں۔

اور بیش قیمت زریں بستروں اور نقرئی اور طلائی مسہریوں اور نرم نرم تکیوں اور آراستہ کمروں اور خوشنما باغیچوں میں عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ اور لاتعداد خوبصورت عورتوں کے ساتھ مصروف اختلاط ہوں۔ بلکہ ایک لائق فرمانروا کا اہم ترین فرض یہ ہے کہ وہ بذات خاص رعایا کے حالات تحقیق کرے اور رعایا میں سے جو غریب مفلوک الحال، اپاہج، معذور ہیں ان کی مالی امداد کرے اور یتیم بچوں اور لاوارث پردہ نشیں عورتوں کی دستگیری اور دلنوازی کرے اور ملک میں جابجا غریب خانے، بیوہ خانے اور یتیم خانے جاری کرے اور پردہ نشیں بیواؤں کا ماہوار وظیفہ جاری کرے اور نادار اور مفلس آدمیوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام و اہتمام کرے اور حتی الامکان رعایا کو آرام پہونچائے جو فرمانروا کہ فی الحقیقت فرض شناس ہے وہ یقیناً ظل اللہ اور رحمت الہی ہے۔ اور فرمانروا کہ نفس پرست، عیش پرست اور غفلت شعار ہے۔ وہ ظل اللہ نہیں بلکہ ظل الشیطان ہے اور ابلیس کے دوستوں میں سے ایک دوست ہے یاد رکھئے فرمانروا کے لئے ایک ضروری فرض یہ بھی ہے کہ وہ درجہ کا منکسر المزاج۔ راستباز۔ امین صادق اور ایثار پسند ہو۔ جو شخص کہ تخت و تاج کا مالک بننے کے بعد اور رعایا کے روپیہ پر قبضہ کرنے کے بعد مغرور اور متکبر بن جاتا ہے اور اپنے آپ کو انسانیت سے بالاتر سمجھنے لگتا ہے اور رعایا سے ملنا جلنا ان کے رنج و راحت میں شریک ہونا باعث تحقیر و توہین سمجھتا ہے وہ اعلیٰ درجے کا احمق۔ کم عقل ناعاقبت اندیش۔ ظالم اور مستبد ہے آپ یقین کیجئے کہ اسلام نے بلند و پست، ادنیٰ و اعلیٰ اور امیر و غریب، سب کو مساوی الرتبہ قرار دیا ہے اسلام کی نظر میں بادشاہ اور فقیر اور رئیس اور غریب بحیثیت انسان ہونے کے سب برابر ہیں آپ دیکھتے ہیں کہ جس وقت مسلمان

مسجد میں نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں تو اس وقت بادشاہ کے لئے زریں تخت رئیس کے لئے قیمتی قالین اور کروڑپتی کے لئے خوشنما مسند کا انتظام نہیں ہوتا۔ اور امیروں اور غریبوں کی صفیں علیحدہ علیحدہ قائم نہیں ہوتیں۔ بلکہ محمود و ایاز، امیر و غریب، بادشاہ و فقیر سب ہی ایک صف میں کھڑے ہو کر اپنے خالق و مالک کی تقدیس و تمجید بیان کرتے ہیں خداوندا! میری پکار اور آواز میں اثر دے۔

(ثریا بیگم)

مضمون چھپنے کے دوسرے ہی دن ایک نہایت عظیم الشان پیمانہ پر لیڈیز کانفرنس منعقد ہوئی جس میں خواتین کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ صدارت کے لئے ثریا بیگم کا نام پیش ہُوا۔ اس جلسہ میں بحیثیت صدر کانفرنس جو خطبہ آپ نے دیا وہ آپ کی قوت تقریر اور جذبہ اصلاح کو نمایاں طور پر ثابت کرتا ہے۔ ہم اسے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

خطبۂ صدارت ثریّا بیگم

معزز خواتین! میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے ازراہ کرم مجھے اس کانفرنس کی صدارت کا شرف عطا فرمایا۔ میں اگر اپنی کم مائیگی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے صدارت کے فرائض باحسن وجوہ انجام نہ دے سکوں تو آپ سے التجا ہے کہ عفو کرم سے کام لیجئے۔

میں آج اس حقیقت کو واضح طور پر بیان کرنا چاہتی ہوں کہ عورت کی حیثیت اسلام میں کیا ہے؟ بعض متعصب عیسائی علماء اور یہودی مؤرخین کہتے ہیں کہ اسلام نے عورت پر ظلم کیا ہے اور اس کو ذلت کے آخری درجے میں پہونچا دیا ہے۔ میں کامل یقین کے ساتھ عرض کرتی ہوں کہ یہ اعتراض

نہایت لغو اور غلط ہے اگر منصفانہ نقطۂ نظر سے معتبر تاریخوں کا مطالعہ کیا جائے
تو یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام سے پہلے عورت کی حیثیت
نہایت ہی ذلیل تھی۔ اسلامی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلوہ افروز ہو کر عورت
کی زبردست حمایت کی اور اس کو عزت و عظمت کا تاج پہنایا تمام مورخین کا اس
امر پر اتفاق ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں عیسائی دنیا کا یہ عقیدہ تھا
کہ انسان اول حضرت آدم کی ذلت و رسوائی کا باعث عورت ہے۔ اور حضرت
مسیح نے صلیب پر چڑھ کر جو کفارہ ادا کیا تو محض عورت کے گناہ کو دور کرنے
کے لئے اس صورت میں یہ ظاہر ہے کہ عورت ایک تباہ کن چیز ہے زہریلا
بچھو ہے اور اولاد پیدا کرنے کی ایک مشین ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی
حیثیت نہیں۔ یہ تو مسیحی عالموں کا فیصلہ تھا۔ اب یہودی علماء کا فتویٰ بھی
ملاحظہ کیجئے۔ تمام یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ عورت ایک بدترین چیز ہے جو
انسان کو غم میں ڈالتی ہے پس اس کا ادب و احترام کرنا اس کے حقوق کا لحاظ
رکھنا گناہ عظیم ہے۔ آپ کہہ سکتی ہیں کہ یہ اگلے زمانے کے افسانے ہیں۔
موجودہ زمانے کے حالات سے بحث ہونی چاہیئے۔ میں وثوق کے ساتھ
عرض کرتی ہوں کہ آج بھی اسلام میں عورت کو جیسی عزت و عظمت حاصل ہے
کسی قوم اور کسی مذہب میں نہیں ہے عہد جاہلیت میں عورت کی عزت بالکل
نہیں تھی۔ جاہل عرب اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے یا پہاڑوں پر
سے گرا کر ہلاک کر دیا کرتے تھے۔ اسلام نے سب سے پہلے لڑکیوں کے قتل
کو روکا پھر عورت کے حقوق قائم کئے۔ جاہل عربوں میں عام دستور تھا کہ وہ
پچاس پچاس عورتیں اپنے نکاح میں جمع کر لیتے تھے اور نفسانی خواہشات
کی تکمیل کے بعد بے عزتی کیسا تھ عورتوں کو نکال دیا کرتے تھے۔ اسلام نے

زیادہ سے زیادہ چار عورتوں کی اجازت دی - اور چار کے لئے بھی یہ شرط قائم کی کہ اگر تم چاروں بیویوں کے ساتھ عادلانہ اور منصفانہ طرز عمل جاری رکھ سکو تو چار نکاح کر سکتے ہو ورنہ ایک سے زیادہ کی اجازت نہیں - چونکہ چار کے ساتھ عادلانہ برتاؤ رکھنا آسان نہ تھا - اس لئے مردوں کو ایک ہی بیوی پر قناعت کرنی پڑی - بیویوں کی تعداد مقرر کرنیکے بعد اسلام نے مردوں کو ہدایت کی - کہ تم عورتوں کا احترام کرو - اُن کے حقوق کا لحاظ رکھو پھر اسلام نے عورت کا مہر مقرر کیا - اور ترکہ میں حصہ مقرر کیا - وہ ہر حیثیت سے اس کو سوسائٹی کا برابر کا رفیق قرار دیا - نظام خانگی میں بھی مرد کی حیثیت ایک پریسیڈنٹ کی اور عورت کی حیثیت ایک وائسرائے کی ہے قرآن شریف کہتا ہے کہ عورتیں مردوں کے لئے باعث دلبستگی ہیں - اور مرد عورتوں کے لئے وجہ دلنوازی ہیں - اس کے ساتھ ہی یہ چیزیں قابل غور ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو تحصیل علم کے لئے پوری پوری آزادی دی ہے - ہر مسلم خاتون کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو مذہبی تعلیم حاصل کر کے عالم بن سکتی ہے -

اس بحث کے ختم کرنے سے پہلے میں اس اعتراض پر بھی تنقید کرنا ضروری سمجھتی ہوں کہ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زیادہ بیویاں کیوں کیں - معاندین اسلام کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ من ذٰلک حضور اکرم نفس پرست اور عیش پرست تھے یہ اعتراض نہایت بے اصل اور غلط اور تعصب پر مبنی ہے - تمام اسلامی اور غیر اسلامی تاریخوں سے یہ ثابت ہے کہ حضور پیغمبر اسلام پچاس برس کی عمر تک صرف ایک بڑھیا بیوی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے جو آپ سے عمر میں پندرہ برس بڑی تھیں - اگر نعوذ باللہ حضور نفس پرست یا عیش پرست ہوتے تو ہرگز ایک بیوی پر قناعت نہ کرتے

بلکہ اپنے عہد شباب میں بہت سی دوشیزہ اور خوبصورت عورتوں سے شادیاں کرتے لیکن حضور نے ایسا نہیں کیا پس ثابت ہے کہ حضور ہرگز نفس پرست یا عیش پرست نہ تھے جب حضور کی پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا اور حضور کا زمانہ شباب ختم ہوگیا تو محض عورتوں میں تبلیغ اسلام کی غرض سے حضور نے تو دس بیوہ عمر رسیدہ عورتوں سے شادی کی۔اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اس بات کو سب مانتے ہیں کہ حضور کی ازواج میں سوائے حضرت عائشہ صدیقہ کے کوئی بیوی بھی دوشیزہ اور کمسن نہ تھی۔ان حالات میں حضور پر یہ الزام عائد کرنا کہ نفس پرست اور عیش پرست تھے سخت ناانصافی اور ظلم ہے۔ہر واقعہ یہ ہے کہ حضور نے محض عورتوں میں اسلام کی اشاعت کی غرض سے گیارہ شادیاں کی تھیں۔اس کے سوا اور کوئی غرض نہ تھی۔ کفیٰ باللہ شہیدا

میں خیال کرتی ہوں کہ جس مضمون کو میں نے شروع کیا تھا وہ ایک حد تک مکمل ہوچکا ہے۔اس لئے اب میں اس بحث کو ختم کرتی ہوں اور زن و شوہر کے تعلقات پر اجمالا روشنی ڈالنا چاہتی ہوں۔

زن و شوہر یعنی میاں بیوی کے تعلقات تمام تعلقات سے زیادہ مستحکم اور پائیدار ہیں۔ضرورت ہے کہ ان تعلقات کے قیام و استحکام میں تمام مصلحتوں کو پیش نظر رکھا جائے سب سے زیادہ لائق توجہ یہ چیز ہے کہ جب ایک مرد اور ایک عورت کا تعلق قائم کیا جائے تو اس میں جانبین یعنی دونوں کی رضامندی اور خواہش کا لحاظ رکھا جائے مجھے بعض اوقات یہ دیکھ کر نہایت افسوس ہوتا ہے کہ بعض اشخاص اپنی قرابت کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی سے استفسار نہیں کرتے۔بلکہ اپنی خاص اغراض کی بنا پر دونوں کا شرعی تعلق قائم کر دیتے ہیں۔اس صورت میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کبھی لڑکا اپنی منکوحہ

کو پسند نہیں کرتا۔ اور تمام عمر اس سے متنفر اور بیزار رہتا ہے اور اس غریب خاتون کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لڑکی اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہے۔ اور اگرچہ شرم و لحاظ کی وجہ سے وہ اپنے غم و غصے کا اظہار نہیں کرتی۔ لیکن فی الحقیقت وہ تمام عمر اپنے شوہر سے ناراض و رنجیدہ رہتی ہے۔ اس صورت میں زندگی کا وہ باب جو سب سے زیادہ درخشاں ہونا چاہیئے۔ سب سے زیادہ تاریک ہو جاتا ہے۔ اور دو ہستیاں تمام عمر درماندہ اور آزردہ خاطر رہتی ہیں۔ ان حالات میں اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کہ شادی سے پہلے مرد اور عورت کی عادت و طبیعت، شکل و صورت استعداد و قابلیت کا پورے طور پر اندازہ کر لیا جائے اور دونوں کی رضامندی اور خواہش دریافت کر لی جائے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہتی ہوں کہ شادی سے قبل اگر دولہا اور دلہن دونوں ایک دوسرے کو دیکھ لیں اور آپس میں بات چیت کر لیں تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ شرعاً ایسا کرنا جائز اور مستحسن ہے۔ ممکن ہے بعض اشخاص یوں کہیں کہ شادی سے پہلے دولہا اور دلہن کو بات چیت کا موقعہ دینا ہمارے رسم و رواج کے خلاف ہے۔ اور ایک طرح کی بے حیائی اور بیشرمی ہے یہ اعتراض لائق التفات نہیں۔ میرے نزدیک رسم و رواج کچھ چیز نہیں۔ جن دو ہستیوں کا مستقل تعلق قائم ہونے والا ہے ان کو بات چیت کا موقع دینے میں ہرگز کوئی بے شرمی اور بے حیائی نہیں ہے میں پوچھتی ہوں کہ رسم و رواج کی پابندی ضروری ہے یا دو زندگیوں کا خوشگوار بنانا ضروری ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکتی ہوں رسم و رواج سے میاں بیوی کا مستقل اتحاد اور عیش و آرام زیادہ ضروری ہے بس ضرورت ہے کہ

رسم و رواج کی دیواروں کو منہدم کیا جائے اور مرد و عورت کے اتحاد و آرام کے لئے ہر ممکن سعی و کوشش کی جائے۔

ان توضیحات کے ساتھ ہی میں یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ جب دو ہستیوں کا اتحاد قائم ہو جائے یعنی جب دو روحیں بحیثیت میاں بیوی کے جمع ہو جائیں۔ تو پھر ان کو ہمیشہ ہمیشہ خوش رہنے کے لئے با اصول زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ سب سے پہلے بیوی کو یہ معلوم کرنے کی سعی کرنی چاہیئے کہ اس کا شوہر کس مزاج کا آدمی ہے۔ کن باتوں کو پسند کرتا ہے اور کن باتوں سے آزردہ خاطر ہوتا ہے۔ نفاست پسند ہے یا نہیں۔ ذی علم یا ذی استعداد ہے یا نہیں۔ علمی گفتگو پسند کرتا ہے یا سیاسی بحث کو۔ یا خاموشی کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ ان حالات کو معلوم کرنے کے بعد بیوی کو چاہیئے کہ وہ اپنے شوہر کو خوش رکھنے کی سعی کرے۔ اگر شوہر نفاست پسند ہے تو بیوی کو چاہیئے کہ ہر وقت پاک و صاف رہے حسب مقدرت عمدہ لباس پہنے۔ صاف ستھری رہے اپنے گھر کو صاف رکھے لکھنے پڑھنے کے سامان اٹھنے بیٹھنے کے سامان اور آرام کرنے کے ساز و سامان کو ایک خاص ترتیب اور قاعدے سے رکھے اور ہر وقت خوشبوؤں کا استعمال جاری رکھے اور کسی وقت بھی میلی کچیلی نہ رہے اسی طرح شوہر کو چاہیئے کہ وہ ہر وقت اپنی رفیق زندگی کی دلنوازی کرتا رہے۔ اگر اس سے کچھ غلطیاں بھی سرزد ہوں تو ان کو معاف کر دے۔ اور موقع و محل دیکھ کر اس کو سمجھاتا رہے اگر یہ طرز عمل اختیار کیا جائے تو میں یقین کرتی ہوں کہ دونوں میاں بیوی ہمیشہ ایک دوسرے سے خوش رہ سکتے ہیں۔ اور عیش و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں زندگی کو تلخ بنانے میں ایک چیز ہمیشہ محرک ہوتی ہے اور وہ تنگدستی اور مفلسی

اور ناداری ہے اس سلسلے میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ شوہر کو ہمیشہ علی قدر استطاعت مال و زر حاصل کرنے کی سعی و کوشش کرنی چاہیئے۔ اور بیوی کو یہ چاہیے کہ وہ حتی الامکان کفایت شعاری اور عاقبت اندیشی کے ساتھ مصارف کی حد مقرر کرے سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے خرچ کو آمدنی سے کم رکھا جائے۔ کسی حال میں بھی زیادہ نہ کیا جائے اگر یہ احتیاط اختیار کی جائے تو کبھی تنگدستی اور مفلسی کی مصیبت نہیں آسکتی۔ اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر ہوسکتی ہے۔ اور اگر کسی وقت خدانخواستہ کوئی امتحانی حادثہ پیش آجائے اور میاں بیوی تکلیف میں مبتلا ہوجائیں۔ تو صبر و استقلال کے ساتھ مصیبت کو برداشت کرنا چاہیئے۔ اگر مصیبت کے وقت میاں بیوی آپس میں متحد رہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے تسکین آمیز کلمات کہتے رہیں تو مصیبت کا احساس کم ہوجاتا ہے۔ اگر مصیبت یا تکلیف کے وقت میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہوجاتا ہے اور وہ آپس میں متحد نہیں رہتے اور ایکدوسرے کے مخالف بنجاتے ہیں تو مصیبت کا احساس بڑھ جاتا ہے اور تکلیف ناقابل برداشت ہوجاتی ہے۔ اور عموماً ایسے موقع پر زن و شوہر کے تعلقات میں ایسی خرابیاں واقع ہوجاتی ہیں کہ مصیبت اور تکلیف کے ختم ہونے پر بھی ان کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ اور ان کی اصلاح ناممکن اور محال ہوجاتی ہے پس نہایت ضروری ہے کہ رنج و راحت میں میاں بیوی آپس میں مونس و ہمدرد اور غمخوار رہیں اور اپنے مذہبی پیشواؤں کی تکلیفوں مصیبتوں، بے چینیوں کو یاد کر کے صبر و استقلال سے کام لیں جس طرح عیش و آرام ہمیشہ قائم نہیں رہتا اسی طرح تکلیف و مصیبت بھی ہمیشہ قائم نہیں رہتی۔ زمانہ ہمیشہ متغیر ہوتا رہتا ہے۔

اب میں اپنی تقریر کو ختم کرتی ہوں اور آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

قلب شاہ میں محبت کی چنگاری

ثریا خانم کی ان مخلصانہ و معصومانہ سرگرمیوں اور خداداد قابلیتوں استعدادوں اور اُنکے صحیح مصرف کو دیکھ کر شاہ امان اللہ خاں کے نوجوان دل میں جس نے ابھی تیسویں منزل میں قدم رکھا تھا محبت و الفت کا جذبہ موجزن ہُوا۔ اور آپ جس مقصد کے لئے اب تک تنہائی میں زندگی بسر کر رہے تھے وہ پورا ہو گیا۔ ہم اس تاریخی چیز کو عشقیہ ناول بنانا نہیں چاہتے۔ اس لئے شروع سے لیکر آخر تک واقعات وحقائق کے سوا دوسری غیر ضروری باتوں اور بے نتیجہ عبارت آرائیوں سے مجتنب رہنا چاہتے ہیں۔ شاہ غازی نے سادگی کے ساتھ علامہ طرزی سے اپنا منشا ظاہر کیا جسے انہوں نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا ۔

دھوم دھام کی شادی

ثریا خانم سے ملکہ ثریا

نامہ و پیام کا سلسلہ ختم ہونیکے بعد اعلیحضرت شہریار غازی اور محترمہ ثریا بیگم کی شادی کا اہتمام وانتظام شروع ہُوا۔ جانبین کی طرف سے احباب و اقارب کے نام دعوت نامے جاری ہوئے رعایا کی طرف سے خوشی ومسرت کا اظہار کیا گیا۔ اور شہر کی تزئین و آرائش میں خاص طور پر سعی و کوشش کی گئی ۔ نامہ نگار امان افغان کا بیان ہے کہ شہر کے تمام حصوں کو خوشنما دروازوں اور رنگ برنگ کی جھنڈیوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اور قصر دلکشا کی تزئین و آرائش میں ایک خاص حسن وجمال پیدا کیا گیا تھا شادی کی تاریخ ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء

مقرر کی گئی۔ اور ۱۵ اکتوبر سے مہمانوں کا اجتماع شروع ہُوا۔ اس موقع پر قندھار
پشاور، ہرات، ایران، قسطنطنیہ، آذربائیجان، سمرنا، سقوطری، بغداد، قاہرہ
جلال آباد اور مختلف ممالک سے معزز مہمان تشریف لائے۔ اور تمام افغان
قبائل کے رؤسا و امرا بھی شریک ہوئے۔

۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو عصر کی نماز کے بعد قصر دلکشا میں مجلس مناکحت منعقد
ہوئی عظمت مآب امیر شریعت قاضی القضاۃ نے خطبہ پڑھا اور اعلیحضرت شاہ امان اللہ
خاں اور محترمہ ثریا بیگم کا شرعی تعلق قائم ہُوا خطبے کے بعد شیرینی تقسیم ہوئی اور
مبارک سلامت کی صدائیں بلند ہوئیں شاہی توپخانے کی طرف سے سلامی
دی گئی اور افغانی بینڈ نے شادی کا نغمہ گایا۔ ان رسموں کے بعد حضرت علامہ
محمود طرزی نے اس موقعہ پر ایک پُرجوش تقریر کی جسکا ترجمہ یہ ہے۔

شاہ کے خُسر کی تقریر

معزز حاضرین! میں سب سے پہلے
حق سبحانہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں
کہ اُس نے آج مجھے ایک اہم فرض سے سبکدوش ہونیکی توفیق عطا فرمائی میں
اس وقت بے پایاں مسرت محسوس کر رہا ہوں کہ میری لخت جگر راحت قلب
پیاری بیٹی ثریا بیگم کا نکاح ایک ایسے اولوالعزم جواں بخت روشن خیال
بیدار مغز فرمانروا سے ہُوا ہے جس کی ہستی ایک عظیم الشان ہستی ہے۔
اور جس کی ذات گرامی تمام دنیائے اسلام میں بے حد محبوب ہے اور جس کا عہد
حکومت ایک انقلاب انگیز عہد حکومت ہے۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ غیور
افغان مجبوراً سالہا سال سے غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور ان کی آزادی
ایک سرمایہ دار حکومت کے پاس چند کھوٹے سکوں میں رہن تھی۔ اس
زندگی سے افغانی روحیں بیزار تھیں۔ اور لیلائے حرّیت سے ہم آغوشی کی

......کی مضطربانہ خواہش تھی۔ الحمد للہ کہ حق تعالےٰ نے افغانوں پر رحم فرمایا اور ان کی اصلاح و ہدایت اور ترقی کے لئے ایک ایسے شخص کو پیدا کیا جس کا اسم گرامی شاہ امان اللہ خاں ہے۔ (نعرہ ہائے مسرت)

زندہ باد شہریار غازی شاہ امان اللہ خاں

حضرات! اعلیحضرت نے زینت آرائے سریر افغانستان ہونیکے بعد سب سے پہلے یہ کام کیا کہ افغانستان کو غلامی کی لعنت سے پاک کیا۔ اور اہل افغانستان کو آزادی کا مژدہ سنایا۔ یہ اعلیحضرت کا ایک ایسا شاندار کارنامہ ہے کہ جسپر افغانی نسلیں ہمیشہ فخر کریں گی۔

برادران! آپ جانتے ہیں کہ میں تقریباً اکیس سال سے علاقہ شام میں مہاجرانہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ اور بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اپنے وطن عزیز سے دور رہنا پسند کرتا تھا۔ جب میں نے سنا کہ دور حریّت کا آغاز ہو چکا ہے۔ اور غلامی کی لعنت دُور ہو چکی ہے تو بیتابانہ میرے دل میں مراجعت کا خیال پیدا ہُوا اور اعلیحضرت شہریار غازی سے اجازت حاصل کرنیکے بعد میں پھر اپنے وطن میں آگیا۔ میں جس وقت افغانستان سے روانہ ہُوا تھا تو میری افغانی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور میں مجردانہ زندگی کی مصیبت میں گرفتار تھا۔ علاقہ شام میں پہونچکر میں نے ایک معزز خاندان کی لائق خاتون سے عقد کیا۔ اور شامی خاتون کے بطن سے ثریا بیگم پیدا ہوئی۔ یہ لڑکی بچپن سے ہونہار تھی آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ ثریّا نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف ختم کیا تھا۔ اسکو عربی پڑھائی اور فارسی تعلیم دی۔ پھر اس نے میری نگرانی میں دیگر علوم و فنون حاصل کئے الحمد للہ کہ وہ ایک لائق ترین بیٹی ہے۔

حضرات! قدرت کے کرشمے بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں میں جس زمانے میں علاقہ شام میں موجود تھا۔ وہاں کے جلیل القدر امراء و روسا نے پیام بھیجے اور ثریا سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن میں انکار ہی کرتا رہا یہاں تک کہ افغانستان میں ایک حیرت انگیز انقلاب ہُوا۔ اور قدرت نے مجھکو اپنے وطن میں پہنچا دیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی۔ کہ اعلیحضرت غیر شادی شدہ ہوں گے۔ اور ثریا بیگم ملکۂ افغانستان بنے گی۔ حقتعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ایک عظیم الشان مسرت وسعادت سے بہرہ اندوز فرمایا۔ اور میں اس رشتے سے بہت خوش ہوں آخر میں حق سبحانہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ یہ دونوں ذی علم دولہا دلہن شاد آباد رہیں اور اعلیٰحضرت کی خدمت میں گذارش ہے کہ ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم وبیش را۔

علامہ طرزی کی تقریر ختم ہونے پر اعلیحضرت شہریار غازی شاہانہ لباس پہنے ہوئے اپنی زریں کرسی سے اُٹھ کر اسٹیج پر تشریف لائے اور حسب ذیل تقریر کی

نوشاہ کی تقریر

اللہ کی حمد اور رسول کی نعت کے بعد التماس ہے کہ حضرت بزرگ محترم علامہ طرزی نے اپنی تقریر میں مجھ نیاز مند کی نسبت جو کلمات خیر ارشاد فرمائے ہیں۔ میں اُن کا صدق دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں کوئی چیز نہیں اگر حق تعالیٰ کی تائید و حمایت شامل حال نہ ہوتی تو میں کچھ بھی نہ کرسکتا۔ یہ اسکا فضل و احسان ہے اُس نے ایک حقیر انسان کے ارادوں کو پورا کیا۔ اور مجھے خدمت ملک و ملت کا شرف عطا فرمایا۔ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میں اپنے بزرگ محترم علامہ طرزی کا بیحد ممنون ہوں کہ انہوں نے میری درخواست کو شرف قبولیّت عطا فرمایا۔ اور میرے ساتھ اپنی صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔ میں آپ حضرات کے سامنے اس حقیقت کا اظہار کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ کہ میرا مجردانہ زندگی بسر کرنا اضطراری نہ تھا بلکہ اختیاری تھا میں اگر چاہتا تو آج سے چند سال قبل شادی کر سکتا تھا میرے خاندان میں زیور عقل و فہم سے آراستہ جمیل تریں لڑکیاں موجود ہیں۔ جن سے میں شادی کر سکتا تھا لیکن مجھے صرف علم وفضل عقل و فہم حسن و جمال والی بیوی کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ ایک ایسی بیوی کی ضرورت تھی۔ جس کے دل میں ملک و ملت کی اصلاح و ترقی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہو۔ الحمدللہ کہ میں اپنی طلب وجستجو میں کامیاب ہُوا۔ اور ربّ قدوس نے میری تمنّا اور آرزو پوری کی۔ میری منکوحہ ثریا بیگم میں ملک و ملت کی اصلاح و ترقی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہے جیسا کہ ان کی مخلصانہ خدمات اور تحریر و تقریر سے ظاہر ہے بس میں اس کامیابی پر حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوں۔

مجھے یقین ہے کہ مستقبل قریب میں ثریا بیگم میرے لئے قوت بازو اور بہترین رفیق زندگی ثابت ہوں گی۔ اگر حق تعالےٰ نے ہمارے عزائم کی تائید و حمایت کی تو ہم امید کرتے ہیں کہ عنقریب ہم اپنے وطن کی اصلاح و ترقی میں جان توڑ سعی و کوشش کرینگے۔ اور اصلاحات و ترقیات کے نور سے اپنے وطن کے گوشہ گوشہ کو منوّر و متجلّی کر دینگے۔ حق تعالیٰ ہم کو توفیق عمل عطا فرمائے۔ میری خواہش ہے کہ ثریا بھی اس موقع پر اپنی سحر البیانی سے حاضرین کو مسحور فرمائیں۔

دلہن کی تقریر

اعلیحضرت شہریار غازی کی خواہش معلوم کرنیکے بعد علیا حضرۃ ملکہ ثریا چہرے پر خوبصورت نقاب ڈالے اسٹیج پر تشریف لائیں۔ اور "زندہ باد ملکہ ثریا" کے فلک شگاف نعروں میں انہوں نے یہ تقریر کی:۔

محترم حاضرین! اعلیحضرت کی خواہش ہے کہ میں اس موقع پر کچھ بیان کروں۔ ابھی چند لمحے گذرے کہ میرا نکاح ہوا ہے۔ اور انسانی زندگی میں شادی کا موقع ایک ایسا موقع ہے کہ عام رسم ورواج کے مطابق اس میں سکوت اور خاموشی، اور شرم ولحاظ کو اہمیت دی جاتی ہے۔ میں نہیں جانتی کہ اس رسم کا مقصد کیا ہے؟ بہرحال وقت کا تقاضا یہ تھا کہ میں خاموشی اختیار کرتی۔ لیکن بعض احکام ایسی زبانوں سے جاری ہوتے ہیں کہ ان کا جواب صرف تعمیل ہے۔ پس اگر میں اس وقت عام رسم ورواج کے خلاف عمل کرنے پر آمادہ ہوئی ہوں تو اس کا الزام مجھ پر عائد نہیں ہوتا بلکہ اعلیحضرت پر عائد ہوتا ہے۔ (قہقہہ) حضرات! شادی کا مسئلہ ایک نہایت اہم اور نازک مسئلہ ہے یہ جتنا آسان ہے اُتنا ہی دشوار بھی ہے میں خیال کرتی ہوں کہ اس سلسلے میں مرد کے لئے آسانیاں زیادہ ہیں۔ اور عورت کیلئے دشواریاں بہت ہیں۔ مرد نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی خواہش اپنی مرضی، اور اپنی آرزو کے مطابق اپنے لئے بیوی تلاش کر لیتا ہے۔ اور اس کو کچھ زیادہ مشکلات پیش نہیں آتیں۔ لیکن عورتوں کو ایسے ذرائع اور وسائل حاصل نہیں ہیں کہ وہ آسانی کے ساتھ شوہر کے انتخاب میں کامیاب ہو سکیں۔

میں حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ مجھے بہترین موقع حاصل ہُوا۔ اور مجھے ایک ایسا شرف حاصل ہُوا جس کا خیال بھی میرے ذہن میں نہیں تھا

میں اس بارے میں جتنا بھی خدا کا شکر ادا کروں کم ہے۔ اعلیحضرت کی ذرہ نوازی ہے کہ وہ میری ناچیز خدمات اور عامیانہ تقریر و تحریر کو بنظر استحسان و پسندیدگی دیکھتے ہیں۔ میں سچے دل سے ارادہ کرتی ہوں کہ اگر خدا نے چاہا تو میں اعلیحضرت کی نگرانی میں حتی الامکان صدق و اخلاص کے ساتھ ملک و ملت کی خدمات انجام دونگی۔ اور کیا عجب ہے اعلیحضرت میری سعی و کوشش سے مطمئن ہو سکیں۔

حضرات! انتہائی ظلم ہوگا اگر میں اس موقع پر اس حقیقت کا اعتراف نہ کروں کہ مجھے لکھنے پڑھنے کی جو استعداد حاصل ہے اور میرے دل میں خدمت ملک و ملت کا جو حقیر جذبہ ہے وہ حضرت اقدس والد ماجد قبلہ کی تعلیم و تربیت کا صدقہ ہے اگر محترم سعی و کوشش نہ فرماتے تو میں کندۂ ناتراش رہتی اور شاید اعلیحضرت کی خدمت کا شرف بھی حاصل نہ کر سکتی۔ و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین۔

تقریریں ختم ہونے کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔ اور دولہا دلہن محل خاص میں تشریف لے گئے۔

اس تقریب مناکحت کے بعد امان اللہ خاں غازی اور ملکہ ثریا دونوں اپنے ملک و قوم کی اصلاح و فلاح کے لئے متحدہ جدوجہد کرتے رہے اور اپنی ہر جنبش حرکت سے یہ ثابت کرتے رہے کہ وہ اپنے ملک کو موجودہ حالت سے اٹھا کر آن کی آن میں ایک متمدن اور مہذب ملک بنا دینا چاہتے ہیں۔ تعلیم نسواں کی تحریک کو تقویت دینے غیر ضروری اور تباہ کن رسوم کو مٹانے معاشرتی اصلاح کی طرف قوم کو مائل و راغب کرنے ملک میں درسگاہیں تعمیر کرنے اور صنعتی کارخانے کھولنے باہمی قبائلی

اور قومی بغض و عناد دور کرنے اور قومی اخوت و ہمدردی کی روح پیدا کرنے کی سکیمیں اور تدبیریں سوچی جانے لگیں اور ان مقاصد عظیم کو حاصل کرنے اور بطریق احسن و بوجوہ اکمل سرانجام دینے کے لئے ایک بہترین تدبیر سوچی گئی وہ یہ تھی کہ مغربی ممالک کا سفر کر کے تمام متمدن و مہذب ملکوں کی جدید ترقیات کو بنظر غور مطالعہ کیا جائے اور جن وسائل و ذرائع سے وہ ترقی کر کے اس بلند درجہ تک پہنچے ہیں اُنہی وسائل و ذرائع سے افغانستان میں کام کیا جائے چنانچہ ۱۹۲۷ء میں سیاحت شاہانہ کا اعلان کیا گیا۔ اور سفر و سیاحت میں ملکہ ثریا آپ کی رفیق سفر ہوئیں۔

شاہانہ تزک و احتشام سے سفر سیاحت

۷ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو کابل سے موٹر میں سوار ہو کر آپ قندھار پہنچے۔ اور وہاں تین روز قیام فرما کر ۱۰ر دسمبر کو پونے گیارہ بجے سرحد کو عبور کیا۔ عبور سرحد کے وقت ۱۳۱ توپوں کی شاہی سلامی دی گئی۔ اور سرحد سے چمن تک تمام رستے میں صف بستہ فوجوں نے کمال عزت و تکریم کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ اور شاہی ہوائی بیڑے کے متعدد دستوں نے مشایعت کی۔ جب شاہ غازی چمن پہنچے تو جناب ایجنٹ گورنر جنرل اور بلوچستان کا چیف کمشنر اور جنرل افسر کمانڈنگ اور دوسرے ذی عزت حکام اور ارکان حکومت نے آپ کا شاہانہ استقبال کیا۔ ۱۳۱ توپوں کی سلامی ہوئی۔ چمن سے کوئٹہ جانے کے لئے جو سپیشل تیار کی گئی تھی اس کی نگہبانی کے لئے ۹ ہوائی جہاز مقرر کئے گئے۔ جب آپ کوئٹہ پہنچے تو پھر حسب دستور ۱۳۱ توپیں سلامی میں سر کی گئیں اور ہوائی جہازوں نے بھی اپنی رسم کے مطابق سلامی دی۔ تھوڑی دیر بعد جناب

ریجنٹ گورنر جنرل ہزمیجسٹی شاہ جارج پنجم اور وائسرائے ہند کے پیغامات استقبال پیش کرنے کے لئے شاہ غازی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ملک معظم کا پیغام

میں خلوص اور محبت کے ساتھ اپنی اور اپنی رعایا کی طرف سے اپنی سلطنت میں آپ کا استقبال کرتا ہوں اور آپ کے سفر کے لئے دعاگو ہوں۔ میں ہزمیجسٹی کا اپنی دارالسلطنت لندن میں بھی خیر مقدم کرنے کی خوشی حاصل کرنیکا آرزومند ہوں۔ اُمید ہے کہ یہ تشریف آوری ہمارے دونوں ممالک کے مستقبل کے لئے خوشگوارترین نتائج پیدا کرنیکا سبب بنے گی۔

(دستخط ملک معظم ”جارج“

وائسرائے کا پیغام

میں اعلیحضرت کی تشریف آوری ہند پر اپنی اور اہل ہند کی طرف سے پرتپاک استقبال کرتا ہوں اور توقع ہے کہ اس ملک کی یہ مختصرسی تشریف ارزانی ایک قابل یادگار سیاحت کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ (دستخط وائسرائے) ”اروِن“

یہاں سے کراچی ہوتے ہوئے امان اللہ خاں ”منیلا“ جہاز کے ذریعہ بمبئی پہنچے۔ جہاں گورنر بمبئی اور دیگر معززین اور ارکان سلطنت نے نہایت شاندار خیر مقدم کیا۔ بمبئی کی بہت سی اسلامی انجمنوں کمیٹیوں اور جمعیتوں کی طرف سے آپ کی خدمت میں سپاسنامے پیش ہوئے۔ جمعہ کے روز شاہ ممدوح نے خود نماز جمعہ کا خطبہ پڑھا۔ مسلمانوں کا اسقدر ہجوم تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی مسجد تو مسجد سیڑھیوں، چھتوں۔ دکانوں اور سڑکوں پر بھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ خطبہ نہایت فصیح بلیغ جامع اور عالمانہ تھا جس میں اسلام کے حقائق معارف بیان کئے گئے تھے۔ ایک ایک لفظ میں پند و نصیحت موجود تھی۔ ظاہر شکل سے یہ قیاس کبھی نہیں کیا جاسکتا کہ ایک جدید الخیال نوجوان تاجدار علوم دینیہ

اور حقائق اسلامیہ سے اسقدر مکمل واقفیت رکھتا ہے۔ آپ نے خطبہ میں ایسے ایسے رموز و اسرار احکام اسلامی پر روشنی ڈالی جس سے بہت سے علماء کو سبق لینا چاہیئے۔ دوسرا خطبہ ختم کرنے کے بعد نہایت مؤثر انداز میں آپ نے تمام مسلمانوں کیلئے درد دل سے دعا کی۔ بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔

نماز سے فراغت پا کر واپسی کے وقت ایک غریب شخص نے آپ کی خدمت میں پھولوں کا ہار پیش کیا آپ نے اس مخلصانہ پیش کش کو خوشی سے قبول فرمایا۔ اور اس غریب کو گلے لگا کر اس کے کاندھوں کو بوسہ دیا۔ وہاں سے آگے چلے تو موٹر میں سوار ہوتے ہی آپ کے کان میں آواز پہنچی "یا سلطان المعظم! ما ساکنان افغانستان ہستیم و آرزوے قدمبوسی داریم" یہ چند پٹھان تھے جو اپنے بادشاہ کی زیارت کیلئے بیتاب تھے شاہ غازی نے نہ صرف موٹر روک لی بلکہ موٹر سے اتر پڑے اور شاہانہ آداب کو نظر انداز کر کے غریب پٹھانوں سے دوستوں کی طرح ملے۔ بغلگیر ہوئے اور خدا حافظ۔ فی امان اللہ کہکر رخصت دیدی۔

۱۷ دسمبر کی دوپہر تک آپ بمبئی میں فروکش رہے۔ ۱۷ کی سہ پہر کو بمبئی سے جہاز راجپوتانہ پر سوار ہو کر بعزم یورپ روانہ ہو گئے روانگی کے وقت ہندوستان کے ہندو مسلم رہنما۔ لیڈران قوم اور ارباب حکومت گورنر بمبئی اور ان کی لیڈی صاحبہ بھی موجود تھیں۔ شہر بھر میں شاید کوئی متنفس ہوگا۔ جو اس موقعہ پر بندرگاہ پر نہ پہنچ گیا ہو۔ نہایت اعزاز و تکریم کے ساتھ سب نے اپنے اس جلالتمآب مہمان کو رخصت کیا۔

عدن اور پورٹ سعید

۲۱ دسمبر ۱۹۲۷ء کو شاہ امان اللہ خاں عدن پہنچے۔ جہاز کے گرد ۱۲ طیارے

پرواز کر رہے تھے۔ ریزیڈنٹ عدن نے سرکاری طور پر شاندار استقبال کیا۔ عدن کے مشاہیر اور نمائندگان قوم نے آپ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا آپ جہاز سے اُترے سلام علیک کی سپاسنامہ کے جواب میں وداعیہ کلمات کہے اور پھر جہاز میں سوار ہوکر پورٹ سعید کو روانہ ہو گئے۔ جس وقت آپ وہاں پہنچے تو پورٹ رجمنٹ ۱۱ کے کارڈ آف آنر نے سلامی دی اور سرکاری حکام اور بڑے بڑے افسروں نے استقبال کیا۔ اس کے بعد آپ قاہرہ کو روانہ ہو گئے

قاہرہ میں نزول اجلال

۲۸ دسمبر ۱۹۲۷ء کو آپ قاہرہ پہنچے پلیٹ فارم سرخ مخمل کے فرش سے مزین تھا شاہ فواد اور اُن کے وزراء و ارکان اور دیگر امراء و معززین پلیٹ فارم پر منتظر تھے۔ ملک فواد شاہ مصر "شاہی کمپارٹمنٹ" کی طرف بڑھے اور امان اللہ خاں سے مصافحہ کیا۔ پھر مصری بینڈ نے خیر مقدم کیا۔ سٹیشن سے جلوس کی شکل میں دونوں بادشاہان اسلام شہر کے مختلف راستوں میں سے ہوتے ہوئے قصر ابی صباح کے احاطہ میں پہنچے۔ جہاں امان اللہ خاں شاہی مہمان خانہ میں فروکش ہوئے۔

۲۹ دسمبر ۲۷ء کو آپ مسجد محمد علی پاشا میں گئے مسجد میں داخل ہوتے وقت دربان مسجد چمڑے کے موزے لیکر آگے بڑھا تاکہ آپ کے جوتوں پر چڑھائے آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا استغفر اللہ! ناممکن ہے کہ میں تم سے یہ کام لوں میں کسی طرح پسند نہیں کرتا کہ میرا جوتا کوئی دوسرا شخص چھوئے یہ کام مجھے خود کرنا چاہیئے۔ میں نے احادیث میں پڑھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرتے تھے یہ فرمایا اور خود اپنے ہاتھ سے موزے پہنے۔

بغیر کسی اطلاع کے سے نکلنا تو آپ جامع ازہر میں پہنچ گئے نماز عصر کا
وقت تھا ادائے نماز سے پہلے آپ نے اُن علماء سے جو وہاں موجود تھے۔
دریافت کیا کہ کیا ہیٹ سے نماز جائز ہے۔ جواب ملا ہاں جائز ہے آپ نے
فرمایا کہ الحمد للہ مصر کے علماء روشن خیال ہیں۔

۱۰ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو آپ مصر کی انجمن الرابطۃ الشرقیہ یعنی کمیں اتحاد مشرقی
کے جلسے میں شریک ہوئے اور ایک معرکۃ الآراء تقریر کی۔

۱۱ر دسمبر کو جامعہ ازہر کے ہندوستانی طلبہ کے ایک وفد نے باریابی پائی
امان اللہ خان نے فرمایا کہ مجھے ہندوستانیوں سے محبت ہے وہ میرے پڑوسی
ہیں اور انہوں نے میرا شاندار خیر مقدم کیا ہے۔

اسی دن ۱۰ بجے آپ قاہرہ کے عظیم الشان انجینرنگ کے معائنہ کے لئے
تشریف لیگئے۔ اور فرمایا مجھے علوم وفنون سے بڑی دلچسپی ہے اس کے بعد ۱۱
بجے ہائیکورٹ قاہرہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اور مختلف شعبوں کا معائنہ فرمایا
اور عدل وانصاف کی اہمیت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ کابل میں ایک
افغانی نے مجھپر دعویٰ کر دیا عدالت نے ضروری کارروائی کے بعد مجھے حاضر
عدالت ہونیکا حکم دیا۔ جو سپاہی عدالت کا حکم لے کر میرے پاس پہنچا تھا اس سے
میں نے کہا کہ میرے دستخط لے لو اور حکمنامہ چھوڑ جائیے۔ میں تھوڑی دیر
میں حاضر ہوتا ہوں مگر سپاہی نے میری درخواست نامنظور کر دی میں مجبوراً
اسی وقت عدالت گیا۔ مجسٹریٹ نے میری کوئی تعظیم نہیں کی۔ میں ایک طرف
خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ جب میرا مقدمہ پیش ہوا تو عدالت نے میرا بیان
لیا اور فیصلہ اُس افغانی کے حق میں دیا جو مدعی کی حیثیت میں میرا فریق ثانی تھا
اسی روز بغیر کسی اطلاع کے آپ مصری پارلیمنٹ میں تشریف لے گئے۔

اور جلسے کی کارروائی کو بنظر غور دیکھا۔ آپ کا مصری ترجمان شاہی کرسی کے پاس کھڑا تھا آپ نے اُٹھ کر اس کے لئے اپنے ہاتھ سے کرسی بچھائی اور ترجمان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اللہ اللہ کیسی سادگی ہے۔ اور کسقدر خوش اخلاقی۔

سنہ ۱۹۲۸ء

یکم جنوری ۲۸ء کو مصر ریزیڈنسی میں آپ کو شاندار ضیافت دی گئی۔ ۲ر جنوری کو معہ متعلقین آپ اسکندریہ تشریف لے گئے۔ ۳ر جنوری کو قاہرہ کے عجائب خانہ میں تشریف لے گئے جہاں فرعون مصر اور باقیات اولین کو ملاحظہ فرمایا۔ سہ پہر کو مدرسہ سعیدیہ کا معائنہ فرمایا۔ پھر قصر شاہی میں واپس تشریف لاکر ملک فواد شاہ مصر کو "الامیر الاعلیٰ" کا تمغہ اور نشان عطا فرمایا۔ جو افغانستان کا سب سے بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے۔

مصر سے اٹلی کو روانگی

۴ر جنوری کو امان اللہ خاں نے مصر سے روانگی کا قصد فرمایا چلتے وقت تمام مصری بھائیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور فرمایا کہ مجھے مصری قوم سے محبت ہے ۵ر جنوری کو ممدوح سرکاری مہمان کی حیثیت سے اطالیہ نامی جہاز پر سکندریہ سے سوار ہوئے ۸ر جنوری کو منزل مقصود تک جہاز نے پہنچا دیا جب آپ رومۃ الکبریٰ میں داخل ہوئے تو گورنر روما اور شہزادی نے اہل ملک کی طرف سے آپ کا شاندار استقبال کیا۔ آپ کا جلوس جب شاہی مہمان خانہ پہنچ گیا تو آپ نے شاہ اٹلی اور اسکی ملکہ سے ملاقات کی اور دیر تک مصروف گفتگو رہے۔

۱۱ر جنوری کو آپ نے پاپائے اعظم روما سے ملاقات کی۔ پاپائے اعظم نے بذات خود ان کا شاہانہ استقبال کیا اور تقریباً آدھ گھنٹہ تک گفتگو فرمائی وہاں یہ عام دستور ہے کہ بادشاہ سے لیکر عامی باشندے تک سب پاپائے اعظم

کے سامنے دوزانو ہوکر آداب بجا لاتے ہیں۔ اور پاپائے موصوف کے سامنے ادباً جھکتے اور ہاتھ کو بوسہ دیتے ہیں لیکن غازی امان اللہ خاں نے ان سب میں سے کسی ایک آداب کو بجالانا بھی خلاف شرع سمجھا نہ آپ جھکے نہ دوزانو ہوئے نہ ہاتھ کو بوسہ دیا یہ ہے اسلامی شان! پاپائے موصوف نے غازی ممدوح کو اپنی تصویر نقرئی فریم میں معہ دستخطوں کے بطور تحفہ پیش کی اور اعلیٰ ترین اعزاز کا تمغہ دیا۔

اسی روز آپ نے مسولینی کو شرف باریابی بخشا جو اٹلی کا مطلق العنان وزیر ہے ۲۵ منٹ سے زیادہ عرصہ تک مدبرانہ مکالمہ جاری رہا پھر آپ ہوائی دستوں کے معائنہ کیلئے ہوائی سٹیشن پر تشریف لیگئے۔ اس معائنہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ممدوح فن پرواز سے بہت گہری واقفیت رکھتے ہیں کئی باریک باتیں بھی آپ نے دریافت فرمائیں۔ ۱۳ر جنوری کا سارا دن سیر تفریح میں بسر کیا۔ مشہور عجائب گھر کی بھی سیر فرمائی۔ سینٹ روسہ کی سیر کی جہاں صدر اور دیگر ارکان نے آپ کا استقبال کیا۔ رائل یونیورسٹی میں گئے کتب خانہ دیکھا اساتذہ اور طلبہ سے گفتگو کی کنگ ہسپتال پہنچے وہاں سے اوپرانفیلڈ جہاں تمام بادشاہان اٹلی کے محلات ہیں گئے۔ اور پوپ اعظم کے گرجا کی سیر کی۔

۱۴ر جنوری کو روسہ کے گورنر کو بلا کر ایک ہزار پونڈ غربا میں تقسیم کرنے کیلئے مرحمت فرمائے ۱۵ر جنوری کو روسہ سے وینس تشریف لے گئے۔ ۱۶ر کو پہنچے خوب سیر کی۔ اور ۲۴ر جنوری کو اسپیزیا چلے گئے قلعوں اور جنگی جہازوں نے سلامی کی توپیں داغیں۔ جنگی جہازوں کی سیر کے بعد اطالوی امیر البحر کو ملاقات کی عزت بخشی۔ اٹلی کے امیر البحر نے آپ کو ایک شاندار ضیافت دی۔ پھر آپ جنیوا گئے وہاں قدیم محلات کو دیکھا کارخانوں کا معائنہ فرمایا۔ اور پیرس کو روانہ ہو گئے

پیرس میں

۲۵ر جنوری کو دنیا کے حسین شہر پیرس میں پہنچے جہاں شاندار استقبال ہُوا فوجی بینڈ نے افغانی ترانہ گایا۔ تماشائیوں کا ہجوم اسقدر تھا کہ جدھر دیکھو انسانی سر ہی سر کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ شاہی مہمانخانہ پر جلوس شاہی کا لارڈ کریو نے نہایت شاندار استقبال کیا۔

۲۶ر جنوری کو ارکان سلطنت کی طرف سے آپ کی تشریف آوری کی تقریب میں عظیم الشان جلسہ ضیافت ہُوا۔ جہاں مردوں سے زیادہ عورتوں کا حُسن جگمگا رہا تھا۔ لیڈیاں شاہ و ملکہ ثریّا کے حُسن کی تعریف کر رہی تھیں۔

۲۷ر جنوری کو آپ نے پیرس کے مشہور مقامات و مناظر کی سیر فرمائی۔ اور پیرس کے بازاروں سے کچھ خریدا۔ سہ پہر کو کتب خانہ شاہی کا معائنہ فرمایا۔ ۲۸-۲۹ کو آرام فرمایا۔ ۳۰ر کو مختلف جماعتوں اور اداروں کے سپاسنامے سُنے۔ ۳۱ر کو کنگ گارڈن میں تفریح کی۔ رات کو جیمس سینما اور امپیر تھیٹر میں تماشہ دیکھا۔ یکم فروری کو ایک زنانہ سوسائٹی کی طرف سے ملکہ ثریّا کو گارڈن پارٹی دی گئی۔ ۲ر اور ۳ر فروری کو مشہور عمارات کی سیر کی ۴ر کو گولڈن لائبریری اور ہوائی جہازوں کا معائنہ فرمایا۔ ۵ر کو کارخانوں کی سیر کی۔ ۶ر کو کالجوں میں گئے جہاں اساتذہ اور طلبہ سے گفتگو بھی کی ۷ر کو آرام کرکے ۸ر کو امرائے پیرس کی ضیافت قبول فرمائی۔ اور ضیافت گاہ کی آرائش و زیبائش کی تعریف فرمائی۔ اسی روز بلجیم کو روانہ ہو گئے ؎

بلجیم میں

۹ر فروری کو بلجیم پہنچے۔ اسٹیشن پر شاہ و ملکہ بلجیم نے امان اللہ خاں غازی کا نہایت اچھا استقبال کیا۔ اور جلوس بڑی دھوم سے مہمان خانہ کی طرف روانہ ہُوا۔ معزز مہمان دائیں جانب اور معزز میزبان بائیں جانب شاہی گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مہمان خانہ پہنچکر آپ نے اُسی روز غیر مشہور

شہدائے جنگ کی قبروں پر جاکر فاتحہ پڑھی شام کو شاہ بلجیم کی طرف سے آپ کے اعزاز میں ضیافتی جلسہ ہُوا۔ اس جلسہ میں شاہ بلجیم نے اپنے جلالتمآب مہمان کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے فرمایا کہ

"اعلیحضرت امان اللہ خاں کے عہد میں افغانستان کو جو عروج حاصل ہو رہا ہے وہ ہر شخص کے لئے باعث مسرت ہے اور میں افغانستان کی ترقی کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ دعا ہے کہ افغانستان آپکے عہد میں اور زیادہ ترقی کرے" شاہ بلجیم کی تقریر کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ :۔

"میں ہز میجسٹی شاہ بلجیم اور ملکہ بلجیم اور تمام باشندگان ملک کی محبت کا شکر گذار ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ بلجیم اور افغانستان کے تعلقات خوشگوار طور پہ ہمیشہ قائم رہیں گے"

ضیافت سے فارغ ہو کر آپ نے وہاں کی مشہور تفریح گاہوں کی سیر کی دوسرے دن فوجی سکول کا معائنہ فرمایا پھر بلجیم کے وزیر خارجہ نے ایک جلسہ ضیافت شاہ امان اللہ خان کے اعزاز میں کیا۔ جس میں شاہی خاندان کے افراد بھی شریک ہوئے۔ ۲۲ر فروری تک چھوٹے بڑے مقامات کی سیر سے فارغ ہو کر جرمنی کو روانہ ہوئے۔

برلن میں ۲۳ر فروری کو برلن پہنچے شاندار شاہی استقبال ہُوا۔ یہاں بھی آپ نے غیر معروف مقتولین جنگ کی قبروں پر جاکر فاتحہ خوانی کی رسم ادا فرمائی ۲۴ر فروری کو صدر جرمنی مارشل فان ہنیڈن برگ سے ملاقات کی دیر تک گفتگو ہوئی۔ ارکان سلطنت نے شرف ملاقات حاصل کیا ۲۵ر کو مختلف ملکوں کے سفیروں نے باریابی پائی۔ آپ نے سب سے مستحسن انداز میں گفتگو فرمائی۔

۲۶ر کو سابق ولیعہد جرمنی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے نہایت اخلاق سے انہیں ملاقات کی عزت بخشی۔ ۲۷ر فروری کو ہنیڈن برگ صدر جرمنی نے آپ کے اعزاز میں عظیم الشان دعوت ضیافت دی۔ صدر جرمنی نے شاہ موصوف کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے ایک مختصر سی تقریر کی کہ :۔

"میں اعلیحضرت شاہ امان اللہ خاں کی اس سیاحت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہوں مجھے پوری امید ہے کہ آپ کے عہد میں افغانستان کا مستقبل نہایت شاندار ہوگا" جواب میں آپ نے فرمایا کہ :۔

"میں مارشل ہنیڈن برگ کا مشکور ہوں کہ انہوں نے میرا پُرجوش استقبال کیا۔ اور دوستانہ خیالات کا اظہار فرمایا میں ان جذباتِ محبت کا احترام کرتا ہوں اور ان کے عروج وکمال کی دعا کرتا ہوں" آخر میں آپ نے تمام حاضرین اور اہل جرمنی کا شکریہ ادا کیا۔

یکم مارچ کو حکومت جرمنی نے آپ کی خدمت میں ایک نہایت خوبصورت ہوائی جہاز پیش کیا جس میں دس آدمی آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں ۲ر کو آپ نے ہوائی سٹیشن کا معائنہ کیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تمام دنیا میں اس سے بہتر ہوائی اسٹیشن نہیں ہے۔ ۳ر کو آپ نے تمام مشہور مقامات کی سیر فرمائی ۴ر کو صنعتی کارخانوں کا معائنہ فرمایا۔ ۵ر کو برلن یونیورسٹی تشریف لے گئے اس کے مختلف شعبوں کو دیکھا اور طرز تعلیم کو پسند فرمایا۔ ۶ر کو یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے آپ کے اعزاز میں شاندار ضیافت دی اس ضیافت کے موقع پر متعدد جماعتوں نے اپنے سپاسنامے بھی پیش کئے۔ ۷ر کو آپ نے کرپ کے کارخانہ کا معائنہ فرمایا اور اسی روز پیرس واپس جانیکا عزم ظاہر کیا

ایک واقعہ ابھی آپ برلن سے روانہ نہ ہوئے تھے کہ شاہی کیمپ

ہیں ایک جرمن عورت آئی اور شرف باریابی چاہا۔ آپ نے درخواست منظور کی
اس عورت نے کہا اے بادشاہ معظم میں کی برلن شریف بیوہ ہوں میری رام کہانی
یہ ہے کہ ۱۹۲۳ء میں میری لڑکی شارلات ایک افغانی نوجوان سے شادی
کرکے اپنے شوہر کے ساتھ کابل چلی گئی تھی۔ بدقسمتی سے ان کے خوبصورت
شوہر کا ۱۹۲۶ء میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم نے دو بچے چھوڑے شارلات نے
بیوگی کے بعد واپس برلن آنا چاہا تو حکام کابل نے اُسے اجازت نہ دی اور کہا
کہ افغانی قانون کی رو سے وہ بچوں سمیت برلن نہیں جاسکتی۔ مجبوراً وہ بچوں کی
محبت میں کابل ہی میں قیام پذیر ہے۔

بادشاہ سلامت! میں شارلات کی غمزدہ ماں ہوں اس کی جدائی سے
میرا دل بے چین ہے اور روح بیقرار۔ کاش حضور میری شارلات کو بچوں سمیت
برلن آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

آپ اس دردناک داستان سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا مجھے امید ہے
کہ جب تمہاری شارلات تم تک بچوں سمیت پہنچ جائے گی۔ تو تم بچوں کے مذہب
کی حفاظت کروگی۔ اور اُنہیں مسلمان رہنے دوگی۔ اس نے سر جھکا کر اقرار کیا۔
کہ بچوں کے مذہب کی ضرور حفاظت کی جائیگی۔ اور وہ یقیناً مسلمان رہیں گے
میں حضور کی مرحمت خسروانہ کی بہت بہت مشکور ہوں آپ نے فوراً چیف کمشنر
کابل کے نام حکم بھیجا کہ شارلات کو بچوں سمیت برلن آنے کی اجازت دیجائے۔
اس کے بعد آپ برلن سے واپس پیرس تشریف لائے واپسی کے وقت
صدر جمہوریہ جرمنی اور امراء شہر و ارکان سلطنت نے آپکو الوداع کہا۔

پیرس میں دوسری بار ایک لطیف مذاق ۹ر مارچ ۱۹۲۸ء کو آپ بخیریت پیرس پہنچے اور

۱۲ مارچ تک پرائیویٹ طور پر قیام فرمایا۔ اور اسی تاریخ کو لندن جانے کے قصد سے سٹیشن پر پہنچے سٹیشن پر رخصتی کے لئے لارڈ کریو اور بہت سے معزز فرانسیسی نمائندے آئے ہوئے تھے۔ آپ جس وقت شاہی کمپارٹمنٹ کے پاس کھڑے ملکہ ثریا سے گفتگو فرما رہے تھے۔ تو ایک فرانسیسی مصوّر نے ایک بلند مقام پر سے آپکی تصویر لینی چاہی۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آج ہم نے حجامت نہیں بنوائی ہے تصویر اچھی نہیں آئے گی ساتھ ہی ازراہ تفنن آپ نے جیب میں ہاتھ ڈالکر پستول نکالا اور مصوّر کی طرف شست باندھی۔ پستول کی طرف دیکھتے ہی مصوّر سٹپٹا گیا اور بدحواسی کے عالم میں ایک کمرے کی طرف بھاگا۔ یہ منظر ایسا مضحکہ خیز تھا کہ لارڈ کریو اور فرانسیسی نمائندے ہنسی کو ضبط نہ کر سکے۔ ملکہ ثریا بھی خوب ہنسیں۔ بعد میں شاہ نے فوٹوگرافر کو طلب فرمایا اور اطمینان تصویر کھچوائی اور رخصتانہ مصافحہ کر کے سوار ہو گئے۔

لندن میں ۱۳ مارچ کو آپ لندن پہنچے سٹیشن پر ہز میجسٹی کنگ جارج مع ارکان سلطنت کے شاہ غازی کے انتظار میں تھے گاڑی سے اترتے ہی ملک معظم نے آپ کا نہایت شاندار خیر مقدم کیا۔ ڈیوک آف یارک۔ پرنس آرتھر۔ پرنس ہنری۔ مسٹر بالڈون وزیراعظم۔ سر چیمبرلین وزیر خارجہ۔ اور بہت سے مقتدر اصحاب ارکان وزارت اور افسران فوج پلیٹ فارم پر حاضر تھے۔ کنگ جارج نے ملکہ ثریا کا ملکہ میری سے تعارف کرایا۔ دونوں میں گرمجوشانہ مصافحہ کیا۔ پھر ارکان وزارت اور دیگر رؤسائے انگلستان کا شاہ غازی سے تعارف کرایا گیا آپ نے سب سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد گارڈ آف آنر کا معائنہ فرمایا۔ گارڈ آف آنر کے بینڈ نے افغانی قومی گیت گایا۔ شاہی جلوس کی روانگی کے وقت اسقدر ہجوم تھا کہ رپوٹر کے قول کے

مطابق انگلستان کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ ہر طرف سے پھولوں کی بارش ہو رہی تھی جلوس آہستہ آہستہ شہر کے مختلف مقامات سے گذرتا ہوا قصر بکنگھم پہنچا۔ استقبال کی تمام رسوم کی ادائیگی کے بعد شاہ غازی یادگار مقتولین جنگ کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر آپ نے بنفس نفیس پھولوں کا ایک ہار چڑھایا۔ پھر رسم فاتحہ خوانی ادا کی اس کے بعد قصر سینٹ جیمس میں تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کی خدمت میں ایک سے زیادہ سپاسنامے پیش کئے گئے وہاں آپ قصر شاہی میں واپس تشریف لائے۔

ضیافت شاہی

۱۳ مارچ کی رات کو قصر بکنگھم میں اعلیحضرت ہز میجسٹی کنگ جارج کی طرف سے ہز میجسٹی امان اللہ خاں اور ملکہ ثریا کے اعزاز میں ایک شاندار جلسہ ضیافت منعقد ہوا۔ رائل ہال جلسہ گاہ روشنی کی وجہ سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ اس ضیافت شاہی کے لئے ملک معظم نے رینڈکیسل سے خاص طور پر طلائی برتن منگائے تھے جن کی چمک دمک آنکھوں میں چکا چوند ڈالتی تھی۔ اس دعوت میں کم و بیش ڈیڑھ سو مہمان تھے۔ جن میں اسقف اعظم کنٹربری لارڈ ریڈنگ۔ سر کلاؤڈ جیکب لارڈ برکن ہیڈ۔ سر ولیم جانسن۔ لارڈ چیمسفورڈ۔ مسٹر ریمزے میکڈانلڈ۔ مسٹر چرچل وغیرہ اور دیگر امرائے شہر و معززین شریک تھے۔ ہز میجسٹی کنگ جارج امیر البحر کی وردی میں تھے اور ملکہ میری نہایت قیمتی گوَن پر موتیوں کا زیور پہنے ہوئے تھیں جس میں مشہور معروف ہیرا کوہ نور بھی تھا شاہ امان اللہ خاں ایک شاندار شاہی لباس میں اور ملکہ ثریا یورپین قیمتی لباس میں ملبس تھے۔ ملکہ ثریا ایک جواہر نگار تاج بھی زیب سر فرمائے ہوئے تھیں۔ ملک معظم جارج پنجم نے شاہ غازی اور ملکہ ثریا کا جام صحت

تجویز کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

" میں اعلیحضرت شاہ امان اللہ خاں بادشاہ افغانستان کی روشن خیالی اور بیدار مغزی کا صدق دل سے معترف ہوں - آپ کے عہد میں افغانستان جو ترقیاں کر رہا ہے میں انہیں دلچسپی اور محبت کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں میں دعا کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ اعلیحضرت کو عرصہ دراز تک سلامت رکھے تاکہ آپ کے سائے میں افغانستان کی ترقی کا سلسلہ جاری رہے " اس تقریر کے جواب میں شاہ غازی نے حسب ذیل تقریر فرمائی :۔

" میں سب سے پہلے خلوص اور محبت کے ساتھ جلالتمآب شاہ برطانیہ اور ملکہ انگلستان اور باشندگان لندن کا شکریہ ادا کرتا ہوں - اور اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ جس جوش و خروش سے اہل لندن نے میرا خیر مقدم کیا ہے اس کا اثر میرے دل پر نہایت گہرا ہوا ہے - مجھے آج کی شاندار ضیافت جو اخلاص و محبت پر مبنی ہے کبھی فراموش نہ ہوگی - اور ان جذبات کو دیکھ کر مجھے یقین ہوتا ہے کہ یہ مخلصانہ ذاتی تعلقات دونوں ممالک انگلستان اور افغانستان کے درمیان حقیقی اور عمدہ تعلقات کا پیش خیمہ ثابت ہونگے - اور مجھکو پوری امید ہے کہ آیندہ ترقی کی شاہراہ پر اور مشترکہ مفاد پر ہر دو ممالک دوش بدوش قدم اٹھائیں گے "

دوسری ضیافت

۱۴ مارچ ۲۸ء کو لارڈ میئر نے گلینڈ ہال لندن میں شاہ غازی کو ایک شاندار ضیافت دی - جب شاہی سواری گلینڈ ہال کے نزدیک پہنچی تو لارڈ میئر اور لیڈی میئر نے نہایت محبت سے استقبال کیا اور ادب کے ساتھ ضیافت گاہ میں لے گئے - جہاں امیر البحر سر آسٹن چیمبرلین - مسٹر ریمزے میکڈانلڈ - اسقف اعظم اور سر ہنری

وغیرہ جلیل القدر اشخاص آپ کے منتظر تھے۔ جلالتمآب مہمان کے پہنچتے ہی نہایت عزت و تکریم شاہی کے ساتھ سب نے خوش آمدید کہا اور استقبال کیا۔ غازی ممدوح اور ملکہ ثریا کو ایک شاندار تخت پر بٹھایا گیا جسکے گرداگرد طلائی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر والیٔ شاہی خاندان کے شہزادگان متمکن تھے۔ اس موقع پر لارڈ میئر نے ایک سپاسنامہ پیش کیا جس کا ترجمہ سر فرانسس ہمفریز سفیر برطانیہ متعینہ کابل نے پشتو میں سمجھایا اور پھر ایک طلائی صندوقچہ میں رکھ کر پیش کیا جس کے جواب میں شاہ غازی نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

"میں آپ حضرات کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کے محبت بھرے جذبات کا اعتراف کرتا ہوں شاہ برطانیہ اور میرے درمیان جو دوستانہ تعلقات ہیں ان کا لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے کہ انگریزی اور افغانی قوموں کے درمیان سیاسی اور تجارتی تعلقات زیادہ مستحکم ہو جائیں میرا خیال ہے کہ مستقبل قریب میں دونوں ملکوں کے درمیان پہلے سے زیادہ مستحکم تعلقات قائم ہو جائیں گے"

۱۵ مارچ کو آپ نے مختلف ممالک کے سفیروں کو شرف باریابی بخشا اور ۴۵ منٹ سے زیادہ گفتگو میں وقت صرف کیا۔ رات کو ملکہ میری ملکہ ثریا کو تھیٹر دکھانے گئیں تھیٹر کے قریب تماشائی شوق و اشتیاق میں شاہی گاڑی پر گرے پڑتے تھے فوجی محافظ دستے نے ہجوم کو زبردستی پیچھے ہٹایا تھیٹر کے اندر یہ خصوصیت تھی کہ اس میں انگریزی اور افغانی پرچم لہرا رہے تھے۔

تیسری ضیافت

۱۶ مارچ کو سر آسٹن چیمبرلین وزیر خارجہ نے غازی ممدوح کے اعزاز میں شاندار ضیافت دی۔ اس ضیافت میں شہر کے رؤسا۔ وزراء اور وہ معززین بھی شریک تھے جو لارڈ ڈیسپنسر کی ضیافت میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں بھی شاہ ممدوح اور ملکہ

ٹرپلکس کے لئے ایک خوبصورت تخت سجایا گیا تھا جس کے قریب زریں کرسی پر پرنس ویلز تشریف فرما تھے یہاں رسمی تقریریں نہیں ہوئیں البتہ اختتام جلسہ پر چیمبرلین نے غیر رسمی صورت میں اظہار خلوص و تشکر کیا۔

سیر و تفریح - ۱۰ مارچ کو غازی موصوف شہر لندن کی سیر کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ مشہور عمارات اور بازاروں کی سیر کی۔ سہ پہر کو بکنگھم تشریف لے گئے جہاں لارڈ میئر لندن کی لیڈی نے خیر مقدم کیا۔ یہاں آپ نے کو [illegible] کے [illegible] کے کاموں کو ملاحظہ فرمایا۔ ۱۱ مارچ کو برطانوی بیڑہ اور بری سپاہ کو ملاحظہ فرمایا۔ اس کے بعد نظام اسلحہ اور نظام رسد کو دیکھا اور منتظمین سے ملاقات بھی کی گئی۔ ۱۲ مارچ کو فٹبال کے میچ میں شرکت فرمائی رات کو تھیٹر میں تماشہ دیکھا ۱۳ مارچ کو آپ [illegible] تشریف لے گئے۔ جہاں زرہ پوش موٹر والوں کے بہت سے کیمپ ہیں آپ نے ماہرین فن کے ساتھ زرہ پوش موٹروں کے شاہی دستوں کے سکول کا معائنہ فرمایا۔ جنگی موٹروں کو دیکھا ماہرین نے ان جنگی موٹروں میں بیٹھ کر اپنے کمالات دکھائے یہ بھی دکھایا گیا کہ جنگ کی حالت میں دشمن پر کیسے حملہ کیا جاتا ہے۔ بارہ بارہ موٹریں برابر حملہ کرتی ہوئی آگے بڑھتی تھیں اور پھر واپس آتی تھیں۔ اس تماشے سے آپ بہت محظوظ ہوئے۔ پھر خود بنفس نفیس ایک زرہ پوش موٹر میں سوار ہوئے اور اپنے مشاہدات کے مطابق فرضی دشمنوں پر حملہ کیا۔ یہ نظارہ کسقدر دلچسپ ہے۔

سمندر کی سیر ۱۴ مارچ کو آپ ساؤتھ ہیمپٹن تشریف لے گئے جہاں بحری افسران کو شرف ملاقات عطا فرمایا اور جہازوں کی سیر کی۔ پھر آپ ایک آبدوز کشتی پر سوار ہوئے کپتان کو حکم دیا کہ وہ اپنے کمالات دکھلائے اس نے [illegible] ہی کشتی سرعت کے ساتھ ایک جنگی جہاز

کے پہلو میں پہونچگئی۔ اور وہاں سے غوطہ لگایا یہ غوطہ دو میل تک رہا عرصہ تک سمندر کے اندر کشتی رہی۔ اور آپ آلہ افق نما سے گردوپیش کے حالات دیکھتے رہے پانی کے نیچے سے آپ نے ملکہ ثریا کو کئی پیغامات بھی بھیجے جو اس وقت ایک دوسرے جہاز میں پیچھے آ رہی تھیں ملکہ ممدوحہ نے بھی ان پیغامات کا جواب فوراً دیا۔ جو شاہ ممدوح کو ملتا رہا۔

حیرت انگیز نشانہ آبدوز کشتی کے سفر میں نشانہ بازی کے کمالات یہ تھے کہ حضرت غازی ممدوح نے [illegible] فاصلہ سے ایک نشانہ پر چلائے جو ٹھیک نشانہ پر پہنچے کمانڈر آبدوز کا بیان ہے کہ ہر ایک تارپیڈو کا وزن ڈیڑھ ٹن تھا اور مجھے ہرگز توقع نہ تھی کہ اعلیحضرت ایک ہزار گز کے فاصلے سے فائر کے نشانہ میں کامیاب ہو سکیں گے۔ لیکن مجھے بڑا تعجب ہوا جب سگنل نے اطلاع دی کہ دونوں تارپیڈو عین نشانہ پر پڑے ہیں تارپیڈو صرف پانچ سکنڈ میں نشانہ تک پہنچ گئے تھے۔

جب آپ آبدوز کشتیوں کے معائنہ سے فارغ ہوئے تو آبدوز ڈیپارٹمنٹ کے جنرل کمانڈر نے انتہائی عقیدت کے ساتھ آپکی خدمت میں ایک اعلیٰ تمغہ نشانہ بازی کا پیش کیا۔ اور آپ کی قادر اندازی کی بیحد تعریف کی۔

لندن کی فضائے آسمانی میں ۲۲ مارچ کو آپ نے کرائڈن ہوائی مرکز کو ملاحظہ فرمایا۔ لاسلکی پیغام بھی سنا جو پیرس سے آ رہا تھا۔ ایک طیارہ سے جو یہاں تھا ہوائی جہازوں کی ڈاک رسانی کا طریقہ دیکھا کہ ایک تھیلا ایک چھتری میں باندھ کر اوپر سے پھینکا گیا۔ جو نیچے گراونڈ میں آ کر گرا۔ اعلیحضرت نے اسے کھول کر دیکھا تو چھ پوسٹ کارڈ تھے۔ جن پر فارسی زبان میں خوشنامہ لکھے ہوئے تھے۔

پھر آپ وزیر ہوائی کے ساتھ تین انجنوں کے ہوائی جہاز میں سوار ہوئے۔ اور لندن کی فضائے آسمانی میں سیر کی۔

۲۷ر مارچ تک آرام فرمایا۔ ۲۸ر کو رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے دفتر میں تشریف لے گئے۔ جہاں کتب خانہ کا معائنہ فرمایا۔ ۲۹ر کو سویڈن گئے۔ وہاں مشہور صنعتی سکول کو دیکھا اور ریلوے کے کارخانوں میں جاکر مشینوں کو ملاحظہ فرمایا۔ ۳۰ر کو دریائے ٹیمز کی سیر کی۔ یکم اپریل کو آکسفورڈ یونیورسٹی پہنچے۔ جہاں وائس چانسلر نے شاندار خیر مقدم کیا۔ اور سپاسنامہ سنایا۔ یہاں آپ نے مختلف شعبوں اور عمارات کو ملاحظہ فرمایا۔ ۲ر اپریل کو ادنبرا۔ مانچسٹر۔ لیورپول میں صنعتی ترقیات ملاحظہ فرمائیں۔ ۳ر اپریل کو شہنشاہ جارج اور ملکہ انگلستان سے غازی ممدوح اور ملکہ ثریا نے ملاقات کی۔ کئی گھنٹے تک گفتگو ہوتی رہی۔ اس موقع پر مہمانان عالی وقار نے شاہ معظم و ملکہ انگلستان کے ساتھ لنچ تناول فرمایا۔ ۴ر اپریل کو بحری مرکز کی سیر کی۔ برطانوی بحری بیڑے کو دیکھا۔ پھر لندن واپس تشریف لے گئے۔ اور ۵ر اپریل کو لندن سے روانگی کا قصد فرمایا۔ روانگی سے قبل آپ نے افغانی سفیر متعینہ لندن کی معرفت شاہ برطانیہ کی خدمت میں حسب ذیل تحائف بطور یادگار کے پیش کیے۔

(۱) فارسی رسم الخط کا قدیم ترین نمونہ جو آج دنیا میں موجود ہے۔

(۲) پچاس صفحے کی نہایت حسین کتاب جسے مشرق کی اعلیٰ یادگار کہہ سکتے ہیں یہ کتاب شروع سے آخر تک ناخن سے لکھی ہوئی ہے۔ اور کاغذ بھی خوبصورت ہے۔

۵ر اپریل کی صبح کو ڈوور کے مقام سے شاہ غازی نے شاہ جارج کو پیغام بھیجا کہ آپ کی سلطنت کے ساحل کو الوداع کہتے وقت ہم اپنی طرف

سے اور ملکہ ثریا کی طرف سے آپ کے محبت آمیز برتاؤ کا شکریہ ادا کرتے ہیں"

ہز میجسٹی جارج پنجم نے جواباً شاہ غازی کو لکھا کہ "ہم آپ کی صحت اور کامیابی کے لئے باری تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور آپ کے مخلصانہ جذبات کا احترام"

وارسا میں آخر ماہ مئی میں آپ وارسا پہنچے۔ صدر جمہوریہ پولینڈ نے معہ ارکان دولت کے آپ کا شاندار استقبال کیا اور ایک عظیم الشان جلوس کے ساتھ "قصر اعظم" میں پہنچا یا گیا۔ اہل شہر نے خوشی کے پھول برسائے۔ فوجی دستے دو رویہ صف بستہ تھے۔ سرکاری توپخانہ نے سلامی کی توپیں سر کیں۔ رجمنٹ بینڈ نے خیر مقدم کا نغمہ سنایا۔ رسم استقبال سے فراغت پاکر آپ روشن پارک میں گئے۔ اور غیر مشہور مقتولین جنگ کی قبروں پر رسم فاتحہ خوانی ادا کی۔ دوسرے دن صدر جمہوریہ پولینڈ نے آپ کے اعزاز میں شاندار ضیافت دی۔ حسب دستور صدر جمہوریہ پولینڈ نے شاہ غازی کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے ایک مختصر سی تقریر کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ "آج شاہ امان اللہ خان کے عہد میں افغانستان جو ترقیاں کر رہا ہے مجھے ان سے بڑی دلچسپی ہے۔ اور میں شاہ کی کامیابی کی دعا کرتا ہوں"

جواب میں شاہ غازی نے فرمایا کہ "میں وارسا کے باشندوں اور صدر جمہوریہ کا مشکور ہوں۔ کہ انہوں نے نہایت محبت سے میرا خیر مقدم کیا۔ امید ہے۔ کہ مستقبل قریب میں پولینڈ اور افغانستان کے مابین دوستانہ تعلقات قائم ہو جائینگے۔ اور گفت و شنید کے بعد وارسا میں ایک سفارتخانہ بھی کھول دیا جائیگا تاکہ جو ترقی افغانستان کو کپڑے اور لوہے وغیرہ کی تجارت میں سہولت و آسانی رہے"

روس میں ۳ مئی کو ماسکو پہنچے۔ سٹیشن پر رئیس مجلس حربیہ موسیو چیچرن اور دیگر مقتدر ارکان سلطنت اعلیٰ حضرت کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ رسم خیر مقدم کے بعد شاہ غازی موسیو چیچرن کے ساتھ قصر کریملین تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے یادگار مقتولین جنگ کو دیکھنے گئے پھر لینن کے مزار پر پہنچے اور اس کی تربت پر اپنے ہاتھوں سے ہار چڑھایا۔ اور سر برہنہ ہو کر رسم فاتحہ خوانی ادا کی۔

سب سے پہلے صدر جمہوریہ روس نے شاہ کو دعوت ضیافت دی اور اپنے جلیل القدر مہمان عزیز کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے ایک مفصل و مبسوط تقریر کی جس میں اپنے دوستانہ روابط و ضوابط اور شاہ غازی کی بیدار مغزی کا تذکرہ کیا۔ اور روسی و افغانی دوستی کو ناقابل شکست بتایا۔ شاہ ممدوح نے جوابی تقریر میں مضبوط و مستحکم باہمی دوستی کی برکات کا ذکر فرمایا اور ذاتی طور پر متعارف ہونے سے باہمی روابط کے مستحکم تر ہونے کی توقع کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد رئیس مجلس حربیہ نے آپ کے استقبال میں ایک شاندار ضیافت دی اور حسب قاعدہ جام صحت تجویز کیا اور فرمایا کہ "آپ افغانستان کے مخلص خادم بھی ہیں اور رئیس باشندے بھی۔ آزاد بادشاہ ہو کر بھی آپ سادہ مزاج۔ غریب پرور اور مساوات پسند ہیں۔ رعایا کے افراد کو بیچارے نہیں اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ بادشاہ ہیں مگر شہنشاہیت کے جنون سے آپ کا دل و دماغ بالکل پاک ہے۔ آپکی انہی صفات محمودہ نے ہمیں آپ کا گرویدہ بنا دیا ہے اور ہم پورے جوش اور محبت کے ساتھ اس محب وطن بادشاہ کا خیر مقدم کرتے ہیں"

شاہ غازی نے جواب میں فرمایا کہ میں موسیو شیلاف رئیس حربیہ اور تمام روسی عہدیداروں اور اہل ملک کا مشکور ہوں کہ انہوں نے میرا مخلصانہ خیر مقدم کیا مجھے روسیوں سے محبت ہے اور ایک مدت سے ملاقات کی آرزو تھی جو آج پوری ہوئی۔

میرے عزیز دوستو! موسیو شیلاف نے مجھے محب ملک وملت کہا ہے۔ اور رضا وقوم انہوں نے سچ فرمایا ہے کہ میں ملک کا ایک خادم ہوں اور اپنی قوم کو اپنے عیش و آرام کا ایندھن نہیں سمجھتا۔ تعجب ہے اس روشنی کے زمانہ میں بھی دنیا ایسے لوگوں سے خالی نہیں۔ جو اپنی قوم کو حقیر سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی عزت کے عرش کو قوم کے کاندھے اٹھائے رکھیں۔ (خوشی کے نعرے) کیسی عجیب بات ہے کہ جس قوم کی کمائی سے عیش و آرام حاصل کیا جائے اسی کو حقیر سمجھ کر اس کے حقوق کا لحاظ نہ کیا جائے اور بیدردی سے قوم کا روپیہ اپنے عیش و عشرت پر خرچ کیا جائے ایسے لوگ یقیناً عشرت کے پرستار اور نخوت کے سرمایہ دار ہیں۔ وہ دن دور نہیں ہے کہ یہ طلسم ٹوٹ جائے اور عیش پرستوں کو اپنی ہی قوموں کے ہاتھوں ذلیل ہونا پڑے۔ میرے الفاظ میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں ہے۔ میں اپنی قوم کا خادم ہوں اور خدمت قوم ہی میرا نصب العین ہے۔ (نعرہ ہائے تحسین)

برادران عزیز! اب عیش و نخوت کا وقت گیا۔ اور مساوات پسندی کا زمانہ آگیا ہر شخص کو دوسروں کے حقوق آزادی کا احترام کرنا چاہیے۔ آخر میں پھر ایک دفعہ شکریہ ادا کرکے تقریر ختم کرتا ہوں"

۵ مئی کو آپ نے موسیو شیلاف کی معیت میں روسی فوج کا معائنہ فرمایا۔ پھر آہن سازی کے کارخانہ میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد ایک نمائش کی سیر کی جو صرف مصنوعات افغانستان کے لئے مخصوص تھی۔ اسی دن سہ پہر کو آپ نے روس کے بلند مرتبت اصحاب کو شرف باریابی بخشا۔ اور دو گھنٹہ سے کچھ زیادہ دیر تک بعض اہم مسائل پر گفتگو فرمائی۔ ۶ تاریخ کو ماسکو کی مشہور عمارات دیکھیں اور چارلس تھیٹر میں جشن مسرت و شادمانی میں شریک ہوئے۔ ۷ مئی کو آپ پارچہ بافی کے ایک بڑے کارخانہ میں گئے۔ اور ماہرین سے بہت سے سوالات کئے

۹ مئی کو موسیو چیچرن نے امان اللہ خاں غازی کے اعزاز میں ضیافت دی اس شاندار ضیافت میں روسیوں کی طرف سے آپ کو خطاب اعلیٰحضرت غازی آزاد افغانستان دیا گیا۔ ۱۰ مئی کو آپ نے موسیو کالینن سے ملاقات فرمائی۔ اور دیر تک گفتگو کی۔ ۱۱ مئی کو آپ نے لینن گراڈ کے ایک جلسہ میں فرمایا کہ میں روس کی سیاحت سے بہت خوش ہوا ہوں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ افغانستان اور روس کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ ہو جائیگا۔ اور نہایت مضبوط تعلقات قائم ہو جائینگے۔

جب آپ نے روس سے ترکی جانے کا قصد فرمایا تو صدر جمہوریہ نے ایک الوداعی پارٹی دی۔ ضیافت گاہ میں نہایت شان و عظمت سے آپکا خیر مقدم کیا گیا۔ ضیافت سے فراغت پاکر آپ اپنی قیام گاہ پر پہنچے اور وہاں سے [illegible] تشریف لے گئے۔ جہاں "سمرنا" نامی جہاز آپ کا منتظر تھا۔ جہاز پر سوار ہوتے وقت سرکاری توپخانہ نے سلامی کے فائر کیے۔ آپ نے روسی ارکان حکومت کا دلی شکریہ ادا کیا۔ جب آپ قسطنطنیہ کو روانہ ہوئے تو حکومت روس نے روسی جہازوں کا ایک بیڑا حفاظت کے لئے ساتھ کر دیا۔

حدود ترکی میں

جسوقت شاہ غازی ترکی شہر "سباسٹوپول" کے بندرگاہ پر پہنچے تو جنرل فخری پاشا اور جنرل ناجی پاشا نے پرعظمت استقبال کیا۔ اور عرض کی کہ حضور سرکاری جہاز "ازمیر" پر تشریف لے چلیں۔ آپ ازمیر پر سوار ہوئے۔ توپخانہ ساحلی نے سلامی دی جہاز پر افغانی جھنڈا نصب کیا گیا۔ حفاظت کے لئے دو آبدوز کشتیاں ساتھ ہوئیں۔ جب شاہی جہاز "باسفورس" میں داخل ہوا تو پانچ ترکی جہازوں نے استقبال کیا۔ ان جہازوں میں ترکی افسران گورنر قسطنطنیہ۔ کمانڈر اعظم افواج آستانہ۔ صدر حزب الشعب۔ صدر کارپوریشن آستانہ اور جنرل شکر

جامعہ قسطنطنیہ موجود تھے۔ جونہی شاہی جہاز قسطنطنیہ پہنچا۔ قلعہ سلیمیہ سے سلامی دی گئی۔ آپ نے جہاز سے اتر کر گارڈ آف آنر کا معائنہ فرمایا۔ اور گورنر آستانہ اور جنرل سپہ سالار افواج آستانہ سے گفتگو فرمائی۔ صدر کارپوریشن آستانہ نے سپاسنامہ پیش کیا۔

انگورہ میں

۲۰ مئی کو آپ انگورہ پہنچے سٹیشن پر آپ کے استقبال کے لئے غازی مصطفےٰ کمال پاشا صدر جمہوریہ ترکی۔ رئیس الوزارت۔ ارکان حرب۔ ممبران مجلس شوریٰ۔ افسران اعلےٰ دفاتر بحریہ و بریہ۔ موجود تھے۔ گاڑی سے اترتے ہی شاہ غازی اور مصطفےٰ کمال پاشا باہم بغلگیر ہوئے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان اسلام کے آفتاب و ماہتاب ہم آغوش تھے۔ غازی پاشا نے فرمایا کہ "میرے پیارے بھائی خدا کرے کہ تم عظیم و جلیل عروج و کمال پاؤ۔ اور خدائے عزوجل تمکو ایک طویل عمر تک زندہ اور سلامت رکھے۔" جواب میں شاہ غازی نے دلی شکریہ ادا کیا اور دعائیہ کلمات فرمائے۔ صدر بلدیہ انگورہ نے سپاسنامہ پیش کیا۔ جلوس جن راستوں سے گزرتا ہوا مہمانخانہ تک پہنچا ہر طرف سے ترکوں نے خوشی اور جوش سے "اللہ اکبر" کے نعرے لگائے اور پھولوں کی اس قدر بارش کی کہ سڑکیں پٹ گئیں۔

۲۱ کی صبح کو قصر الاطفال میں تشریف لے گئے اس کا معائنہ فرمایا۔ پھر "مجلس وطنی" میں پہنچے اس وقت یہ مسئلہ درپیش تھا کہ اناطولیہ کی جنگ میں جن مجاہدین نے مخلصانہ خدمات انجام دی ہیں انہیں انعام دیا جائے۔ انعام پانے والوں میں ایک بہادر ترک خاتون بھی تھی۔ جس کو صدر مجلس نے "استقلال وطنی" کا تمغہ عطا فرمایا۔ اس موقعہ پر ملکہ ثریا نے کھڑے ہو کر ایک مختصر سی تقریر میں مجاہدہ خاتون کی خدمات کی تعریف کی۔ وہاں سے شاہ غازی فوجی نمائش میں تشریف لے گئے۔ جہاں فوجی بینڈ نے افغانی قومی گیت گایا۔ پیدل اور سوار فوج نے اپنے اپنے کمالات دکھائے۔ توپخانہ نے سلامی کی توپیں سر کیں۔

ضیافت اسی دن غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے شاہ غازی کے اعزاز میں ایک نہایت شاندار ضیافت دی۔ ضیافتگاہ میں جہاں اور بہت سی زیب و زینت تھی وہاں سے ترکی اور افغانی جھنڈیوں سے بھی مزین کیا گیا تھا۔ اس ضیافت میں اس قدر عظیم الشان اہتمام کیا گیا تھا کہ ترکی میں اس سے پہلے کبھی نہیں کیا گیا۔ ضیافت میں تمام سربرآوردہ ارکان مملکت، وزراء، ممبران مجلس شوریٰ۔ اور افسران حربیہ امرائے شہر موجود تھے۔ تناول طعام سے قبل مصطفےٰ کمال پاشا نے ایک طویل تقریر فرمائی جس کا ایک ایک حرف لکھنے کے قابل ہے پھر بھی ہم نے اختصار کو مدنظر رکھا ہے۔

غازی انگورہ کی تقریر ہز میجسٹی! ہم سب اپنے ملک میں حضور والا اور ملکہ ثریا معظمہ کو دیکھکر بیحد مسرور ہیں۔ ہم اعلیحضرت کی سیاحت کو جب سے دیکھ رہے ہیں جب شاہ غازی کابل سے چلے۔ ہم منتظر تھے کہ کب تشریف آوری ہو اور ہم زیارت سے مشرف ہوں۔ الحمدللہ کہ آج تمنا پوری ہوئی۔ میں اپنی اور اپنی حکومت کی طرف سے اپنے محترم بھائی ہز میجسٹی اور اپنی محترم بہن ملکہ ثریا معظمہ کا استقبال کرتا ہوں۔ اور سلام پہنچاتا ہوں۔

حضرات ہمارے برادرانہ تعلقات افغان قوم سے نہایت قدیم ہیں۔ جس کی تاریخ شاہد ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ترکی اور افغانی قومیں عہد ماضی میں ایک ہی راستہ پر گامزن تھیں اور ہم دونوں کے آباؤ اجداد موجودہ سیاسی حدود سے خارج حصوں میں حکومتوں کی بنیاد یکے بعد دیگرے ڈالتے رہے۔ جب امر واقعہ یہ ہے کہ ترک اور افغان انہی پر عظمت قوموں کی اولاد ہیں جو مختلف براعظموں میں اپنی یادگاریں چھوڑتی آئی ہیں۔ تو ہم سب ایک ہیں۔

پیارے دوست ہز میجسٹی! تاریخ میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جو حیرت انگیز طور پر ایک دوسرے سے مشابہت تامہ رکھتے ہیں۔ جب ۱۹۱۹ء میں اعلیحضرت افغانستان کی آزادی کے لئے نبرد آزما تھے۔ اس وقت ہم مشرقی یورپ میں

اسی قسم کی جنگ لڑ رہے تھے۔ استقلال اور آزادی کے وقت ہم نے جن مصائب و مشکلات کا مقابلہ کیا ہم انہیں فراموش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان مصائب و آلام کے اسباب کی یاد ہی قوموں کی زندگی کے لیے سامان عبرت و نصیحت ہے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حریت اور استقلال کے معنے سمجھنے والی ہر قوم اور آزادی کی قیمت کا صحیح اندازہ کرنے والی ہر جماعت اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اس کا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ آزادی اور استقلال کی راہ میں ہر قربانی پیش کر دے۔ اور ملک کو غلامی سے بچانے کے لیے ہر قربانی پیش کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر قوم کا آخری فرد بھی کام آ سکے تو اپنی جان عزیز پیش کر کے انسانیت کی تاریخ میں ایک عمدہ مثال قائم کر دے۔ اور اس راہ میں قطعاً کسی قسم کی چشم پوشی کو بھی گوارا نہ کرے۔ وہ قومیں جو ہر قربانی پر قدرت رکھتی ہیں۔ اور آزادی کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہیں۔ وہ انسانیت کے زیادہ سے زیادہ احترام کی مستحق ہیں۔ ترک اور افغان ہر دو اقوام نے اپنے اعمال سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اسی صحیح نصب العین کے ماتحت گامزن ہیں۔ ترکی اور افغانستان کے تعلقات اخوت کو مضبوط بنانے کے لیے سب سے زبردست ذریعہ یہ ہے کہ دونوں ممالک کی کلمہ طیب پڑھنے والی دونوں قومیں آزادی کے مقصد کو انتہائی مستعدی سے پورا کر رہی ہیں یہ قومیں جو دنیا سے اپنی آزادی منوا کر چھوڑیں یقیناً اس قابل ہیں کہ تمدن کے راستوں پر ترقی کریں۔ بلاشبہ قدیم مراسم جدید ترقی کی راہ میں سنگ گراں بن سکتے ہیں۔ لیکن جماعت کے اندر ترقی کی جو فطری استعداد قدرت نے ودیعت کر دی ہے۔ وہ روشن خیال افراد کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑ سکتی۔ یقیناً وہ گذشتہ نقصان کی تلافی کر دے گی۔

ہز میجسٹی! مجھے اس حقیقت کے اظہار کی اجازت دیجئے کہ جب سے ہز میجسٹی نے افغانوں کی قیادت شروع کی ہے خود حاضر کی تمام ترقیات و بیداریوں کے پیدا کرنے کی کوششوں میں سرگرم رہتے ہیں۔ آپ نے نظام حکومت میں جدید

تشکیلات داخل کیں۔ افواج کو نئے طرز پر مرتب فرمایا۔ اور مناسب اصلاحات کا اضافہ کیا۔ یہ تمام باتیں افغانستان کو اس مدنی ترقی کی بلند ترین منزل تک پہنچانے کی ضامن ہیں جسکے اعلیحضرت متمنی ہیں۔

یاجلالتمآب! میں سمجھتا ہوں کہ شاہ عالیجاہ کے ملک کی سیاسی اہمیت اور جغرافیائی حیثیت بہت پیچیدہ ہے لیکن اعلیحضرت افغانی افواج کی مادی اور معنوی ترقی کی جو تمنا دل میں رکھتے ہیں وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اور ہمیں یقین کامل ہے کہ اعلیحضرت اپنے مقاصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ ترکی حکومت ہر ممکن خدمت کے لیئے جو وہ اپنے بھائی افغانوں کے لئے کر سکتی ہے۔ ہر وقت آمادہ دکھائی دیتی ہے۔"

شاہ غازی کی جوابی تقریر

میرے پیارے بھائی! ترکی بلاد میں پہنچنے، آپ کی ذات گرامی سے ملنے اور ترک قوم سے ملاقات کرنے سے مجھے اس قدر خوشی ہوئی ہے کہ جسکے اظہار کے لیئے الفاظ نہیں ہیں۔ فی الحقیقت قدیم تعلقات اور عادات کی یکسانیت نے بہادر ترکوں اور افغانوں کو کچھ ایسا متحد بنا دیا ہے کہ آج دنیا کہہ سکتی ہے۔ کہ ترک اور افغان دو جسم تو ضرور ہیں لیکن دل و جان ایک ہی ہے۔ قدرت کے پیدا کردہ جدید دور میں بھی دونوں کا نصب العین ایک ہے جس طرح ترکی قوم آپ کی سیادت میں آئینی حقوق اور ترقیاں حاصل کر رہی ہے اسی طرح افغان قوم میری صدارت میں ایک شریف زندگی کی جویا ہے۔ بیدار قوموں کی مساعی کبھی ضائع نہیں ہوتیں۔ ترک اور افغان دونوں قوموں نے اپنے حقوق دنیا سے منوائے۔ ہم دونوں اپنے اعمال میں گویا دو بھائی اور دو ساتھی ہیں۔ ہم نے اپنا فرض قرار دیا ہے کہ دور حاضر کی ترقیوں اور بیداریوں کو دونوں قوموں میں پھیلائیں گے۔

اہل افغانستان ہر اس فرض کی بجا آوری کو تیار ہیں جو برادرانہ تعلقات اور اخوت و مودت ترکوں کے لئے اس پر عائد کریں۔

حضرت رئیس الجمہوریۃ المحترم! میں اور میری قوم اس ترقی اور بیداری کو جسے ترک قوم نے رات دن کے مصائب و اضطراب جھیل کر حاصل کیا ہے اور جس کے نمایاں اثرات آپ کی ذات گرامی میں موجود ہیں۔ خوشی کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ افغان قوم ترک قوم کی ہر ترقی پر فخر کرے گی۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ صرف ۹ سال کے اندر آپ نے ترکی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ ہمارے سامنے وہ وقت بھی ہے۔ جب آپ نے ترکی قوم کو ذلت و غلامی کے گڑھے سے نکالا میرا دل آپ کی محبت سے لبریز ہے اور میرے دل میں آپ کے لئے تشکر و امتنان کے جذبات موجزن ہیں۔

حضرت رئیس المعظم! میں اور میری قوم آپ کے ان کلمات کا جو برادرانہ طور پر آپ نے افغان قوم کے متعلق فرمائے ہیں۔ شکریہ ادا کرتی ہے۔ اور ہم ترک قوم کے لئے ہر قسم کی اعلیٰ ترقیات کے آرزومند ہیں اور آپ کی ذات مستجمع الصفات کے لئے عافیت و تندرستی کے خواہاں "

تقاریر کے سلسلے کے اختتام پر سب نے مل کر کھانا کھایا۔ ۲۲ کو سب ممالک محتشمہ کے سفرا شاہ امان اللہ خاں کی خدمت میں حاضر ہو کر باریاب ہوئے سہ پہر کو آپ نے گھوڑ دوڑ کا معائنہ فرمایا۔ اور شام کو رئیس الوزرا عصمت پاشا کی دعوت میں شرکت فرمائی۔ ۲۳ کو آپ نے غازی انگورہ سے کئی گھنٹے تک تخلیہ میں گفتگو فرمائی۔ سہ پہر کو گورنر انگورہ اور صدر کارپوریشن انگورہ کو شرف ملاقات بخشا۔ بعد ازاں صدر کارپوریشن و گورنر انگورہ تھے۔ باشندگان انگورہ کی طرف سے شاہ و ملکہ کی خدمت میں کئی ایک بیش بہا تحائف پیش کئے۔ جن میں قالین دو سنہری جلدیں کتابوں کی۔ چند خوبصورت قطعات اور حسین و بامعنی تصویریں تھیں۔ ۲۴ کو شاہ غازی کے اعزاز میں غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے پھر ایک شاندار ضیافت دی۔ جس میں تمام ارکان وزارت۔ ارکان حرب۔ اور ارکان مجلس شوریٰ شامل تھے۔

دنیا کا واحد معاہدہ

۲۸ مئی کو ترکی اور افغانی عہدنامہ مودت پر دستخط ہوئے جس میں ۹ دفعات ہیں۔ یہ معاہدہ دائمی صلح نامہ قرار دیا گیا۔ اس عہدنامہ میں دونوں ممالک نے ایک دوسرے کو جو مراعات دی ہیں وہ دنیا جہان کے معاہدوں میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ معاہدہ کی دفعات مرتب کرنے والے رشدی بک وزیر خارجہ ترکی اور سردار غلام صدیق خاں وزیر خارجہ افغانستان تھے اس اعتبار سے بھی یہ معاہدہ دنیا کا واحد معاہدہ ہے کہ آج تک دو ملکوں کے درمیان اتنی جلد کسی معاہدہ کی ترتیب و منظوری نہیں ہوئی۔ دفعات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) ترکی اور افغانی حکومتوں میں ایک دائمی صلح و دوستی کا اقرار کیا جاتا ہے۔

(۲) جب کسی تیسری طاقت کی طرف سے زیادتی ہو۔ تو فریقین میں سے ہر ایک کا فرض ہوگا کہ اس زیادتی کی مدافعت کرے۔ اور اگر پھر بھی جنگ چھڑ جائے تو متعاہد فریق کامل غور کے بعد ایسی راہ اختیار کریں جس میں کسی کا نقصان نہ ہو۔

(۳) ہر فریق اس امر کا ذمہ دار ہے کہ وہ کسی ایسے سیاسی۔ فوجی۔ اقتصادی۔ اتحاد میں شریک نہ ہوگا جو ایک دوسرے کے خلاف ہو۔

(۴) متعاہد ممالک اس بات کا بھی وعدہ کرتے ہیں کہ وہ اس گفتگو کے بموجب جو مناسب مواقع پر آئندہ ہوتی رہے گی دونوں فریق ایک دوسرے کو ان وسیلوں سے فائدہ پہنچائیں گے جن سے وہ محروم ہیں۔ تاکہ دونوں فریق ترقی کر سکیں اور دوسرے کی ضرورتوں میں سہولتیں بہم پہنچائیں۔

(۵) ترکی حکومت ذمہ لیتی ہے کہ قانونی۔ تعلیمی اور فوجی ماہرین کی ایک جماعت افغانستان کی خدمت کے لیے بھیجیگی۔

(۶) جانبین کی رعایا کے حقوق دونوں ملکوں میں اقامت اور تجارت کے لحاظ سے دوسری اقوام کی نسبت ممتاز رہیں گے۔ اور معاہدین کو قونصل خانہ

پوسٹ - ٹیلیگرام اور مجرمین کی واپسی کے حقوق مل سکتے ہیں۔

(۷) ہر فریق کو دوسری حکومتوں سے معاہدہ کرنے کا پورا حق حاصل ہے بشرطیکہ اس ہمارے معاہدہ کی ذمہ داریوں پر کچھ اثر نہ پڑے۔

(۸) یہ معاہدہ ترکی اور فارسی زبانوں میں لکھا گیا ہے۔ اور یہ دونوں زبانیں مساوی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۹) یہ معاہدہ دستخط ہونے کی تاریخ سے نافذ شروع ہوگا۔ جس کی پہلی دفعہ تا ابد ہمیشگی رکھتی ہے۔ باقی دفعات کے لئے دس سال کی مدت مقرر کی جاتی ہے۔

معاہدہ کی منظوری کے ساتھ ہی غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے افغانی لشکر کی تنظیم و اصلاح کے لیے چار ترکی افسروں جنرل عبداللہ پاشا، جنرل سعد پاشا، جنرل امین پاشا، جنرل کاظم پاشا کو منتخب کرکے کابل روانہ کر دیا۔ اور اپنے معتمد خاص جناب حکمت بے کو منتخب کرکے سفیر ترکی متعینہ کابل مقرر فرمایا۔

۲۷ مئی کو شاہ غازی نے غازی اعظم انگورہ سے کئی گھنٹے تک تنہائی میں پرائیویٹ گفتگو فرمائی۔ چلتے وقت ایک قیمتی شمشیر جس کا دستہ زمرد و جواہرات سے مرصع تھا غازی اعظم نے اپنے جلیل القدر مہمان امان اللہ خاں کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کی جس کی قیمت کا اندازہ ۲۰ ہزار پونڈ کیا جاتا ہے۔

۲۸ مئی کو آپ انگورہ سے قسطنطنیہ تشریف لے گئے۔ انہی دنوں عید الاضحیٰ کی تقریب آگئی۔ آپ نے جامع سلیمانیہ میں نماز عید ادا کی۔ جہاں تماشائیوں کے ہجوم نے مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہ چھوڑی۔ مسجد کو بطور خاص آراستہ پیراستہ کیا گیا تھا۔ یکم جون کو قسطنطنیہ کے تمام مشہور مقامات کی سیر فرمائی۔ مدارس۔ کتب خانوں اور کارخانوں کا معائنہ فرمایا۔ ۲ جون کو فوج کی قواعد ملاحظہ فرما کر ترکی سے باطوم، طفلس، کوہ قاف، جارجیا اور آذربائیجان کی سیر کرتے ہوئے طہران تشریف لے گئے۔

طہران میں ۱۰ رجون کو شاہ افغانستان طہران پہنچ گئے۔ ہز میجسٹی رضا شاہ پہلوی اور جلیل المرتبہ سرداروں نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔ رضا شاہ پہلوی نے خود اپنے ہاتھوں سے ایک نہایت خوبصورت پھولوں کا ہار شاہ غازی کو پہنایا۔ اور بلند آواز سے کہا زندہ باد امان اللہ خان " جائے استقبال کو خاص طور پر سجایا گیا تھا۔ بہترین قالینوں کا فرش تھا۔ دروازہ پر ایرانی اور افغانی جھنڈیوں سے محراب بنائی گئی تھی۔ ایرانیوں کے حسن مذاق سے کون واقف نہیں خود اندازہ کر لیجئے کہ کیا کچھ زینت و بہار بندی گئی ہوگی۔ جلوس کی روانگی بھی اپنے اندر خاص شان و شوکت رکھتی تھی وہ بادشاہان اسلام کا جلوس تھا۔ ایسے اہم مناظر ہر روز دیکھنے میں نہیں آیا کرتے۔ شاہی گاڑی پیرایہ زیب و زینت کی وجہ سے بنی ٹھنی دلہن معلوم ہوتی تھی دائیں جانب شاہ غازی اور بائیں جانب رضا شاہ پہلوی تشریف فرما تھے مشتاقان جمال کا یہ عالم تھا کہ جہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ ایرانی اخبارات کا بیان ہے کہ یہ ہجوم و استقبال ایران کی تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ جلوس " آہستہ خرام ملکہ محترام " کی رفتار سے مہمانخانہ تک خاص عظمت و جلال کے ساتھ پہنچا۔

ضیافت شاہی ۱۱ رجون کی شب کو ہز میجسٹی رضا شاہ پہلوی کی طرف سے شاہ غازی کے اعزاز میں نہایت شاندار اور پر تکلف دعوت دی گئی۔ جس میں بہت سے بلند منزلت مہمان شریک تھے۔ ان میں سے صدر اعظم ایران۔ جنرل سپہ سالار۔ ارکان وزارت اور مشیران خاص بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ قسم قسم کے کھانے تھے جن میں خاص اہتمام اور تکلف سے کام لیا گیا تھا۔ مراسم ضیافت سے فارغ ہو کر شاہ ایران نے اعلیٰحضرت امان اللہ خان کا جام صحت تجویز کیا اور ایک بسیط و فصیح تقریر فرمائی جس کا ملخص حسب ذیل ہے:-

شاہ ایران کی تقریر دلپذیر

ہز مجسٹی امان اللہ خاں کے ساتھ مجھے قلبی محبت ہے۔ میں ان کی پاکیزگی و رفعت خیال کا اعتراف کرتا ہوں اور ان تمام ترقیات کو جو ان کے عہد میں افغانستان میں نظر آ رہی ہیں۔ دلچسپی سے دیکھ رہا ہوں۔ اور اس سے زیادہ ترقیاں دیکھنے کا متمنی اور دعاگو ہوں۔

ایران کے تمام باشندے آپ کو اپنے ملک میں دیکھ کر بیحد خوش ہو رہے ہیں۔ اس غیر معمولی خوشی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ایران اور افغانستان کے برادرانہ تعلقات آج سے نہیں صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔ اور کبھی کسی حاسد کو تفرقہ پردازی میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ہم دونوں بھائی ہیں۔ اور کئی وجوہ سے بھائی ہیں:۔

(۱) وطنی قرب اور ہمسائیگی کی وجہ سے بھائی ہیں۔

(۲) اتحاد زبان کی وجہ سے بھائی ہیں۔

(۳) اتحاد مقاصد کے باعث سے بھائی ہیں۔

(۴) اور سب سے زیادہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کے سبب سے بھائی ہیں۔ یہ وہ بھائی چارا ہے کہ جس کا انقطاع ناممکن ہے۔ (انما المومنون اخوۃ)

عزیز ترین بھائی! میری اور میری قوم کی دلی خواہش ہے کہ آپ جلد سے جلد عروج و کمال کی انتہائی بلندی تک پہنچ جائیں اور آپ کے دشمن ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہوں۔ آپ کی تخت نشینی کے دن ہی سے افغان قوم ترقی کر رہی ہے امید ہے کہ مستقبل قریب میں ہم افغان قوم کو تہذیب و ترقی یافتہ اقوام کی صف اول میں ایک ممتاز حیثیت سے دیکھیں گے

پیارے ہز مجسٹی ! بلاشبہ جس قوم نے آزادی کا صحیح مفہوم سمجھ لیا اور اس کی قدر و قیمت کو پہچان لیا وہ زوال پذیر ہرگز نہیں ہو سکتی - اس کا ہر قدم ترقی کی طرف اٹھے گا - اور ارادہ میں استحکام ہو گا - مجھے انکار نہیں کہ کبھی کبھی ترقی کی راہ میں نقصانات بھی اٹھانے پڑھتے ہیں - لیکن بالآخران سب مشکلات کا نتیجہ فوز و فلاح اور کامیابی ہے - اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا مستقبل درخشاں ہے -

میں ہز مجسٹی کو انتہائی صدق و اخوت سے یقین دلاتا ہوں کہ میں اور میری حکومت ہر وقت ہر ممکن خدمت کے لیئے ہر طرح تیار رہیں - خدائے برتر آپ کے جلال و عظمت میں روز افزوں ترقی دے -

شاہ غازی کی جوابی تقریر پُر تاثیر

شاہ غازی نے جواب میں فرمایا

" میرے پیارے بھائی ! میں آپ کی اور اہل ایران کی محبت کا دلی احترام کرتا ہوں اور اظہار شکر ! آپ نے جن دلنشین الفاظ میں محبت و اخلاص کا اظہار فرمایا ہے - میرے دل پر ان کا گہرا اثر ہے - یقین جانیئے کہ میرے دل میں اہل ایران کی محبت راسخ ہو گئی ہے - میں آپ کے خیالات کی قدر اور آپ کی محبت پر فخر کرونگا

جلالت الملک ! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم دونوں اقوام میں نہایت دیرینہ تعلقات چلے آتے ہیں جس کی ہمیشہ تاریخ شاہد رہے گی یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ ہمارے مابین جو اسلامی برادری کا تعلق ہے - وہ بڑی سے بڑی تخریبی کوشش سے بھی نہیں ٹوٹ سکتا - ٹوٹنا تو درکنار جنبش بھی نہیں پا سکتا -

شاہ عالیجاہ ! بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ ہم اور آپ دونوں ایک ہی منزل طے کر رہے ہیں - اور دونوں ایک ہی مقصد کے لیئے گامزن ہیں - میں دست بدعا ہوں کہ خدائے قادر و توانا ہم دونوں کو خاطر خواہ کامیابی بخشے -

پیارے بھائی! بجا ارشاد ہے کہ ترقی کی راہ میں نقصانات و تکالیف بھی ہیں بے شک اس چمن میں پھولوں کے ساتھ خار بھی ضرور ہیں۔ لیکن نیت میں خلوص او رفضل ایزدی کی تائید ساتھ ہو تو کامیابی کچھ دور نہیں۔

حضرات! یہ حقیقت قابل اظہار ہے کہ گو مسلم سلطنتیں بلحاظ نام الگ الگ ہیں۔ کسی کا نام ترکی ہے۔ کسی کا ایران اور کسی کا افغانستان۔ لیکن اصل میں باعتبار وحدت مقاصد ان میں کوئی فرق نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک درخت کی کئی شاخیں۔ ان حکومتوں کو علیحدہ علیحدہ جسم تصور کیجئے۔ لیکن جان۔ قلب اور روح سب کی ایک ہے۔ اس لئے کہ نصب العین مشترک اور واحد ہے۔ میں صاف اور کھلے لفظوں میں کہتا ہوں کہ ایران۔ ترکی۔ اور افغانستان سب آپس میں بھائی ہیں۔ رفیق ہیں۔ سچے ہمدرد ہیں۔ اور ہم سب استقلال و ترقی کو اپنا نصب العین قرار دے چکے ہیں۔ ہم سب متفقہ طور پر اپنے وطن کی حفاظت کریں گے۔

حضرت جلالتمآب! میں اور میرے رفقا آپ کی ترقی اور بیداری کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ جل علٰے آپ کو پہلے سے زیادہ عروج و کمال عطا فرمائے۔ آخر میں پھر ایک دفعہ ایرانی بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں ؟

۱۳ / جون کو مختلف سلطنتوں کے سفرا متعینہ ایران کو شرف باریابی بخشا شام کو وزیر اعظم ایران۔ صدر مجلس شوریٰ۔ اور ارکان وزارت ایران سے ملاقات کی۔ رات کو صدر اعظم کی دعوت میں شرکت فرمائی۔ ۱۴ / جون کو مشہور مقامات طہران کی سیر فرمائی اور مدارس کا معائنہ کیا۔ اساتذہ اور بعض طلبہ کو شرف تکلم سے سرفراز فرمایا۔

ایرانی افغانی عہد نامہ مودّت

۲۲ ارجون کو ایران اور افغانستان کے درمیان ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ جس میں چار دفعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو یہ ہیں :۔

(۱) ایران و افغانستان کے درمیان دائمی صلح و دوستی کا اقرار کیا جاتا ہے۔ کسی تیسری طاقت سے جنگ رونما ہونے کی صورت میں دونو معاہد ممالک ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے۔

(۲) اقتصادی اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اور ہر فریق دوسرے کو ایسے وسائل بہم پہنچائیگا جس سے وہ محروم ہے۔ تاکہ معاہدین بسہولت ترقی کر سکیں۔

(۳) ہر ممکن طریق پر آزادی و استقلال کی حفاظت کی جائے گی۔ ایران اور افغانستان کے درمیان سلسلہ تار و ڈاک قائم کیا جائے گا۔ اور رعایا کے مال و اسباب پر کوئی محصول نہ لیا جائے گا۔

(۴) غیر سیاسی مجرموں کا اخراج ضروری ہوگا۔ اور اس میں کسی فریق کو کوئی کسی قسم کا اعتراض نہ ہوگا۔

ساتھ ہی اس معاہدہ سے علیحدہ یہ بات بھی طے پائی کہ دونوں حکومتوں کے ایران و کابل میں سفارتخانے قائم ہوں۔ اس معاہدہ کے مرتب کرنے والے جناب صدر اعظم ایران اور سردار غلام صدیق خاں وزیر خارجہ افغانستان جنھوں نے معاہدہ ترکی و افغانستان کی ترتیب میں حصہ لیا تھا تھے۔

اس معاہدہ کی منظوری بھی بہت جلد عمل میں آئی اور دفعات میں ویسی ہی فیاضانہ مراعات موجود ہیں جیسی ترکی افغانی معاہدہ میں نظر آتی ہیں۔

مشہد و طہران میں

طہران سے غازی ممدوح مشہد مقدس پہنچے۔ جہاں شاندار استقبال ہوا۔ سپاسنامے پیش ہوئے۔ آپ نے باشندگان مشہد کے سپاسنامے کے جواب میں ایک نہایت اہم اور حقایق و معارف سے مملو تقریر فرمائی جس کا بالاختصار مضمون یہ ہے:-

برادران ملت! جس خلوص و محبت کے ساتھ آپ حضرات نے میرا خیر مقدم کیا ہے میرا قلب مسرت کے ساتھ اس کا معترف ہے۔ میں نے نہایت غور کے ساتھ آپ کے سپاسنامے کو سنا۔ میرے عزیزو! آج دنیائے اسلام میں جس چیز کا کال نظر آتا ہے وہ اخلاص ہے۔ کبھی آپ نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتکریم کے زمانے میں مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی؟ بہت کم تھی آج بحمد اللہ چالیس کروڑ سے زیادہ مسلمان دنیا میں موجود ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہمارے دلوں میں اسلام کی وہ محبت نہیں رہی جو صحابہؓ کے دلوں میں تھی اگر ہمارے قلوب صحابہؓ کی طرح اسلام کے جوش اور عشق سے لبریز ہوتے تو آج ہم ذلیل و خوار نہ ہوتے۔ صحابہؓ کے نام سے ساری دنیا لرزتی تھی اور بڑے بڑے بادشاہ اُن سے رعب کھاتے تھے۔ ان کے پاس آج کل کے سازو سامان حرب اور تمدن کی وافر سامانیاں نہ تھیں۔ بلکہ انہیں تن بھر کپڑا اور پیٹ بھر ٹکڑا بھی میسر نہ تھا ان کے پاس صرف ایک چیز تھی اور وہ ایمان تھا۔ ایمان کی برکات نے انہیں عزم و استقلال، صدق اور اخلاص کا سرمایہ دار بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پھٹے کپڑوں اور زنگ آلود تلواروں سے چشم زدن میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا۔ اور دنیا ان کے عزم و عمل کو دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ انہوں نے قیصر اعظم اور کسرائے فارس کے غرور و ناز کو خاک میں ملا دیا۔

ایمان کی برکت نے ان میں باہم محبت، اتفاق، ہمدردی و غمگساری پیدا کردی تھی وہ کبھی آپس میں نہ لڑتے اگر کبھی یہ نوبت پہنچتی تو فوراً دلوں کو صاف کر لیتے اور ہرگز اندرونی کدورت و عداوت نہ رکھتے۔ ان کی زندگیاں "رحماء بینھم" اور "اعتصموا بحبل اللہ جمیعا" کی بہترین تفسیر تھیں۔ اور یہی وحدت و یکجہتی باہمی الفت و محبت ان کی کامیابی اور کامرانی کا باعث تھی۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں محاسن اسلام کی جگہ حسد۔ لالچ۔ خود غرضی۔ ریاکاری اور جھوٹ پایا جاتا ہے جو کمزوری ایمان کی علامات ہیں۔ بعض مسلمان تو صرف نام کے مسلمان ہیں۔ ایمان سے محروم ہیں۔ منافقت میں مبتلا ہیں۔ بعض اچھے بھی ہیں۔ اچھوں کو کوئی برا نہیں کہہ سکتا وہ لائق تعظیم ہیں لیکن افسوس کہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ یوں تو اپنے آپ کو ہر ایک اچھا سمجھتا ہے۔ مگر حقیقتاً اچھا وہ ہے جو اسوۂ رسول اور صحابہؓ اور کتاب و سنت پر چلتا ہے۔ آج بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو ... رہبری اور ... کے دعویدار ہیں جن میں ایمان کی بو تک نہیں۔ صرف نفس پرستی کے لئے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں اور رہبر بنے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ان کی بے ایمانیاں اور فریب کاریاں پرزے پرزے ہو جائیں گی۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالٰے میری قوم کو عقل و فہم عطا کرے کہ وہ اپنے نفع نقصان کو سمجھنے کے قابل ہو جائے اور ان غارتگروں سے ملت اسلامیہ کو محفوظ رکھے۔ اور فلاح و ترقی کے دروازے ان پر کھول دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

۲۱ جون کو آپ نے مشہد کے مشہور مقامات کی سیر فرمائی اور بعض بزرگان دین کے مزارات پر فاتحہ خوانی کو تشریف لے گئے۔

۲۲ رجون کو جلالتمآب امان اللہ خاں ہرات پہنچے۔ مشتاقان جمال زیارت کے لیے شہر سے باہر آئے ہوئے تھے۔ شاہ غازی کی موٹر دیکھکر "اللہ اکبر" کے عرش ہلا نعروں سے گنبد فلک کو ہلا دیا۔ شہر میں داخل ہوتے وقت خوشی کے پھول برسائے گئے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ سڑکوں پر پھولوں کا فرش کیا گیا ہے آپ باشندگان ہرات کا شکریہ ادا کرکے قیام گاہ میں تشریف لے گئے۔

۲۳ رکو ارکان مجلس شوریٰ ہرات نے آپ کو ایک شاندار ضیافت دی اس ضیافت میں آپ نے کوئی تقریر نہیں کی۔ ۲۴ رجون کو بلدیہ ہرات نے شاہ عالیجاہ کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا جس میں شاہ ممدوح کی رعایا پروری اور اپنی محبت کا اظہار کیا گیا تھا۔ جواب میں شاہ غازی نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

" میں آپ کے جذبات محبت کا اعتراف واحترام کرتا ہوں۔ میں ابھی ایشیا اور یورپ کے سفر سے واپس آ رہا ہوں۔ بہت سے وسائل ترقی وفلاح اپنے دل و دماغ میں محفوظ لایا ہوں۔ خدا کرے کہ میں ان وسائل سے اپنی قوم کو فائدہ پہنچانے میں کامیابی حاصل کرسکوں۔ اس میں میری ذاتی غرض ومنفعت کچھ نہیں، قوم کی بھلائی وبہبودی ہے۔ میری نیت میں خلوص اور ارادے میں صداقت ہے۔ خدا سچے جوش اور پاک عزائم کو کبھی ناکام نہیں کرتا۔ مجھے تائید ایزدی کی پوری توقع اور اپنی کامیابی کا یقین ہے۔

آپ حضرات کو میں ایک نصیحت کرتا ہوں۔ اگر آپکو واقعی مجھ سے محبت ہے تو میری نصیحت پر ضرور عمل کرو اور وہ یہ ہے کہ ہمیشہ آپس میں بھائی بھائی کی محبت و پیار کے ساتھ رہو۔ اتفاق واتحاد کی بڑی برکتیں ہیں۔ اپنے کسی بھائی سے حسد مت کرو، کسی کا زوال نہ چاہو۔ اپنے بھائی کو ترقی کرتے دیکھو تو خود بھی ترقی کی کوشش

کرو۔ کسی بھائی کی ترقی میں روڑے اٹکانا یا اسے ترقی سے نیچے گرانے کی کوشش کرنا سخت کمینہ حرکت ہے۔ اور بہت بڑا اخلاقی اور مذہبی گناہ ہے۔ یقین ہے کہ تم اس نصیحت پر ضرور عمل کروگے میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تمکو امن اور عافیت کے ساتھ نیکی، اتفاق و محبت اور ترقی کی توفیق عطا فرمائے۔

اسی رات کو آپ نے ہرات کے ایک مشہور افغان تاجر عبداللہ امین کی دعوت میں شرکت فرمائی۔ میزبان سے مخاطب ہوکر آپ نے فرمایا کہ ابھی تک میری قوم تجارت میں ترقی یافتہ ممالک سے پیچھے ہے۔ اور میں حیرت و افسوس کے ساتھ دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ تجارت پر ملازمت کو فوقیت دیتے ہیں حالانکہ ہمارے آقا و مولا نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خود تجارت کرتے تھے۔ پیغمبر اعظمؐ کو نبوت کی ذمہ داریاں، اصلاح امت کی مساعی، قیام امن اور انسداد شر کے لئے جہاد، بیوی بچوں کے حقوق، خدا کی عبادت اور ریاضت، یہ سب اہم ترین مصروفیتیں بھی تھیں لیکن پھر بھی آپ تجارت کرتے تھے۔ تجارت کرنا سنت بھی ہے اور دنیاوی فوائد و منافع کا باعث بھی۔ خدا کا کلام آخری اور مکمل قانون ہے۔ جو قیامت تک دنیا کی رہنمائی کرے گا۔ اس میں لکھا ہے "لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ" یعنے ناحق ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ ہاں تجارت کرو۔ حدیث شریف میں بھی تجارت کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ بلکہ ایک ایسی حدیث بھی ملتی ہے جس میں لکھا ہے کہ رزق کا $\frac{9}{10}$ حصہ تجارت میں ہے۔ سیر و تاریخ کی کتب سے بھی ثابت ہے کہ بہت سے صحابہ کرامؓ تجارت کیا کرتے تھے۔ پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ تجارت کی طرف پوری توجہ کرے یورپ کی قومیں تجارت ہی کی وجہ سے مالدار ہیں اور ترقی کررہی ہیں۔ انہی کی طرح تم بھی ترقی کرسکتے ہو بشرطیکہ سچائی اور دیانت کے ساتھ تجارت میں قدم رکھو۔

قندہار میں ۲۲ر کو آپ نے مراجعت وطن کا قصد فرمایا۔ ۲۳ر جون کی صبح کو یہ شاندار سیاحت ختم ہوگئی یعنی آپ بخیر و عافیت قندہار پہنچ گئے۔ اہل وطن نے اپنے مشفق بادشاہ کی آمد کی خوشی میں شہر قندہار کو خوب سجا رکھا تھا۔ شاہ ممدوح نے پہلے ارکان سلطنت سے مصافحہ کیا۔ پھر رؤسائے شہر سے ہاتھ ملایا۔ ابھی یہاں سے ایک قدم بھی نہ اٹھایا تھا کہ ایک طرف سے افغانوں کی ایک غریب جماعت "زندہ باد امان اللہ خاں آقائے بادشاہ افغانستان" کا نعرہ لگاتی ہوئی آ پہنچی۔ قبل اس کے کہ شاہ موصوف کچھ فرمائیں، پھر ایک ایسی بھاری صدا بلند ہوئی "گو افغانان غریب ہستیم دلے محبت شاہ بسیار داریم" شاہ غازی نے جواب کے لئے لب کشائی بھی نہیں کی تھی کہ پھر جوش و جذبہ سے لبریز آواز فضا میں گونجی "درخشاں باد ستارۂ اقبال امان اللہ خاں" "اے آمدنت باعث آبادی ما" شاہ نے دیکھا کہ یہاں کچھ کہنے سے کام ہرگز نہیں چلے گا بس آپ فوراً اس ہجوم عفیر میں گھس گئے۔ اور سب کو بے تکلف دوستوں کی طرح سینہ سے لگایا۔

۲۶ر کی شام کو حکومت افغانستان کے ارکان کی طرف سے جلسۂ ضیافت باعزاز شاہ غازی منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں اعلیحضرت نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:-

برادران عزیز خدا کا شکر ہے کہ ایشیا اور یورپ کی طویل سیاحت کے بعد

میں آج پھر آپ کے سامنے ہوں۔ جیسے آپ مجھ سے ملنے کے لئے بیتاب تھے یقین کیجیے کہ ایسے ہی میں بھی آپ کی یاد سے بےچین تھا۔ مجھے اپنے وطن کا ایک ایک ذرہ عزیز ہے۔ یہاں کا کانٹا ہر مقام کے چمنستان سے بہتر اور محبوب ہے۔ حب الوطنی ایک فطری جذبہ ہے۔ آپ نے مشہور مصرع سنا ہوگا۔

خار وطن از سنبل و ریحاں خوش تر

ملک اور قوم کی ترقی کے لئے کوشش کرنا بھی ایک سفر ہے۔ پس اگر یورپ کے سفر میں آپ میرے ساتھ نہیں گئے تو کم از کم ملک و قوم کی ترقی کے سفر میں آپ سب کو ضرور میرا رفیق بننا پڑے گا۔ اس سفر میں مجھے آپ کی رفاقت کی شدید ضرورت ہے۔ اچھا خدا انہیں بعافیت رکھے۔

غزنی میں قندہار سے آپ غزنی تشریف لائے۔ استقبال، سپاسنامے، ضیافت اور گارڈ بالمٹی کی رسوم کے تکمیل پذیر ہو جانے کے بعد ایک مختصر سی تقریر فرمائی جس میں بعافیت وطن پہنچنے پر خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے سفر کے تجربات و مشاہدات کو بالتفصیل بیان فرمانے کا وعدہ کیا۔ اور فرمایا کہ انفرادی طور پر کوئی کام ایسے عظیم الشان نتائج پیدا نہیں کرسکتا جو اجتماعی جدوجہد سے مرتب ہو سکتے ہیں۔ پس جسطرح میں گرمی سے کام کروں اسی طرح تم بھی میرے ساتھ مل کر کام کرو۔ ہماری قوم ابھی تک تعلیم، تجارت، اور صنعت و حرفت میں یورپی ممالک سے پیچھے ہے لیکن ہمیں پوری مستعدی سے اس کمی کو دور کر دینا چاہیئے۔ اپنا کام اپنے ہی کئے سے ہو سکتا ہے۔ آپ کی اصلاح کو فرشتے نہیں اتریں گے۔ سستی اور کاہلی کو ایک دم چھوڑ دو۔ خدا انہی لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ جو خود بھی ہاتھ پاؤں ہلاتے ہیں۔ سست اور کاہل لوگ کبھی ذلت سے نہیں نکل سکتے۔ جو اپنی بھلائی کے لئے خود کچھ نہیں

کرنے اور تقدیر کا شکوہ کرتے ہیں میں ایسے لوگوں کو بیوقوف سمجھتا ہوں۔ خدا ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائے۔

کابل میں غزنی سے کابل تک آپ نے ہوائی جہاز میں سفر کیا۔ اہل کابل شاہ غازی کی زیارت کے لئے ایسے بے تاب تھے جیسے کوئی ایسا عاشق جو اپنی ساری زندگی ہجر محبوب میں بسر کر چکنے کے بعد در جاناں تک پہنچ گیا ہو۔ کابل میں غریب سے غریب اور امیر سے امیر نے، چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے نے غرضکہ ہر ایک متنفس نے (خواہ وہ مسلمان تھا، ہندو یا سکھ) نہایت ہی شاندار استقبال کیا۔ شہر کابل کو شاید ہی اس سے پہلے کبھی ایسی رونق نصیب ہوئی ہو۔ ہر طرف سے پھولوں کی بارش تھی اور اللہ اکبر کے نعروں سے گنبد فلک گونج رہا تھا۔ ہر باشندہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔

جب شاہ ممدوح قصر دلکشا میں پہنچے تو تمام وزراء، امراء، سرداران جنگی، افسران افواج، و دیگر ارکان دولت آپ کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ سب سے پہلے سردار اعلیٰ محمد ولی خاں قائم مقام شاہ غازی آگے بڑھے اور دست بوسی کے بعد سپاسنامہ پیش کیا۔ جو ممدوح کی مدح و ستائش سے لبریز تھا۔ شاہ غازی نے سپاسنامہ کے جواب میں جو تقریر فرمائی اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

برادران عزیز! خدا کا شکر ہے کہ میں نے بخیریت واپس آ کر آپ کو دیکھ لیا۔ آپ کی جدائی ناقابل برداشت تھی۔ لیکن صرف یہ امر میری تسلی کا موجب تھا کہ دوسرے ممالک کے وسائل ترقیات کو دیکھ کر اپنے ملک و قوم کو بھی اسی منزل ترقی پر پہنچاؤں گا۔ میں انہی وسائل ترقی کی تلاش میں مصروف رہا۔ میں سیر کرنے نہیں گیا تھا۔ بلکہ آپ سے پوچھ کر اس غرض سے دور دراز ممالک کو گیا تھا کہ

افغانستان کو دنیا سے روشناس کرا دوں۔ اور دنیا کے دماغ سے اس غلطفہمی کو دور کر دوں کہ افغانستان چند وحشی قبائل کا مرکز ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ اور آئندہ بھی کامیابی کی توقع رکھتا ہوں ہر جگہ میرا شاندار استقبال ہوا۔ ہر بادشاہ اور صدر جمہوریہ نے محبت و خلوص کے ساتھ خاطر داری کا فرض بخوبی ادا کیا۔ مجھے اس سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی سوائے آپ کی جدائی کے۔ حق تعالیٰ جلد ہمکو فلاح و ترقی عطا فرمائے۔

تقریر ختم کر کے آپ خاص محل میں تشریف لے گئے۔ لیکن مضافات کابل کے بہت سے افغان زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ محل کے بالاخانہ پر کھڑے ہو گئے۔ تاکہ زیارت کے مشتاق ناکام نہ جائیں آپ نے سلام کیا اور اپنی خوشنودی کے اظہار کا اشارہ فرمایا۔

کابل میں شاہ غازی کی مع الخیر مراجعت وطن کی خوشی میں تین روز تک عام تعطیل رہی۔ اور جشن و چراغاں کیا گیا۔ شاندار ضیافتیں ہوئیں۔ خوشیاں منائی گئیں۔ شاہ غازی نے ان ضیافتوں میں شرکت فرمائی اور سپاسناموں کے جواب میں مفصل و مبسوط تقریریں کیں۔ لوگ شاداں و فرحاں نظر آتے تھے۔ اور آپ کے ارشادات گرامی کو سنکر عہد کرتے تھے کہ ہم آپ کے وسائل اصلاح و ترقی کی کامیابی کے لئے ہر طرح سعی و جہد کریں گے۔ اور پوری مستعدی و سرگرمی سے کام لیں گے۔

وائسرائے ہند کا پیغام

شاہ غازی کے بخیر و عافیت وطن پہنچنے پر وائسرائے ہند نے ممدوح کی خدمت میں حسب ذیل تار روانہ کیا:۔

" حضور کی سات ماہ کی تاریخی اور قابل یادگار سیاحت کے بعد اپنی مملکت میں

نزول اجلال فرمانے کی تقریب پر میں انتہائی صدق و اخلاص سے حضور کی خدمت میں ہدیہ تہنیت و تبریک پیش کرنے کی عزت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور حضور کی کامیابی اور خیروعافیت کا خدا سے خواستگار رہوں۔

حضور عالی مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ جب حضور والا اپنی سیاحت کے سلسلے میں ہندوستان تشریف لائے اور بمبئی میں رونق افروز ہوئے تو میں اپنی سخت بیماری کی وجہ سے شاہی بارگاہ میں باریابی کا شرف حاصل نہ کرسکا۔ لیکن جلالتمآب نے اپنی تشریف ارزانی سے سرزمین ہند کو جو شرف بخشا اور اہل ہند کے دلوں پر جو نقش محبت چھوڑا وہ میرے لئے موجب افتخار و شادمانی ہے۔"

"ارون"

شاہ غازی کا جواب

شاہ غازی نے وائسرائے ہند کے پیغام تہنیت کے جواب میں تار دیا:

" ہمارے بعافیت وطن مالوف میں مراجعت پذیر ہونے پر ہز اکسلنسی نے جو برقیۂ تبریک مخلصانہ جذبات سے لبریز ارسال کیا ہے اسے پڑھکر بہت خوشی ہوئی۔ ہم بھی بمبئی میں آپ سے ملنے کے خواہشمند تھے۔ لیکن ہمارے بمبئی پہنچنے پر آپ بیمار ہو گئے۔ اس قدرتی موانعہ کو ہم محسوس کرتے ہیں کہ غیر متوقع تھا۔ جس پر آپ کو کوئی قدرت حاصل نہ تھی۔ بہر حال لیڈی اورن اور حکومت کے دیگر عہدیداروں نے جس خلوص کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ اور اہل ہند نے جن محبت آمیز جذبات کا اظہار کیا ان سے ہمیں مسرت و خوشی ہوئی۔

" امان اللہ خان "

ثانیہ لمحہ میں، لمحہ ساعت میں، ساعت گھڑی اور گھنٹو میں اور گھنٹے دنوں میں تبدیل ہونے لگے اور شاہ ممدوح لمحہ بہ لمحہ زیادہ سرگرمی و مستعدی سے

مصروف سعی و جہد نظر آنے لگے۔

دفاتر افغانی کی دیکھ بھال

۵ جولائی ۲۹ء کو آپ نے شاہی دفتر کا معائنہ فرمایا۔ سردار محمد ولی خاں سے کئی گھنٹہ تک تنہائی میں گفتگو کی۔ اس کے بعد دفتر حربیہ میں گئے۔ وزیر جنگ کو کچھ ہدایات دیں۔ اور ضروری کاغذات ملاحظہ فرمائے امور خارجہ کے دفتر میں گئے اور سردار محمد امین سے ضروری امور میں گفتگو فرمائی۔ محکمۂ مالیات میں پہنچے اس کے ہر ایک شعبہ پر نظر ڈالی۔ وزیر مال کو ہدایات دیکر امور عامہ کے دفتر میں تشریف لے گئے۔ ضروری کاغذات کی دیکھ بھال کر کے محکمہ تجارت میں گئے اور ارکان صیغہ سے ضروری امور میں بات چیت کی۔

شام کو آپ نے باغ ارک میں خاص جلسہ منعقد فرمایا جس میں بڑے بڑے جلیل المنزلت سرداروں کو مدعو کیا مثلاً سردار محمد یعقوب خاں وزیر دربار، سردار شیر احمد خاں رئیس مجلس شوریٰ۔ سردار حبیب اللہ خاں معین وزارت حربیہ۔ سردار محمد امین خاں رکن وزارت خارجہ سردار عبدالرحمٰن خاں مشیر خاص۔ سردار غلام یحییٰ خاں مدیر شعبہ ممالک اسلامیہ۔ سردار محمد ولی خاں وزیر حربیہ۔ کپتان نواب خاں طرزی۔ کرنل غلام صدیق خاں وغیرہ ارباب حکومت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان تمام حضرات کے سامنے شاہ غازی نے ملک کی اصلاح و ترقی کی متعلق اہم تجاویز پیش کیں اور ایک پروگرام مرتب کیا گیا اور اس پروگرام کے متعلق تمام ارباب بست وکشاد سلطنت سے رائے طلب کی گئی۔ اس پروگرام پر بہت سے ذمہ دار سرداروں اور افسروں نے پسندیدہ رائے کا اظہار کیا اور ارکان دولت اور وزرائے سلطنت نے اظہار استحسان و اتفاق کیا۔

اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز

سیاحت یورپ سے واپس آکر شاہ غازی کو ۲۴ گھنٹے یہی دھن رہتی تھی کہ کب افغانستان اس سطح ترقی پر نظر آتا ہے جس پر آج کل دنیا کے ممالک متمدنہ پہنچے ہوئے ہیں۔ اسی لیے آپ نے اپنی اوپر غیر معمولی مصروفیتوں کا بار لے لیا۔ اور ضروریات سائنسوں تک کی پروا نہ کی۔

محکمہ تعلیم آپ نے ایک شاندار یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی جس میں فرانس اور جرمنی کے ماہرین تعلیم کو نگرانی پر مامور کیا۔ کئی ایک عربی کالج کھولے جس میں روشن خیال علما کو رکھا گیا۔ محکمہ تعلیم کے ماتحت ایک مدرسۃ الواعظین قایم کیا گیا۔ جس میں فن خطابت کی تعلیم دی جا سکے۔

اوقاف افغانستان میں جس قدر اوقاف تھے کسی کو بھی تنظیم کی توفیق نہ تھی اور بدنظمیوں کی وجہ سے متولیوں کے گھر بھرے تھے۔ جیسے کہ آج کل ہندوستان میں متولی اوقاف کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ آپ نے ایک محکمہ اوقاف جاری کیا۔ تاکہ وقف کا روپیہ نیک کاموں کے سوا کہیں بھی صرف نہ کیا جائے۔

بیت المال افغانستان کے بڑے صوبوں اور مرفہ حال شہروں میں بیت المال قایم ہوا۔ جہاں خیرات۔ زکوٰۃ۔ صدقات کا روپیہ جمع ہو۔ اور ہر مقام کا روپیہ وہاں کے غربا مساکین پر خرچ ہو اور پس انداز روپیہ مفید تحریکوں میں جن کی شریعت اسلام اجازت دے خرچ کیا جائے۔ اور کسی دھوکہ باز بھکاری کو دھوکا دینے کا موقع نہ رہے

غریب خانے ہر شہر، قصبے بلکہ گاؤں تک میں غریب خانے کھولنے کا حکم دیا گیا یہ غریب خانے صرف سچے معذوروں، بوڑھوں اور یتیم بچوں کیلیے تھے

گداگری کی روک تھام بھیک مانگنے کی قانوناً ممانعت کردی گئی اور موٹے تازے قابل محنت بھکاریوں کے لئے چھ ماہ قید سخت کی سزا مقرر کی گئی۔ ایسے لوگ اس سے زیادہ سنگین سزا کے مستوجب ہیں۔

اصلاح اخلاق و اعمال شراب۔ جوے اور بدکاری کی شدید ممانعت کی گئی اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے تین ماہ قید سخت کی سزا رکھی گئی۔

شفاخانے افغانستان کے تمام چھوٹے بڑے شہروں اور قصبوں تک میں شفاخانے جاری کرنے کا حکم دیا گیا کہ زنانے اور مردانے دونوں قسم کے شفاخانے کھولے جائیں۔ ڈاکٹروں اور حکیموں کو ہدایت کی گئی کہ وہ غریبوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ اور پوری توجہ سے افغانی رعایا کی خدمت کریں۔

انتظام مساجد محکمہ امور مذہبی کے افسران اعلےٰ کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ مساجد کی زیب و زینت کے علاوہ اس کے انتظام کو بھی درست رکھیں۔ یہ نہیں کہ کسی مسجد میں تو قالین ہیں کسی میں کھجور کی چٹائیاں بھی ندارد۔

صفائی میونسپلٹیوں کے نام حکم جاری کیا گیا کہ وہ شہروں میں پوری صفائی رکھیں۔ اور محکمہ تعمیرات کو ہدایت کی کہ وہ صاف اور عمدہ سڑکیں تعمیر کریں اور بوسیدہ و شکستہ مکانات کو از سر نو درست کریں۔

بنک ملک کی ترقی و فلاح کو مد نظر رکھکر ایک افغانی بنک بھی جاری کرنے کا حکم دیا گیا جس کی نگرانی اور تحویل احمد جمال بے کے سپرد ہوئی۔

پارچہ بافی کابل میں کئی کارخانے پارچہ بافی کے قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ جن میں ہر قسم کا کپڑا تیار ہو سکے۔ نئی قسم کی صنعتی مشینیں شاہ ممدوح یورپ سے اپنے ساتھ لائے تھے جنھیں نصب کرنے کا حکم دیا گیا۔

محکمہ زراعت

ایک محکمہ زراعت قائم کیا گیا۔ اور ماہرین زراعت [illegible] کو ہندوستان [illegible] زراعت [illegible] سے کام لیا جاتا ہے۔ اور آبپاشی کے لیے نہریں نکالی جا رہی ہیں۔ اور ہر قسم کے غلہ اور دالوں اور ترکاریوں کی کاشت کی جاتی ہے۔ اور ہر قسم کے میوہ جات کی کاشت کرکے اپنے ملک کے علاوہ بیرونی ملکوں میں بھی بھیجا جاسکے۔

صنعت و حرفت

ایک شاندار [illegible] کارخانہ قائم کیا گیا جس میں [illegible] مشینیں لگائی گئیں جو جرمنی سے آئی تھیں۔

تعدد ازدواج

شاہ غازی نے [illegible] میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں [illegible] ایک جماعت کے سامنے [illegible] سے زیادہ شادیوں کے بارے میں فرمایا کہ شریعت اسلام نے تعدد ازدواج کے مسئلہ میں جس عدل و انصاف کی تاکید کی ہے۔ اسے کوئی بھی پیش نظر نہیں رکھتا۔ اور اس مسئلہ کو محض خواہشات نفسانی کی تسکین کا بہانہ بنایا جاتا ہے۔ اس لئے میں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ کوئی سرکاری ملازم ایک سے زیادہ شادیاں نہ کرے سوائے اس کے کہ پہلی بیوی فوت ہو چکی ہو یا طلاق پا چکی ہو۔ خلاف ورزی کرنے والے کو ملازمت سے برطرف کیا جائے گا۔ اس وقت جن افسروں کی ایک سے زیادہ بیویاں ہیں ان کے متعلق روشن خیال علماء سے فتوے طلب کرکے حکم دیا جائیگا اس جلسہ میں شاہ ممدوح نے تمام غیر ضروری اور خلاف شرع اسلام رسوم کے ترک کرنے کی تلقین کی۔

ان اصلاحات تک افغانستان کے کسی ایک متنفس کو بھی شاہ غازی کی مساعی حسنہ سے سرمو اختلاف نہ تھا۔ اور ہر دلعزیزی روز بروز ترقی پر تھی۔

لیکن چند ہی روز بعد سردار محمود طرزی نے پغمان میں ایک کانفرنس طلب کی اور اس میں ایسی تجاویز پیش کیں جن سے بہت سے سربرآوردہ ارکان سلطنت اختلاف رکھتے تھے۔ لیکن سردار صاحب نے اپنی تجاویز کو اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ جس وقت شاہ غازی کے روبرو یہ تجاویز پیش ہوئیں تو ممدوح نے فرمایا کہ یہ تجاویز قبل از وقت ہیں۔ اور سردست ان کا نفاذ قطعاً بے محل ہے۔ لیکن طرزی صاحب اپنے اصرار پر قائم رہے۔ شاہ غازی نے فرمایا کہ افغان ان تجاویز کو کبھی پسند نہیں کریں گے۔ ایسا نہ ہو کہ فساد اور بغاوت برپا ہو جائے۔ پھر بھی طرزی صاحب اپنے پیہم اصرار سے باز نہ آئے تو شاہ ممدوح خاموش ہو گئے۔ یہ خاموشی نیم رضا تصور کی گئی۔ اور سمجھا گیا کہ تجاویز منظور ہو گئیں۔

بنائے بغاوت اصلاحات

(۱) عورتوں کو غیر ممالک میں جا کر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ پردہ سے اصل غرض حفاظت عصمت ہے۔ اگر افغانی خواتین اپنے چال چلن کی حفاظت کر سکتی ہیں تو ظاہری پردہ کی ضرورت نہیں۔ مروجہ پردہ اس زمانہ میں محال ہونے کے علاوہ خلاف اسلام ہے۔

(۲) اگر افغانی باشندے یورپین لباس کو پسند کریں تو انہیں اجازت ہے۔ اسلام لباس پر موقوف نہیں۔ ہر شخص لباس کے معاملہ میں آزاد ہے۔

(۳) کوئی افغانی سوائے علمائے ربانی اور صوفیائے پرہیزگار کے کسی ملا اور پیر سے محبت و عقیدت نہ رکھے۔ کوئی مولوی وعظ کہنے کا حق نہیں رکھتا جب تک کہ چیف کمشنر کو اپنی علمی ڈگری سے اطمینان نہ دلا دے۔ کسی ایسے

بچوں کو رقص و سرود ... بغیر ... کی اجازت نہیں جو واقعی رشد و ہدایت کی پوری اہمیت نہیں رکھتے۔

(۴) افغانی سپاہیوں کو اپنے افسر کی منظوری کے بغیر کسی ملا یا صوفی کا مرید یا معتقد ہونے کی اجازت نہیں۔

(۵) نوجوانوں کو ہیٹ لگانے، داڑھیاں منڈانے اور یورپین طرزِ معاشرت اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ اور ڈیوٹی پر انگریزی وردی پہننے کا حکم دیا جاتا ہے۔

(۶) افغان لڑکیوں کو ڈاکٹری اور سرجری سیکھنے کے لئے ترکی بھیجا جائے۔

(۷) جمعہ کی تعطیل منسوخ کر کے جمعرات کی تعطیل کا حکم دیا جاتا ہے۔

منظوری کا سبب

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ شاہ غازی نے خاموشی کیوں اختیار کی۔ دراصل حقیقت یہ تھی کہ جو طرزِ عمل تجاویز کی شکل میں ان کے سامنے تھے۔ مسٹر ... نے ... کچھ ... رکھ دیا۔ یہ ایک نہایت اہم اور تفصیل طلب سوال ہے۔ جسے مختصر لفظوں میں یوں حل کیا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصہ سے سلطنت افغانستان کے چیدہ ارکان کے درمیان ایک خطرناک اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اس اختلاف نے کئی جماعتیں بنا دیں جن میں سے دو اہم اور قابلِ ذکر ہیں۔ اور انہی دو سے اس معاملہ کا گہرا تعلق ہے۔ ایک مذہب پرست۔ دوسری آزاد خیال یعنی تقریباً مذہب سے بیگانہ۔ اول الذکر جماعت کی قیادت جرنیل نادر خاں کے ہاتھ میں تھی۔ اور موخر الذکر پارٹی کے رہنما سردار محمود طرزی تھے۔ جرنیل موصوف چاہتے تھے کہ افغانستان اسلامی شان کے ساتھ میدانِ ترقی میں گامزن ہو۔ اور سردار صاحب کا خیال تھا کہ

[illegible] ترقی کی راہ میں روک ثابت ہوں گی۔ اس لئے باشندگان
[illegible] میدان ترقی میں قدم اٹھائیں۔ دونوں جماعتوں کے لیڈر اپنی اپنی
جگہ خاص وقار اور اثر رکھتے تھے۔ اگر محمود طرزی ملکہ ثریا کے والد اور شاہ غازی
[illegible] تھے [illegible] خان کی بھی خاندانی شوکت اور قدیم خدمات، دانشمندی
[illegible] اہل ملک کے دلوں پر اثر کئے ہوئے تھی۔ خود شاہ غازی کی
[illegible] ایک طرف اپنے خسر کی عزت اور ان کی علمی لیاقت کی قدر تھی تو دوسری طرف
[illegible] طبیعت اور اعلیٰ تدبر، اور فداکاری و جاں نثاری بھی
[illegible] کے اعتبار سے بھی محمود طرزی سلطنت کے رکن اعظم
تھے اور نادر خاں اپنے بادشاہ کے رفیق اعظم اور مشیر خاص۔ غرض کسی لحاظ سے
[illegible] مقابل [illegible] اختلافات روز بروز بڑھتا گیا۔ نادر خاں
اور محمود طرزی میں اسی طرح اتحاد ناممکن تھا جیسے مذہب اور فلسفہ میں۔ نتیجہ
یہ ہوا کہ نادر خاں کی ہر ایک بہتر تجویز کی بھی سردار صاحب نے مخالفت شروع کر دی
[illegible] مخالفت نے توہین آمیز شکل اختیار کر لی۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی
تو [illegible] غیرت نے اپنے عہدۂ جلیلہ سے مستعفی ہو جانا بہتر سمجھا۔ استعفے
کی خبر سے سارے ملک میں اور بالخصوص ان کے وسیع حلقہ احباب میں ایک
بے چینی سی پیدا ہونے لگی۔ ایسی صورت میں شاہ غازی نے استعفا تو منظور نہیں
فرمایا [illegible] سفیر مقرر کر کے انہیں پیرس بھیج دیا۔ اور ایک معقول رقم بھی
ساتھ کر دی۔ محمود طرزی صاحب کی راہ سے جب یہ سنگ گراں دور ہو گیا۔ تو
انہوں نے [illegible] کارروائیاں شروع کر دیں۔ جو شاہ ممدوح کے دل و دماغ
پر چھا جانا چاہتی تھیں۔ مذہبی پارٹی اپنے لیڈر کی ہدایات سے محروم ہو گئی اور
لا مذہب پارٹی کا اثر بڑھنے لگا۔ اس بیگانہ مذہب رو کو بڑھتا ہوا دیکھ کر

بعض دور اندیش ارکان نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر اس سیلاب کو جلد نہ روکا گیا تو وہ دن دور نہیں جب ملک کا امن چین بھی خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیگا۔

؎ سرچشمہ شاید گرفتن بہ بیل چو پر شد نہ شاید گزشتن بہ پیل ؎

اس خوفناک سیلاب کو روکنے کے لیئے ایک ہی تدبیر کارگر ہو سکتی تھی اور وہ یہ تھی کہ سردار محمود طرزی کو انکی خدمات سے سبکدوش کر دیا جاتا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اور مذہبی عزت و حرمت خطرے میں پڑنے لگی۔ عام افغانوں کی نظر میں مذہب سے زیادہ دنیا کی کوئی ترقی محبوب نہیں۔ مذہب ہی کے نام پر ۱۹۱۹ء میں انہوں نے گردنیں پیش کر دیں۔ اور اپنے ملک کو اغیار کی سیادت سے کلیتہً آزاد کرالیا۔ مذہب کے علاوہ انہیں دنیا کی کوئی اہم سے اہم چیز بھی اپیل نہیں کر سکتی اسی لیئے انہیں نادرخاں کے چلے جانے کا سخت رنج تھا۔ اوپر سے جناب طرزی کا طرز عمل مزید بےچینی و بددلی کا محرک ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں ایک عام بیزاری بھی رونما ہونے لگی۔ اور شاہ غازی کی اس پیشگوئی کی صداقت نظر آنے لگی جو ممدوح نے طرزی اصلاحات کی "منظوری" کے وقت فرمائی تھی۔ کہ "کہیں فساد و بغاوت کے آثار نہ پیدا ہو جائیں"

پیروں اور مولویوں کا انتقام

اس موقع پر پیروں اور مولویوں کو جن کا اثر و رسوخ روز بروز کم ہو رہا تھا۔ اور اصلاحات نے ان کے اقتدار پر کاری ضرب لگا دی تھی وعظ کا موقع مل گیا۔ انہوں نے شہر شہر، قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں میں ان اصلاحات کو خوب رنگ آمیزی کے ساتھ پھیلایا۔ اور "اپنی شریعت" کے مطابق ساتھ ساتھ فتوے بھی دیتے گئے۔ کہ جو شخص ڈاڑھی منڈانے یورپین معاشرت اختیار کرنے۔ پردہ کو توڑنے۔ عورتوں کو غیر ملکوں میں بھیجنے میں لگانے

انگریزی لباس پہننے۔ جمعہ کی جگہ دوسرے دن تعطیل منانے اور خلاف شرع احکام
حکم دینے والے بادشاہ کی حمایت کرے گا وہ گویا کفر کی حمایت کرے گا۔
یہ بدعتیں امان اللہ خاں نے یورپ سے سیکھی ہیں۔ اور اب وہ کافر ہو گیا ہے۔
جہلا میں اس پروپیگنڈے کا اثر بھی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ قبیلے کے قبیلے
بیزار اور متنفر نظر آنے لگے۔ قوم کے دم میں محبت و عقیدت کا ردعمل شروع
ہو گیا۔ اور انتہائی الفت و ارادت انتہائی نفرت و عداوت کی صورت اختیار
کرنے لگی۔ ملّوں اور پیروں میں ملائے چکنور۔ ملا محمد عمر ملائے شور بازار سب سے
زیادہ اثر و رسوخ والے تھے۔ ملائے شور بازار کو ادب کی وجہ سے حضرت صاحب
شور بازار کہا جاتا تھا بڑے بڑے سرداران کے آگے سر جھکاتے تھے۔ خود شاہ غازی
کو بھی ان سے عقیدت تھی اور اس میں شک بھی نہیں کہ ملائے موصوف ایک متقی
اور پرہیزگار شخص ہیں ان کے ذاتی اعمال و عادات پسندیدہ ہیں۔ ان کے متعلق ہندی
اخبارات نے بہت بُرے الفاظ میں غلط واقعات بیان کئے۔ ملائے موصوف کی
سب سے بڑی غلطی سب سے بڑی خطا اور سب سے بڑا گناہ اور سب سے بڑی تقصیر
یہ تھی کہ انہوں نے کھلے دل سے کھلے الفاظ میں تجاویز و اصلاحات جدید کو خلاف
شرع اسلام سمجھا اور کہا۔ اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض پوشیدہ نہ تھی۔ انہیں ایک
بہت بڑی جماعت کا پیرو رہنما ہونے کی حیثیت سے اپنی آزاد رائے کے اظہار کا
حق حاصل تھا۔ خواہ ان کی رائے غلط ہی کیوں نہ ہو لیکن اسے غداری کہنا بہتان ہے
اور ان کی رائے ملک کے کثیر طبقہ کی تائید اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ ارکان سلطنت
میں سے بھی نہایت ذمہ دار اور سر برآوردہ وزرا اور افسروں نے ان تجاویز کی
مخالفت کی تھی۔ حتّے کہ خود غازی امان اللہ خاں بھی متفق نہ تھے۔ پھر ملائے موصوف
کی گردن پر سب سے بڑا الزام غداری رکھنا قرین صواب نہیں۔ البتہ ملک کے

سب سے بڑے پیر اور سب سے بڑے پیشوا کی مخالفت نے دوسرے ملاؤں اور
پیروں کو ہر طرح کی شورش و غلط فہمی پھیلانے کا موقع دے دیا۔ اور انہوں نے غلط
سے غلط الزامات لگانے میں کوئی دریغ نہ کیا۔ شاہ امان اللہ غازی کو تارک صوم و صلوٰۃ مشہور
کیا۔ یورپ کی لیڈیوں کی نیم برہنہ تصاویر دکھا دکھا کر کہا کہ یہ ان افغان لڑکیوں کی تصاویر
ہیں جنھیں یورپ بھیجا گیا ہے۔ اور ملک کے تمام ناتعلیم یافتہ طبقہ میں بغاوت کی آگ
بھڑکا دی۔ شنواری قبائل نے اس بغاوت کا سب سے پہلے خیر مقدم کیا۔ اور یہی علاقہ تمام
بغاوتوں کا مرکز بن گیا۔

ایک تبصرہ

اگر ایک لمحہ ٹھنڈے دل سے غور و فکر میں صرف کیا جائے
اور حالات افغانستان پر گہری نظر ڈالی جائے تو یہ بات
صاف طور پر سامنے آجاتی ہے کہ گو طرزی تجاویز منشائے اسلام کے عین مطابق نہ تھیں
لیکن ایسی خلاف اسلام بھی نہ تھیں کہ ملک کا امن و امان درہم برہم کر کے رکھ دیا جائے
مولوی صاحبان کو صرف ان تجاویز و اصلاحات کے خلاف آواز اٹھانے کا حق حاصل
تھا جو واقعتاً کسی اسلامی حکم پر اثر انداز ہوتیں۔ اس احتجاج و مخالفت میں اگر پیر اور
مولوی احقاق حق و صداقت اور پوری دیانتداری سے کام لیتے تو ساری دنیائے اسلام
انھیں عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتی اور ہر معقول پسند ان کی جدوجہد کی ستائش و
تعریف کرتا۔ لیکن جہاں طرزی صاحب اعتدال سے متجاوز ہو گئے اور بعض غیر ضروری
غیر اہم اور ناقابل توجہ اصلاحات کر بے وقت لے بیٹھے جن میں ایک گونہ اسلام سے
بے نیازی کی جھلک بھی پائی جاتی ہے وہاں حامیان شرع اسلام نے بھی اپنے
طرز عمل کو اسلامی شان کے مطابق نہ رکھا۔ اور مخالفت میں حد سے گزر گئے۔ سب
سے بڑھ کر ستم ظریفی یہ کہ محمود طرزی صاحب کو چھوڑ کر ساری ذمہ داری امان اللہ
کے سر ڈال دی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مجوزہ اصلاحات کی مخالفت کی جاتی۔ تاکہ

زیادہ سے زیادہ خدمت یہی ہو سکتی تھی کہ لغزش قرار پا سکتی۔ اگر شاہ غازی تھوڑا
سی آواز کو سن کر ان کا منشا پورا کر دیتے۔ اصلاحات میں مناسب ترمیم یا تبدیلی
منظور فرما دیتے تو معاملہ یہیں ختم ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اور اس معمولی سی
لغزش پر اتنا زبردست پروپیگنڈا کیا گیا کہ شاید ہی دنیا میں اس کی کوئی نظیر
مل سکے۔ مولویوں اور پیروں کی اس روش کو دیکھ کر بعض مبصرین نے اس خیال
کا بھی اظہار کیا کہ صرف نفاذ اصلاحات ہی افغانستان کی شورش کا اصل سبب نہیں
بلکہ بعض غیر مرئی ہاتھ بھی اس بغاوت میں کام کر رہے ہیں۔ اور یہی پر اسرار طاقتیں
اس وقت سے سرگرم عمل تھیں جب سے شاہ غازی سیاحت یورپ کے دوران
میں لندن سے روس پہنچے۔ اس مولویانہ پروپیگنڈے نے ان مخفی طاقتوں کو اپنا
کام کرنے کا زریں موقعہ دیدیا۔ اور ان غیر مرئی ہاتھوں کی کرامت نے باغیوں کو
ایسی ایسی سنہری توقعات دلائیں کہ ہاتھ کے کنکر بھی چاندی کی ٹھیکریاں بن گئے۔ بعض
اہل الرائے کے قیاس کردہ اعداد و شمار کے مطابق ایام بغاوت میں اتنا
روپیہ بیرون ملک سے قبائل میں پہنچا کہ اسے نیچے اوپر چنا جائے تو افغانستان
کے پہاڑوں میں بقدر ایک کے اضافہ ہو جائے۔

اس خیال کی تائید ڈاکٹر فرانسس ہیولاک کے اس مضمون سے بھی ہوتی ہے
جو اخبار "امپائر نیوز" لندن میں شائع ہوا جس کا ملخص یہ ہے کہ جن علاقوں
میں بدامنی پھیلی ہوئی ہے وہاں ایک اجنبی شخص گشت لگایا کرتا ہے۔ اور زر نقد
تقسیم کرتا ہے۔ باغی اس کا شاندار خیر مقدم کرتے ہیں۔ میں اس شخص کو ایک پر اسرار
اور جعلساز آدمی سمجھتا ہوں۔ مجھے اس کا بھی علم ہے کہ نومبر ۱۹۲۸ء کے تیسرے
ہفتہ میں ایک شخص سیاح کی حیثیت سے افغانستان پہنچا۔ اس نے شاہ امان اللہ
خاں اور وزیر جنگ سے ملاقات بھی کی۔ اس کے بعد غائب ہو گیا چند روز بعد

ایک شخص پیرانہ شکل میں افغانستان کے جنگلوں میں نمودار ہوا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ وہی پُراسرار شخصیت ہے۔ اس کے پاس کافی ساز وسامان اور روپیہ اور وہ سب کچھ موجود ہے جو ہندی باشندوں کو خرید سکتا ہے۔ اس پراسرار شخص کو عوام الناس پر اپنا اثر جما لینے اور انہیں ہر طرح اپنا لینے میں کمال حاصل ہے۔ کاش بغاوت فرو ہو جائے۔ لیکن مشکل ہے" (ترجمہ از ایشیاٹک نیوز)

مبصرین کا یہ خیال صحیح ہو یا غلط ہمیں اس سے بحث نہیں۔ لیکن جہاں تک نفاذ اصلاحات کا تعلق ہے ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر امان اللہ خاں کی منظوری اصلاحات عجزی کو ایک خطا قرار دیا جائے تو اس خطا کی سزا جو علمائے افغانستان نے تجویز کی وہ خلاف اسلام حد تک شدید اور سخت تھی اور یقیناً پہلی خطا سے جو اصلاحات کی شکل میں سرزد ہوئی دوسری خطا جو سزا کی شکل میں اہل ملک نے کی نہ صرف اشد شدید بلکہ ناقابل تلافی کہی جانے کے لائق ہے۔

بغاوت کا زور شور

بغاوت کا آغاز ۲۸ نومبر ۲۸ء سے بیان کیا جاتا ہے ملا ئے چکنور اور ان کے دوسرے مولوی جب سارے قبائل میں بغاوت پھیلا چکے تو انہیں ایک ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو سرداری اور لیڈری کی قوت اپنے اندر رکھتا ہو انہوں نے اپنی تلاش و جستجو سے بچہ سقہ کو پا لیا۔ یہ شخص ان کے نزدیک ان کے مقاصد کو بہترین طور پر کامیاب بنا سکتا تھا۔ دوسرے جہلا کی طرح بچہ سقہ بھی پیروں کا غیر معمولی ادب کرتا تھا۔ وہ ڈاکوؤں کی جماعت کا سرغنہ تھا۔ اپنی جماعت کو لیکر وہ شنواریوں کے علاقہ میں پہنچا وہاں اس نے ایک لشکر باغیوں کا تیار کیا اور کابل کی طرف بڑھا۔ اس کی پیشقدمی کو ایک معمولی ڈاکو کی سرکشی سمجھکر اہمیت نہ دی گئی۔ لیکن دسمبر کے پہلے ہی ہفتہ میں اس نے ڈکہ اور جلال آباد

پر حملہ کر کے بتایا کہ "دشمن نسواں حقیر و بیچارہ شمرو" کئی گھنٹے خونریز جنگ جاری رہی۔ کئی سرکاری ملازم قتل ہوئے۔ حکومت کی طرف سے سردار علی احمد جان گورنر جلال آباد کو حکم بھیجا گیا کہ بغاوت کو فرو کرنے کے لئے پوری مستعدی اور چستی سے کام لے۔ ۷ دسمبر ۱۹۲۸ء کو حکومت کو اطلاع ملی کہ شنواری اور مہمند قبائل نے ڈکہ پر اور بچہ سقہ نے دل کو چک پر قبضہ کر لیا ہے۔ حکومت نے ایک ہزار فوج دلکو چک کی طرف روانہ کی جس نے کچھ باغیوں کو قتل کیا اور بعض کو گرفتار کر لیا۔ باغی پسپا ہو گئے۔

اس پسپائی کے بعد باغیوں سے صلح کی کوشش کی گئی اور دسمبر کا سارا مہینہ قیام امن کی جدوجہد میں صرف ہوا۔ حکومت کی طرف سے صلح جویانہ رویہ تھا۔ اور باغی اپنی طاقت کو فروغ دے رہے تھے۔ حتیٰ کہ ملاؤں اور پیروں نے جاہل فوجیوں میں بھی بددلی پھیلا دی شروع جنوری میں پھر شعلہ ہائے بغاوت بھڑک اٹھے۔ حکام نے ہر چند حالات پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن حسب دلخواہ کامیابی نہ ہوئی۔ جب حالات روز بروز نازک صورت اختیار کرنے لگے تو امان اللہ خاں نے اعلان کیا کہ "میں لغمان کانفرنس کی تجاویز کو، جو سردار محمود طرزی کی پیش کردہ تھیں منسوخ کرتا ہوں۔ آئندہ امور سلطنت میں مستند علماء سے مشورہ لیا جائے گا۔" لیکن اس اعلان کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اور بغاوت پہلے سے بھی زیادہ زور کے ساتھ ترقی پکڑنے لگی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بغاوت کے جراثیم شاہی لشکر میں بھی افتراق اور بددلی کا باعث بن گئے۔ قتل و خونریزی کے واقعات میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا۔ بالی ہر لحہ سر سے اونچا ہو رہا تھا۔ حالات کے سدھارنے اور باغیوں کو رام کرنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس وقت شاہ امان اللہ خاں نے حکم دیا کہ

باغیوں سے پوچھو کہ ملکی معاملات اور نفاذ اصلاحات کے متعلق ان کے مطالبات کیا ہیں۔ باغیان حکومت نے مطابقت کی حسب ذیل فہرست پیش کی:۔

(۱) ۵۰ ارکان کی ایک ایسی مجلس قائم کی جائے جو ملکی۔ فوجی اور مذہبی معاملات میں پورا اقتدار رکھتی ہو اور اس میں اکثریت مولویوں کی ہو۔

(۲) ملک میں قانون داں اور وکیل رکھے جائیں۔

(۳) بادشاہ اور اس کا خاندان اسلامی طریقوں کی پابندی کریں۔

(۴) جو لڑکیاں ترکی بھیجی گئی ہیں انہیں واپس بلالیا جائے۔

(۵) دیوبند کے علما کو افغانستان میں داخلہ کی اجازت ہو۔

(۶) پردہ کی سخت پابندی کی جائے۔

(۷) جبری بھرتی موقوف کردی جائے۔

(۸) ملاؤں کو نقل و حرکت کی پوری آزادی ہو۔

(۹) مسکرات کا استعمال قانوناً بند کیا جائے۔

(۱۰) تعطیل کا دن جمعہ مقرر کیا جائے۔

(۱۱) عورتیں یورپین لباس نہ پہنیں۔

(۱۲) طالب علموں کو شادی کرنے کی اجازت ہو۔

(۱۳) پیروں کو نذریں دینے کی ممانعت نہ ہو۔

(۱۴) لوگ قرضہ دینے میں آزاد ہوں۔

(۱۵) لڑکیوں کی تعلیم کا سلسلہ موقوف ہو۔

(۱۶) مرد جیسا جی چاہیں لباس پہنیں۔

(۱۷) رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں کو مستوجب سزا قرار دیا جائے۔

(۱۸) ملاؤں کی سب پابندیاں اٹھادی جائیں اور انہیں احتساب کے بعد سزا دینے کا حق حاصل ہو۔

غازی امان اللہ خاں نے ان مطالبات کی منظوری کا اعلان حسب ذیل صورت میں کیا:۔

(۱) میرے لئے عیش و آرام کی کمی نہیں۔ جو کچھ میں نے کیا یا کرنا چاہتا ہوں وہ ملک کی ترقی و فلاح کے لئے ہے۔ جو افغان لڑکیاں بغرض تعلیم ترکی بھیجی گئی ہیں وہ تعلیم سے فارغ ہو چکی ہیں اب عامۃ الناس اس تکلیف سے بچ جائیں گے کہ مریض عورتوں کو مرد ڈاکٹروں کے پاس لیجائیں۔ پھر بھی آپ چاہیں تو لڑکیاں واپس بلالی جائینگی (۲) محتسب مقرر کردیا جائیگا۔ (۳) لڑکیوں کے سکول بند کردیئے جائیں گے (۴) عورتیں پردہ کے حق میں بے شک مختار ہیں چاہے پردہ کریں چاہے نہ کریں۔ (۵) علما کی مجلس قوانین مروجہ کا امتحان شرع اسلام کی روشنی میں کرے گی۔

(۶) علمائے دیوبند سے داخلہ افغانستان کی پابندیاں اٹھالی جائیں گی۔

(۷) عورتوں کو برقعہ اوڑھنے کا پورا حق حاصل ہے۔ (۸) اب نابالغ بچیوں کو کوئی نہیں دیکھے گا (۹) شراب کی ممانعت کی جاتی ہے۔ شرابی کو سزا دی جائے گی۔ (۱۰) رشوت لینا اور دینا قطعاً ممنوع ہے۔ (۱۱) آئندہ جمعرات کی بجائے جمعہ کی تعطیل ہوا کرے گی

(۱۲) میں امان اللہ مسلمان ہوں اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا شیدائی۔

اگر صرف ان کی اصلاحات کو بغاوت کا سرچشمہ یا بنیاد ٹھیرایا جائے تو اس اعلان شاہی نے ان تمام اصلاحات کا خاتمہ کردیا۔ اور باغیوں نے جو مطالبات پیش کئے تھے وہ پورے ہوگئے۔ اب کسی کو کوئی شکایت نہ رہنی چاہیے تھی لیکن نہیں۔ منظوری مطالبات کے بعد بھی وہی شکایات تھیں اور وہی شورش۔ کوئی فرق نہ ہوا۔ بلکہ بغاوت اپنی اسی رفتار سے ترقی کرتی رہی۔ اور امان اللہ خاں کو معدودے چند نفوس کے سوا سب نے یکہ و تنہا چھوڑ دیا۔ یہ وقت شاہ ممدوح کے لئے سخت یاس انگیز تھا۔

تخت سے دستبرداری

ملا صاحب شور بازار کو یقین دلایا گیا کہ اگر امان اللہ خاں تخت سے دستبردار ہو جائیں تو بغاوت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء کو ملا صاحب قرآن مجید ہاتھوں میں لئے ہوئے امان اللہ خاں کے پاس پہنچے اور کہا مجھے اس بغاوت و فساد کا دلی قلق ہے۔ بغاوت لمحہ بہ لمحہ ترقی پر ہے۔ خیر خواہان سلطنت اور حامیان امن و امان کے مشورے سے میں حضور کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اگر چند روز کے لئے حضور والا اپنے بھائی کے حق میں تخت سے دستبردار ہو جائیں تو بہت جلد ملک میں امن چین میسر آ سکتا ہے۔ اور حضور کی حب ملک و ملت سے مجھے پوری توقع ہے کہ میری یہ خیر خواہانہ درخواست منظور کی جائیگی۔

شاہ غازی جو اپنے دل میں افغان قوم کی محبت عشق کے درجے تک رکھتے تھے۔ اپنی بادشاہت کی خاطر اپنی پیاری قوم کو کب خون میں نہاتا ہوا دیکھ سکتے تھے فوراً آپ نے فرمایا کہ میں افغانوں کا بادشاہ کبھی نہ بنا۔ صرف محافظ اور چوکیدار رہا۔ اگر وہ اپنے محافظ یا چوکیدار کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے انکار نہیں۔ پھر آپ نے چند ارکان سلطنت سے مشورہ کرنے کے بعد اپنے بھائی عنایت اللہ خاں کے حق میں تخت سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ جو یہ تھا:۔

"آج ۱۴ جنوری سنہ ۲۹ء کو ملت افغانیہ کی بھلائی کے لئے میں اپنے بڑے بھائی شہزادہ عنایت اللہ خاں کے حق میں تخت سلطنت سے دست بردار ہوتا ہوں اور بارگاہ ایزدی میں دعا کرتا ہوں کہ ملک میں جلد امن و امان قائم ہو۔

خادم ملت
(امان اللہ)

آہ! کس قدر دردناک منظر ہے۔ کل تک جس کے سامنے بڑے بڑے بادشاہوں

کے سر جھک گئے آج وہ اپنی قوم کے ہاتھوں اپنے ملک سے دستبرداری کا اعلان کر رہا ہے۔ صد ہزار حسرت و آہ! انقلابات روزگار کی یہ دردناک گھڑیاں بڑے سے بڑے جری کو بھی خون کے آنسو رلا دیتی ہیں۔

غداران ملک و قوم نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس لئے کہ ان کے نزدیک شاہ کے مقابلہ میں ان بھائی عنایت اللہ خاں امور سلطنت اور سیاسیات ملکی میں ایسے ماہر و طاق نہ تھے جیسے شاہ ممدوح۔ اس لئے انہیں خطرہ تھا کہ جب تک یہ بادشاہ خود تخت سلطنت پر متمکن رہے ہیں اپنے مقاصد میں جلد اور مکمل کامیابی آسانی سے حاصل نہیں ہوسکتی۔

تخت سے دستبرداری کے بعد آپ نے پرائیویٹ سکرٹری کو بلاکر صبح کوچ کی تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ ملکہ ثریا کی موٹر بھیجدی جائے لیکن اور کسی قسم کی اطلاع ان تک نہ پہنچے۔ دن نکلنے سے پہلے آپ کابل کو چھوڑ کر قندھار روانہ ہوگئے روانگی کے بعد کیمپ میں اطلاع ہوئی تو سب پر مایوسی کا عالم طاری ہوگیا۔

اعلان فسخ دستبرداری

اعلان دستبرداری سے قبل جب بعض افسران فوجی اور مخلص وفاشعار اہلکاران سلطنت کو علم ہوا کہ آپ تخت سے دستبرداری کا اعلان کرنے والے ہیں تو انہوں نے شاہ امان اللہ خاں کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کی انتہائی کوشش کی اور ہر چند سمجھایا کہ ایسا نہ کیجئے لیکن آپ اپنے ارادے سے باز نہ آئے۔ اور اپنے سچے دوستوں کو روتا ہوا چھوڑ کر کابل سے قندھار چلے گئے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ ان سے اعلان دستبرداری حاصل کرنا محض دھوکا تھا اور جو شخص قرآن مجید ہاتھ میں لیکر ان تک پہنچا تھا وہ خود فریب خوردہ تھا۔ جسے بعض نے فریب دہندہ قرار دیا۔ خود ملا صاحب کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ انہیں دھوکا دیا جا رہا ہے اور اس

قول میں ذرہ بھر صداقت موجود نہیں کہ امان اللہ خاں کی دستبرداری بغاوت کو دور کر دے گی۔ چنانچہ اس فریب دہی اور فریب خوردگی کا حال انکو قندھار پہنچکر معلوم ہوا۔ جب چند ہی روز بعد ان کے بھائی عنایت اللہ خاں بھی انہی کے پاس بخیریت قندھار پہنچ گئے۔

شہزادہ عنایت اللہ خاں کی تخت نشینی اور دستبرداری تخت و تاج کا حال ہم موصوف کی سوانح زندگی میں بیان کریں گے۔ یہاں صرف امان اللہ خاں کے حالات پیش کرنا مقصود ہیں۔

جب عنایت اللہ خاں نے اپنی دردبھری داستان بھائی سے بیان کی تو انہیں بہت رنج پہنچا۔ اور بچہ سقہ کی فریب کاریوں پر جواب اپنی باغی جماعت سمیت تخت کابل پر بیٹھا "ہم بادشاہ افغانستان" کا نعرہ لگا رہا تھا۔ سخت غصہ آیا اسی لئے آپ نے ۲۷ رجنوری ۱۹۲۹ء کو پھر اعلان کیا کہ میں اپنے سابقہ اعلان دستبرداری تخت و تاج کو منسوخ کرتا ہوں۔ یہ اعلان آپ نے قندھار میں کیا اور افغانستان کے علاوہ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی یہ خبر اہمیت کے ساتھ پڑھی گئی۔ افغانی سفراکو بھی جو دوسرے ملکوں میں سفارت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اطلاع کر دی گئی کہ امان اللہ خاں نے دوبارہ اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا ہے۔ قندھار پر امان اللہی جھنڈا دوبارہ لہرایا اور آپ نے از سر نو حصول سلطنت کی جد و جہد شروع کر دی۔ قندھار چونکہ آپ کی ننھیال رہے اور وہاں شاہی خاندان کو غیر معمولی عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس لئے بہت سے قبیلوں نے اظہار وفاداری کیا اور ہر قسم کی امداد کا یقین دلایا۔ آپ نے سعی جہد سے ایک اچھا خاصا لشکر فراہم کر لیا۔ اور کابل پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ہوائی جہاز کے ذریعہ کابل میں اشتہار پھینکے گئے کہ شاہ امان اللہ خاں

سے حامی وطرفدار پایہ تخت کو خالی کر دیں - کیونکہ وہ عنقریب کابل پر گولہ باری کرنے والے ہیں - اور نہیں چاہتے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جائیں - آپ ہر امکانی جدوجہد میں دوبارہ حصول تخت کے لیے مصروف و سرگرم تھے لیکن تقدیر کھڑی ہنس رہی تھی اور اپنی زبان بے زبانی سے اعلان کر رہی تھی کہ مشیت ایزدی کے مقابہ میں سینکڑوں امان اللہ ناکام رہ چکے ہیں۔ جس وقت آپ ضروری انتظامات مکمل کر کے فارغ ہوئے اور حملہ کا قصد کیا - تو موسم سرما اتنا شدید ہو چکا تھا کہ قندھار سے کابل تک پہنچنا ہی دشوار تھا - کڑاکے کی سردی تھی سڑکیں اور راستے برف سے پٹے پڑے تھے - پہاڑی پر فانی ہوا جگر کے پار ہوئی جاتی تھی - بارشوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا - جب آپ نے دیکھا کہ معدودے چند نفوس کے سوا ، مخالف انسانوں سے گزر کرعنا صر تک میں نظر آرہی ہے اور ان قدرتی مخالفات کو کسی طرح دور نہیں کیا جا سکتا - تو آپ نے حملہ ملتوی کر دیا - اور حالات پر پھر ایک دفعہ نظر ڈالی - کہ اب کیا کرنا چاہئے اگر اتنی دیر تک صبر کیا جائے کہ نیچر کی یہ دشمنی ، دوستی میں نہیں تو کم از کم غیر جانبداری میں تبدیل ہوئے - تو اس وقت تک حریف کابل کے اندر ہر طرح اور ہر اعتبار سے اس قدر مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا کہ اسے اپنی جگہ سے ہلانا کارے وارد ہو گا اگر اتنا انتظار نہ کیا جائے تو موجودہ حالات میں حملہ ناممکن ہے - جب اپنے عزائم میں کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو شاہ کے دل و دماغ پر یاس و ناامیدی کے بادل منڈلانے لگے - آپ نے فراہم کردہ لشکر کو منتشر ہو جانے اور اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جانے کا مشورہ دیا - اور فرمایا کہ مجھے تمہاری وفاداری پر یقین ہے - آئندہ جس وقت مجھے تمہاری ضرورت ہو گی فوراً طلب کر لوں گا انہیں اپنے گھروں کو بھیجکر خود بے گھر ہو جانے بلکہ بے وطن ہو جانیکا آخری فیصلہ کر لیا

صبح سے چلتے چلتے شام ہونے آئی تین بج گئے اور ابھی سفر جاری تھا۔ جوں
جوں مسافت طے ہوتی جاتی تھی بےوطن ہونے والے مسافروں کے دل ڈہل رہے
ابھی سفر و مسافت میں صبح جو آفتاب اور اس کی شعاعیں اپنی بلندی و رفعت
کا نغمہ گا رہی تھیں اس وقت تنزل و غروب کے لئے سرنگوں تھیں۔ فضا
پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ "عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا" سورج کی کرنیں
چلتے چلتے تو نغمہ بار امان اللہ سے کہتی گئیں کہ "دوامی عروج ایک ہستی کے
سوا کسی کو حاصل نہیں، وہ ہستی وہی ہے جسے تو بھی جانتا اور مانتا ہے۔ ہم سے
سبق سیکھ صبح ہم سے اونچا کوئی نہ تھا اور اب ہم سے نیچا کوئی نہیں۔ تیرے اور
ہمارے طلوع و غروب میں ایک ہی فرق ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ ہم اس مغرب
میں غروب ہو رہے ہیں کہ کل پھر اسی ترک و احتشام کیساتھ مشرق سے طلوع
ہو جائیں گے اور تو اس مغرب میں غروب ہونیوالا ہے۔ جہاں سے طلوع ہونے
کا امکان نظر نہیں آتا لیکن یہ بات قابل افسوس نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہر روز
کے صدمات تنزل و غروب سے ایک دن ہمیشہ کے لئے مغروب ہو جانا ہزار
درجہ بہتر ہے۔ تو خوش نصیب ہے کہ ایک دفعہ طلوع ہوا اور مدت تک طلوع
رہ کر آج غروب ہو رہا ہے۔ اور آئندہ کبھی یہ ساعت نہ دیکھے گا" موٹریں
فضا اور ہوا کو چیرتی پھاڑتی اپنے مسافروں کو لئے ہوئے فراٹے بھرتی چلی جا رہی
تھیں، مسافرین کی منزل مقصود سردست کوئی نہ تھا اپنے دلوں سے باتیں کر
رہے تھے کہ [illegible] ہو گیا۔ افغانستان کی پہاڑیاں اور جنگل ختم ہو گئے
اور سرحد کا [illegible] نشان نظر آنے لگا۔ جب موٹریں اس نشان کے بالکل قریب
پہنچ گئیں چشم زدن میں اس سے گزر جائیں تو امان اللہ خاں نے آہ سرد بھر کر
فرمایا کہ "وطن عزیز الوداع" ان الفاظ نے رفقائے سفر کا پیمانہ

صبر و سکون جو پہلے ہی لبریز تھا چھلکا دیا۔ وہ ضبط گریہ نہ کر سکے۔ کچھ آواز سے اور کچھ خاموشی سے رونے لگے۔ اُن کے آہ و نالہ میں وطن کا ذرہ ذرہ ہمنوا تھا شاہ امان اللہ خاں وطن کے شجر حجر، زمین آسمان، فضا اور اس کے ذرات کو روتا ہوا چھوڑ کر انگریزی علاقہ میں داخل ہو گئے۔

شاہی قافلہ چمن میں

جب آپ چمن پہنچے تو عجیب حسرت ناک نظارہ تھا۔ ایک وہ آمد تھی کہ سیاحت شاہ [illegible] چمن زرنگار بنا دیا گیا تھا۔ اور [illegible] ہندوستانی سماج شاہ کے لیے بیتاب تھا [illegible] صرف میں مصروف تھے [illegible] میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ایک یہ دوسری آمد تھی کہ خود شاہ امان اللہ خاں اپنی ایک ایک نقل و حرکت کے لیے اپنی عہدیداروں کی اجازت کے محتاج تھے۔ اللہ اللہ کیسے انقلابات ہیں زمانے کے۔

سردار عبدالہادی خاں نے پولیٹیکل ایجنٹ کوئٹہ کو اعلیٰ حضرت شاہ غازی کے اس غیر متوقع ورود کی وائسرائے کو اطلاع دی۔ سیلون کا انتظام کیا گیا۔ سیاحت غازی کے موقعہ کی سیلون اور اس وقت کی سیلون میں بھی اتنا ہی بڑا فرق تھا۔ پہلی سیلون کی زیب و آرائش کو دیکھ کر [illegible] جا سکتا تھا تو اس دوسرے موقع کی سیلون کے لیے بہ وجہ سے زیادہ موزوں [illegible] - جسے دیکھ کر ملکہ ثریا کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں مگر وہ شاہ سے پوشیدہ آنسوؤں کو پی گئیں۔

وائسرائے ہند نے شاہ امان اللہ خاں کی خدمت میں میجر ونگٹ پولیٹیکل ایجنٹ کوئٹہ کی معرفت جو پیغام بھیجا اس کا خلاصہ یہ ہے:-

" اعلیٰ حضرت ملکہ ثریا اور جناب کے بے تاج و تخت ہو کر افغانستان سے

ہونے کی خبر نے مجھے سخت رنج پہنچایا۔ میں نے ماتحت افسروں کو حکم دیا ہے کہ وہ جناب کے موجودہ سفر سے متعلق تکالیف کو کم کرنے کی کوشش کریں اور ہر قسم کا آرام بہم پہنچائیں۔ میرے افسر جناب کی خدمت کے لیے سفر میں ہر وقت حاضر رہیں گے۔ شاہ موصوف نے حسب ذیل جواب دیا:-

"ہز ایکسیلنسی کے محبت آمیز پیغام نے مجھے بہت متاثر کیا۔ ایک سابقہ سفر ہند میں مجھے ہز ایکسیلنسی کی طرف سے بہت آرام ملا تھا اور ملکہ ثریا جناب کی اس مہربانی کے بہت شکر گزار ہیں کہ آپ نے اپنے افسروں کو ہمارے آرام و آسائش کی ہدایت فرمائی۔"

اس وقت شاہی قافلے کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ کھانے پینے۔ پہننے تک کا بھی انتظام نہ تھا۔ چنانچہ شاہ ممدوح نے دہلی کے ڈپٹی کمشنر کو لباس کا انتظام کرنے کے لیے تار دیا۔ اور خود چمن سے کوئٹہ۔ کوئٹہ سے سکھر۔ سکھر سے دہلی پہنچے۔ جہاں ڈپٹی کمشنر دہلی نے شاہی خاندان کے افراد کے لیے لباس کا انتظام کر رکھا تھا۔ دہلی سے آپ بمبئی تشریف لے گئے۔

چند روز بمبئی میں

بمبئی پہنچ کر آپ نے تاج محل ہوٹل کا ایک پورا حصہ کرایہ پر لے لیا۔ جہاں افراد خاندان نے چند روزہ اقامت اختیار کی۔ انہی دنوں ملک معظم جارج پنجم ایک طویل علالت سے صحتیاب ہوئے تھے۔ امان اللہ خاں نے ایک پیغام تبریک ان کی خدمت میں روانہ کیا جس کا حسب ذیل جواب موصول ہوا:-

"بخدمت شاہ امان اللہ خاں۔　　تاج محل ہوٹل بمبئی

میں دلی خلوص کے ساتھ ہز مجسٹی کے پیغام کا اور ان دوستانہ جذبات کا جو میری صحتیابی پر ظاہر کیے گئے مشکور ہوں۔ مجھے اور ملکہ معظمہ کو یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی

فتنہ پرداز بیرون کر افغانستان میں بیرون ملک سے آتے اور جاہل قبیلوں کو بہکانے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ ان اصلاحات متذکرہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ مذہب کی آڑ میں خواہشات نفسانی کو پورا کرنے والوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو جائے۔ بعض اصلاحات ایسی تھیں جو ازاول تا آخر بجید مفید تھیں انہیں بھی توڑ مروڑ کر مسخ شدہ صورت میں افغانی قبائل کے روبرو پیش کیا گیا۔ سچ یہ ہے کہ فتنہ و فساد کی غرض کچھ اور ہی تھی۔

افسوس کہ بعض خائن ملازموں نے بھی غداری کی جس کا سبب یہ ہے کہ میرے دوران سفر میں انھوں نے جو بے عنوانیاں کی تھیں ان کے انجام سے وہ ڈرتے تھے۔ اس لئے باغیوں کے ہمنوا بن گئے۔

میں نے تخت سے دستبرداری کو کیوں مناسب سمجھا؟ اس لئے نہیں کہ میں باغیوں سے ڈر گیا۔ میں بزدل اور پست ہمت نہیں ہوں۔ میدان میں لڑنا اور تلوار چلانا جانتا ہوں۔ ایک بادشاہ اپنے اقتدار کے لئے خون کے سمندر موجزن کر سکتا ہے لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ اپنی ہی قوم کو اپنے ہاتھوں خاک و خون میں لٹانا مجھے نہیں آتا۔ میں ملت افغانیہ کی تباہی کے مقابلہ میں دستبرداری کو ترجیح دیتا ہوں۔ مجھے رنج ہے تو صرف اس بات کا کہ بعض معتمدین اور وزرائے بھی میرے ساتھ غداری کی۔ اور وہ شخص جسے میں مقدس جانتا تھا یعنی حضرت شور بازار اس نے مجھے دھوکا دیا۔ وہ قرآن شریف ہاتھوں میں لیکر میرے پاس آیا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں بغاوت کو فرو کرنا چاہتا ہوں آپ صرف عارضی طور پر اپنے بھائی عنایت اللہ خاں کے حق میں تخت سے دستبردار ہو جائیں تاکہ بغاوت ختم ہو اور امن بحال ہو جائے۔ میں امن و سکون کا خواہشمند تھا اس کے فریب میں آگیا اور قرآن شریف کی قسم پر اعتبار کر لیا۔ اگر فتنہ بغاوت میری اصلاحات کی وجہ سے رونما ہوا تھا تو میری دستبرداری اور بھائی عنایت اللہ خاں کی تخت نشینی کے بعد ختم ہو جانا چاہیئے تھا لیکن آپ نے دیکھ لیا کہ ایسا نہیں ہوا۔

بہرحال غداروں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ زیادہ عرصہ تک بھی سرسبز شاداب رہیں گے۔ میں نے افغانستان میں جو روشنی پھیلائی ہے وہ تاریکی میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔ وہ وقت دور نہیں جب غداران مذہب و ملت کو اپنی غداری کی سزا بھگتنی پڑے گی اور اپنی بدنصیبیوں پر ماتم کرنا پڑے گا۔

آخر میں اتنا اور کہوں گا کہ میرا نصب العین افغانستان کی خدمت ہے لیکن [illegible] افغانستان کے دوسرے فرمانرواؤں کی طرح [illegible] ہے۔ میں جب تک زندہ ہوں افغانستان کی یاد سے غافل نہیں ہوں گا اور جب تک میرے جسم میں خون کا آخری قطرہ باقی ہے، میں اپنے ملک کی بھلائی اور بہتری کے لئے جدوجہد کروں گا۔

شاہ غازی کی اس تقریر سے ذیل امر کا اظہار ہوتا ہے۔ اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مخالفین اصلاحات نے جس قدر الزامات لگائے وہ کہاں تک درست تھے۔ شاہ غازی کا یہ فقرہ معنی خیز ہے کہ "بغاوت کا اصلی سبب اصلاحات نہ تھیں بلکہ کچھ اور ہی تھا۔" نیز یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں کہ "بعض وزرائے اور ان لوگوں نے جنہیں میں سمجھے تھا وفادار ہیں غداری کی۔" شاہ کی مستند اور تقریر نے انہیں تمام الزامات سے بری الذمہ ثابت کر دیا ہے اور آپ کی پیشگوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی کہ غداران اسلام و دشمن جمہور اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ تخت سے اتار کر موت کا نشانہ بنا دیئے گئے۔ اور غداروں کا ہمیشہ یہی حشر ہوا ہے۔

دوسرے روز شاہ بمبئی سے اٹلی کو روانہ ہو گئے۔ شہر روما میں اعلیٰحضرت شاہ اطالیہ اور سائنر مسولینی نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ اور عزت و تکریم کے ساتھ آپ کو قصر بونانزا میں ٹھہرا دیا۔

شاہ امان اللہ خاں اٹلی میں

کچھ مدت بعد شاہ امان اللہ خاں کے پرائیویٹ سکرٹری سردار عبدالہادی خاں صاحب کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ "یہاں موصوف کے اضطراب وملال میں ایک گونہ تخفیف ہوگئی ہے۔ کبھی کبھی آپ رولز رائس موٹر میں بیٹھکر ساحلی مقامات کی سیر کو تشریف لے جاتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً پاپائے روما سے ملاقات فرماتے ہیں۔ جب آپ قصر یونائز سے باہر کہیں سیر تفریح کو جاتے ہیں تو اہل اطالیہ اپنے طرز عمل سے عزت ومحبت کا اظہار کرتے ہیں۔ گاہے گاہے سائنور مسولینی سے مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ روما میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے صحت اچھی ہے۔ روما کے قدرتی مناظر دل خوش کن ہیں۔ آپ زیادہ وقت رسائل وجرائد کے مطالعہ میں صرف کرتے ہیں۔ موصوف ایک لمحہ کے لئے بھی حالات افغانستان سے بیخبر نہیں رہتے۔ آپ پانچوں وقت نماز کے بعد افغانستان کی فلاح وترقی کے لئے دعا کیا کرتے ہیں"

شاہ امان اللہ خاں روما میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اپنے ملک کی بےچینیوں کو نہایت بےچینی سے دیکھ رہے تھے۔ جس خانہ جنگی کے انسداد کی خاطر آپ نے تاج وتخت کو خیرباد کہہ دیا تھا وہ اب بھی جاری تھی آپ کی محبوب رعایا ایک ڈاکو حکمراں کے ہاتھوں تنگ تھی۔ اور ڈاکو حکمراں ایک بیمار جرنیل کے دست تدبر ونبرد کی گرفت سے تنگ تر۔ آپ سب کچھ اخبارات میں پڑھتے اور اپنی بیچارگی پر نظر کرکے خاموش ہو رہتے۔ حسب دستور ایک روز اخبارات کا مطالعہ فرما رہے تھے کہ ایک جلی عنوان پر نگاہ پڑی "نادرخاں کی شاندار کامیابی" "کابل فتح ہوگیا"۔ اس خبر کو پڑھکر آپ کو بے اندازہ مسرت ہوئی اور آپ نے فوراً مبارکباد کا تار نادرخاں کو روانہ کیا۔

پیغام غازی

"میں بحیثیت ایک بہی خواہ افغانان و خیر خواہ افغانستان آپ کی ظفریابی اور اس تاریخی ناموری پر جو افغانستان میں کامیابی حاصل کرکے آپ نے پائی ہے آپکو اور آپ کے رفقائے کار کو ہدیہ تبریک و تہنیت پہنچاتا ہوں " (امان اللہ خاں)

لوگ متوقع تھے کہ جرنیل نادر خاں فتح کابل کے بعد فوراً غازی امان اللہ خاں کو افغانستان میں واپس بلالیں گے۔ لیکن یہ محال تھا۔ حالات کچھ اس قدر نازک صورت اختیار کرچکے تھے کہ تسخیر کابل کے بعد اسی وقت کوئی مضبوط و پختہ کار مدبر اصلاح حالات میں سرگرم و منہمک نہ ہوجاتا تو طوائف الملوکی کا سلسلہ غیر متناہی شکل اختیار کرلیتا۔ بعض وہ قبائل جن کے دلوں میں غلط فہمیاں گھر کرچکی تھیں اور ان غلط فہمیوں کو وہ اپنی جگہ صحیح اور درست سمجھ رہے تھے۔ کبھی شاہ امان اللہ خاں کی واپسی کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ لامحالہ انہیں بزور شمشیر دبانا پڑتا۔ اور یہ بات نادر خاں اور امان اللہ خاں دونوں کے مسلک کے خلاف تھی۔ امان اللہ خاں نے صرف اس لئے تلوار نہ اٹھائی کہ اپنی قوم کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنا اور خونریزی کرکے اپنی بادشاہت کی حفاظت کرنا ان کے نزدیک قابل نفرت فعل تھا۔ اگر انہیں ایسا منظور ہوتا تو شاید انہیں کابل سے ایک قدم بھی باہر اٹھانا نہ پڑتا۔ دستبرداری تاج تخت کے وقت وہ ایسے کمزور ہرگز نہ تھے کہ یوں چپ چاپ ملک کو باغیوں کے حوالے کرکے چلے آتے۔ بلکہ وہ ان عاشقان ملت اور محبان وطن میں سے تھے جو اپنی قوم کے ادنیٰ سے ادنیٰ فرد کے ایک قطرۂ خون پر اور اپنے وطن کی بنجر سے بنجر ایک انچ زمین پر اپنی ذات کی بڑی سے بڑی قربانی پیش کرسکتے ہیں اور ایسا ہی انہوں نے کر دکھایا۔ تاج و تخت شاہی کی قربانی کوئی معمولی قربانی نہیں

دنیا کی عظیم الشان سے عظیم الشان قربانی بھی اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے
ایسے دل گردہ کے انسان دنیا میں کم نظر آتے ہیں۔ آج وہ بادشاہ نہیں ہیں
لیکن ان کی فداکاری ایثار نفسی، حب الوطنی اور عشق قومی نے ان کی عظمت
وشان کو اس قدر بلند کر دیا ہے کہ دنیا کی بادشاہتیں اور بادشاہتوں کی شوکتیں
اس بلندی کو نہیں پہنچ سکتیں۔ ایک طرف یہ جاں نثار قوم تھا اور دوسری طرف
نادرخاں جنھوں نے نائیس سے قدم اٹھاتے ہی شاید حلف بھی اٹھایا تھا کہ میں
کابل کو فتح کرنے میں ایک فرد واحد کی جان بھی ضائع نہ کروں گا۔ سات سمندر
پار سے چل کر اپنے ملک کی حدود میں داخل ہونے تک جتنے مقامات پر انہیں
گفتگو کرنی پڑی تقریباً سب ہی مقامات پر ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ میں
بلا خونریزی کے امن قایم کرنے کا متمنی ہوں۔ ایک قطرہ خون گرائے بغیر اپنے
ملک کو ایک ڈاکو کے پنجے سے نجات دلانے آیا ہوں۔ سننے والے ہنستے تھے
کہ ایک بیمار و نحیف انسان کیسی باتیں کر رہا ہے۔ لیکن انہوں نے ہر متنفس سے
یہی کہا کہ خونریزی میرے دل و دماغ سے کوسوں دور ہے۔ میں امن چاہتا
ہوں میرا مشن ہی افغانستان میں قیام امن ہے۔ بغیر جنگ و پیکار کے
فسادکو مٹانا میرا نصب العین ہے۔ آخر جو کہا تھا وہی کرکے دکھا دیا اور ہنسنے
والے حیران رہ گئے۔ جب دونوں طرف امن کے دیوتا تھے تو پھر بعض قبائل
کو بزور شمشیر دبا کر غازی امان اللہ کو واپس بلانا کیونکر ممکن تھا۔

اس ضمن میں نادرخاں پر جو اعتراض بعض ہندوستانی اخبارات نے
کیے ہیں ان کی حقیقت پر ہم نادرخاں کے سوانح حیات میں روشنی ڈالیں گے
اور تفصیلی طور پر بتائیں گے کہ وہ اعتراضات کہاں تک صحیح ہیں۔ اور ان
کی اصلیت دیکھنا کیا ہے۔

شاہ کی دوربینی

غازی امان اللہ خاں اپنے ملک کی حالت سے ۔ عام افغانوں کی ذہنیت سے ۔ اور تمام قبائل کے رگ و ریشہ سے کما حقہ واقف تھے ۔ اسی لیئے فتح کابل کے بعد انہوں نے حصول تخت و تاج کی ذرا بھی کوشش نہ کی بلکہ ایسے قابل قدر خیالات کا اظہار فرمایا جنکی ان کے سوا دوسرے سے کبھی توقع نہیں ہو سکتی اخبار "لا ٹریبیون" کا نمائندہ جب ان سے ملا ۔ اور شاہ کا منشا معلوم کرنا چاہا تو آپ نے ارشاد فرمایا " مجھے نادر خاں کی وفاداری میں شک نہیں ۔ تاہم اگر سپہ سالار موصوف ملک کے بادشاہ بننے کے خواہاں ہوں تو میں بشرطیکہ مجھے دعوت دی جائے زمرہ میں بحیثیت سفیر افغانستان اپنی خدمات پیش کرنے کے لیئے تیار رہوں " کتنی دریا دلی اور بلند حوصلگی کا اظہار ہے ۔ جب خود امان اللہ خاں یہ فرمائیں تو کسی ہندوستانی کو "غوک چاہی" کی مانند پوری بیخبری کے عالم میں "ٹر ٹر" کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔ اس سے بھی زیادہ اہم پیغام ایک اور ہے جو غازی امان اللہ خاں نے نادر خاں کو افغانستان کا بادشاہ تسلیم کئے جانے کے بعد روانہ کیا ہے ۔ جو حسب ذیل ہے :-

میرے پیارے بھائی ! اپنے وطن کی ترقی اور ہماری آپ کی جماعت کے مشترک مقصد کی خاطر میں ہمیشہ ایک محب افغانستان کی حیثیت سے آپ کا حامی و معاون رہوں گا ۔ تاکہ میرا ملک ترقی و تہذیب کے اعتبار سے دوام و استحکام حاصل کرے ۔ جہاں تک میری شخصیت کا تعلق ہے میں ہمیشہ دل و جان سے آپ کی امداد کروں گا ۔ میں ہمیشہ محبان وطن کی اس جماعت کے ساتھ رہوں گا جو وطن سے گہری الفت رکھتی ہے ۔ میں آپ کی کامیابی و عافیت کا خواہاں ہوں میرا جو نصب العین ہے اس کو حاصل کرنے کے لیئے بادشاہی کی کوئی خاص

ضرورت نہیں ۔ اس کے حصول کی کوشش تخت پر بیٹھ کر کی جائے یا تختے پر۔ سر پر تاج شاہی رکھا جائے یا ٹوپی میں طرہ لگا لیا جائے میرے نزدیک بالکل یکساں ہے ۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں اپنے گم شدہ تخت و تاج کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوئی خواہش رکھتا ہوں ۔ جب مجھے تخت و تاج میسر تھے اس وقت بھی میں ان کی چنداں پروا نہ کرتا تھا ۔ بلکہ میں نے ان کو بالکل بے اثر کر رکھا تھا ۔ میری سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ میں نے افغانستان میں نشر تعلیم کا جو پروگرام جاری کیا تھا وہ برابر جاری رکھا جائے ۔ اور اس سے کوئی انحراف نہ کیا جائے ۔"

آپ کا مخلص دوست

(امان اللہ خاں)

اس اعلان کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امان اللہ خاں کے دل کی وسعتیں سطح ارضی کی پہنائی سے بھی کہیں بڑھکر ہیں ۔ وہ جانتے ہیں کہ میرا اور نادر خاں کا مقصد ایک ہے ۔ بلکہ دل ، دماغ ، روح ، نقطہ نظر ، نصب العین سب ایک ہیں ۔ جس وقت امان اللہ خاں تخت پر متمکن تھے اور نادر خاں مشیر خاص و محمد اعظم اس وقت بھی امور سلطنت میں بہت بڑی حد تک نادر خاں کا دل و دماغ اور ہاتھ کام کر رہا تھا ۔ اب براہ راست ان کی طرف سے احکام نافذ ہوتے ہیں اور غازی امان اللہ خاں معین و مشیر ہیں ۔ مشیر کے لئے جگہ کی کوئی قید نہیں خواہ نادر خاں پیرس میں بیٹھکر شاہ افغانستان کو مشورہ دیں یا امان اللہ خاں اٹلی میں بیٹھکر ۔ ہمیں اپنے ان ہندوستانی ہموطنوں کی محکوم ذہنیت پر رونا آتا ہے جو اپنی غلامی کی گرانبار زنجیروں کو تو ایک سمہ برابر ہلکا نہیں کر سکتے اور آزاد ممالک کے نظم و نسق سلطنت میں دخل در معقولات دینے کا شوق رکھتے ہیں ایک غلام ملک کے غلامانہ ماحول میں زندگی بسر کرنے والے کو یہ حق ہی کب

حاصل ہے کہ وہ ایک آزاد ملک کے آزاد بلکہ فاتح بادشاہ کو ہدف ملامت و تشنیع بنائے ؟ پہلے اپنی شخصیت وحیثیت تو اس قابل بنالی ہوتی کہ آزاد ملک کا باشندہ گفتگو کرنے کو توہین نہ سمجھے۔ یا خواہ مخواہ مضحکہ خیز حرکات سے دنیا کو مذاق اڑانے کا موقعہ دیا جاتا ہے ؟

غازی امان اللہ خاں کے متذکرہ صدر بیانات نے افغانستان میں تو حالات کو سکون پذیر ہونے میں خاص مدد دی وہاں جو لوگ منتظر تھے کہ امان اللہ خاں واپس آئیں گے وہ اس بات سے مطمئن ہو گئے کہ خود ممدوح نے نادر خاں کو بادشاہ افغانستان تسلیم کر لیا۔ لیکن ہندوستان میں وہی دقیانوسی لے اڑہی اور وہی بے ہنگام چیں چیں جاری رہی جس کا کوئی نتیجہ نہیں۔

شاہ غازی کے متعلق غازی انگورہ کی رائے

جریدہ "لیبرٹی" کلکتہ میں مسٹر دی ٹی نیل کنٹھن کی غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے ساتھ ایک ملاقات شائع ہوئی ہے جس میں غازی انگورہ نے افغانستان کے انقلاب اور غازی امان اللہ خاں کی اصلاحات کے متعلق اپنی رائے ظاہر کی ہے ہم اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

اصلاحات ۔ مسٹر نیل کنٹھن کے سوال کے جواب میں مصطفےٰ کمال پاشا نے فرمایا کہ افسوس بنیاد بہت کمزور تھی۔ اور کام گردن شکن سرعت رفتار سے کیا گیا۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ غازی امان اللہ خاں کا زوال بظاہر ایک بلائے ناگہانی معلوم ہوتا ہے۔ اگر امان اللہ خاں محض ملکہ ثریا کے بے نقاب ہونے پر قناعت کرتے اور بے نقابی کو اختیاری شے رہنے دیتے تو بغاوت ہرگز نہ ہوتی۔ اور امان اللہ خاں اپنے مقاصد کی انتہا پر پہنچ جاتے۔ لیکن امان اللہ خاں نے

جبری بے پردگی کے نفاذ میں سخت غلطی کی۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ لڑکیوں کو تعلیم کے لئے قسطنطنیہ بھیجا۔ اس مقصد پر روپیہ ملک کا صرف کیا مگر اہل ملک سے رضامندی حاصل نہ کی۔ استبداد اور خود رائی میں بھی انسان کو سلیقہ اور تدبر سے کام لینا چاہیئے۔

سب سے بڑی غلطی - امان اللہ خاں کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے تعطیل کا دن جمعہ کے بجائے اتوار مقرر کیا۔ اس بات کی کیا ضرورت تھی کہ وہ اپنی قوم کو ایک ایسی چیز پر مجبور کرتے جو اس کے لئے بالکل نئی تھی۔ جس کی نظیر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں نہیں ملتی تھی۔ سب سے بڑھکر یہ کہ اس سے برطانوی اثر و رسوخ کی بو آتی تھی۔ میرا ملک ہر اعتبار سے جدید حالات و تمدن سے معمور ہے۔ لیکن میں بھی اس تیزی و سرعت کے ساتھ اصلاحات جاری نہیں کرسکا۔ جس تیزی و سرعت سے امان اللہ خاں نے کام لیا۔ یہ بہت بری بات ہے کہ بادشاہ اپنی قوم کے مذہبی جذبات کی مخالفت کرے۔ اور راسخ العقیدہ لوگوں پر غیر راسخ العقیدہ لوگوں کو تسلط و اختیار دینا تو سارے کام کو برباد کرنے کے مترادف ہے۔

مضر تیز رفتاری - راسخ العقیدہ لوگوں کے غیظ و غضب کو ٹھنڈا کرنے کا کام ہی بہت زیادہ ہے۔ ان کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ کرنا اور اپنے آپ کو تباہی کے گڑھے میں گرانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ کیوں آہستہ کام نہ کیا جائے۔ اور کیوں انہیں حسن تدبر اور تالیف قلوب سے اپنا نہ بنایا جائے اگر ایسا کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ امان اللہ خاں نے تعطیل کا دن تبدیل کر کے کیا حاصل کیا؟ سلطنت گئی، منصب گیا، اور سب سے آخر میں یہ ناقابل انکار حقیقت موجود ہے کہ امان اللہ خاں کو اپنی جان بچا کر ملک سے باہر نکلنا پڑا

واپسی کا مسئلہ۔ مسٹر نیل کنٹھن نے سوال کیا کہ کیا آپ کے خیال میں غازی امان اللہ خاں پھر افغانستان واپس جا سکیں گے۔ اور اپنی اصلاحات دوبارہ نافذ کریں گے؟ غازی مصطفےٰ کمال پاشا یہ سوال سن کر پانچ منٹ تک خاموش رہے پھر فرمانے لگے کہ ہاں امان اللہ خاں "واپس جا سکتے ہیں اور" جا سکتے ہیں" کا مطلب یہ بھی ہے کہ نہیں جا سکتے۔ لیکن اگر وہ واپس بھی جائیں تو کیا فائدہ ہوگا؟ ان کے گرد و پیش تباہی نظر آئے گی اور ناکامی قدم قدم پر ان کا استقبال کرے گی۔ وہ اپنے اہل وطن کی محبت کھو چکے ہیں۔ ان حالات میں واپسی کیا فائدہ دے گی؟ نیز کیا ملا لوگ اب بھی ویسے ہی ان کے وفادار رہیں گے جیسے کہ پہلے بیان کئے جاتے تھے؟ کیا امان اللہ خاں لوگوں میں اعتماد پیدا کرا سکیں گے؟ لوگ ان کا خیر مقدم ایک بادشاہ کی حیثیت میں کریں گے یا ایک مستبد کی حیثیت میں؟ میرا خیال ہے واپس جاکر زیادہ بُرے طریقہ سے پھر واپس آنے کے بجائے نہ جانا ہزار درجہ بہتر ہے۔ بے اعتمادی اور بدامنی ایک دفعہ جڑ پکڑ لیتی ہے تو اسے بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے قرنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ میری رائے میں امان اللہ خاں افغانستان میں نہیں جا سکتے۔ ہاں کوئی معجزہ ہو جائے تو دوسری بات ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے اسے ناشدہ نہیں بنایا جا سکتا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ امان اللہ خاں تخت سلطنت کے لئے دوبارہ کوشش کریں گے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ملکہ ثریا ایک بے حقیقت وجود کی طرح یورپ میں چکر لگانے یا "سابق" ملکہ افغانستان کہلانے پر قانع نہیں ہو سکتی۔ امان اللہ خاں اور ملکہ ثریا میں کافی بلند عزمی موجود ہے۔ لیکن افسوس کہ انہیں جو موقع ملا تھا اسے وہ ضائع کر چکے ہیں۔ سرعت اور تیزی بڑی اچھی چیز ہے لیکن میرے نزدیک سر کے بل گرنے پر زبردست انتباہ بیحد ضروری ہے۔"

اس کے بعد غازی انگورہ نے کہا مجھے کام ہے اپنی ملاقاتی کو ایک سگریٹ دیا۔ ہاتھ ملایا چلے گئے۔

غازی انگورہ کی رائے پر سرسری نظر

اخبار "لیبرٹی" کلکتہ میں اکتوبر کی ۱۵ تاریخ کو یہ ملاقات چھپی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وسط اکتوبر میں مسٹر ٹیلکنیٹھن نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا سے ملاقات کی ہوگی۔ یا اس سے بھی کچھ پہلے۔ جبکہ افغانستان کا مطلع تاریک تھا اور نادرخاں برسر اقتدار نہیں آئے تھے۔ اگر نادرخاں کے اقتدار اور کامیابی کے بعد یہ ملاقات ہوئی ہوتی تو شاید مسٹر نیل کنیٹھن واپسی شاہ کا مسئلہ نہ چھیڑتے۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ افغانستان میں اسوقت کوئی باقاعدہ اور مستحکم حکومت نہ تھی غازی انگورہ کا یہ فرمانا کہ امان اللہ خاں میری رائے میں واپس نہیں جا سکتے، موصوف کی پیش بینی، تدبر اور اصابت رائے کو ظاہر کرتا ہے۔ اس ملاقات کے مطالعہ سے چار چیزیں نمایاں طور پر پڑھنے والے کے سامنے آجاتی ہیں

(۱) اول یہ کہ اصلاحات افغانستان کے متعلق غازی انگورہ کی رائے نہایت صحیح اور مستحکم ہے۔

(۲) اصلاحات کے متعلق جو اطلاعات غازی انگورہ تک پہنچیں ان میں سے بعض قابل نظر ہیں اور ہمیں انکی صحت میں کلام ہے۔

(۳) غازی امان اللہ خاں اور ملکہ ثریا کے کیرکٹر کے متعلق جس قابل قدر رائے کا اظہار کیا گیا ہے وہ نہایت پختہ اور صائب ہے جو غازی پاشا کی دوربینی اور مردم شناسی کا بین ثبوت ہے۔

(۴) غازی پاشا اور ترکی کی دہریت اور مذہب سے بے نیازی کے متعلق آئے دن جو افسانے سنے جاتے ہیں وہ اگر سب کے سب من گھڑت نہیں تو کم از کم توڑ موڑ کر ممسوخ شکل میں ضرور ہم تک پہنچائے جاتے ہیں۔

ان چاروں باتوں پر ہم بالاجمال ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اول اصلاحات کو لیجئے۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ غازی امان اللہ خاں نے سیاحت یورپ سے واپس آکر اپنے ملک میں جن اصلاحات اور وسائل ترقی کو پیش کیا اسے سب نے بالاتفاق منظور کیا کسی کو بھی اختلاف نہ تھا۔ ایک آدھ ممبر یا رکن کا اختلاف قابل ذکر نہیں۔ البتہ اصلاحات طرزی جو لغمان کانفرنس میں زبردستی منظور کرائی گئیں وہ اہل ملک کی ذہنیت پر ایک ایسا بھاری بوجھ تھیں جنھیں وہ برداشت نہ کر سکے۔ ان اصلاحات سے بہت سے افسروں سرداروں اور وزرا کو اختلاف تھا۔ خود امان اللہ خاں بھی انہیں قبل از وقت اور پبلک کے لئے تقریباً ناقابل برداشت سمجھتے تھے۔ اگر وہ ایسا سمجھنے کے ساتھ ہی انہیں مسترد بھی کر دیتے تو یہ دن دیکھنے کی نوبت نہ آتی۔ اس وقت کی خاموشی ہولناک غلطی ثابت ہوئی۔ یہی تجاویز کچھ عرصہ بعد رفتہ رفتہ پیش کی جاتیں تو ان نتائج کا موجب نہ ہوتیں جو آج برآمد ہوئے۔ شاہ کی منظوری کے بعد چونکہ ان تجاویز کو حکومت کی طرف سے سمجھ لیا گیا اس لئے حکومت کے خلاف بغاوت پھیل گئی اور مصطفےٰ کمال پاشا نے صحیح فرمایا کہ راسخ العقیدہ لوگوں کے غیظ و تعصب کو ٹھنڈا کرنا ہی بہت بڑا کام ہے نہ یہ کہ ان کے خلاف کھلم کھلا جنگ پر آمادہ ہو جانا نیز مذہبی معتقدات میں خفیف سی دست اندازی بھی خطرے سے خالی نہیں ہوا کرتی۔

دوسری بات غازی انگورہ تک ان اطلاعات کا پہنچنا ہے جو اصلاحات اور انقلاب سے تعلق رکھتی ہیں۔ شاید دوری یا کسی اور سبب سے بعض خبریں غازی انگورہ کو صحیح نہیں ملیں۔ مثلاً یہ کہ جمعہ کے بجائے تعطیل کا دن اتوار نہیں بلکہ جمعرات مقرر ہوا تھا۔ اور اگرچہ یہ بھی اسلامی روایات کے خلاف ہے لیکن اس میں برطانوی اثر و رسوخ کی کوئی بو موجود نہیں اور اس لئے اسے "سب سے بڑی غلطی" قرار دینا مشکل ہے دوسری بات یہ ہے کہ "جبری بے پردگی کا نفاذ" جسے غازی پاشا نے "سخت غلطی" قرار دیا ہے۔ صحیح نہیں۔ پردہ کو اختیاری ہی رکھا گیا تھا۔ جبری بے پردگی تو اسے کہتے ہیں کہ پردہ پر کوئی تعزیر ہو مثلاً اگر یہ حکم دیا جاتا کہ کابل یا افغانستان میں جو

شخص پردہ کی حمایت کرے گا یا اپنی بیگمات کو بے نقاب نہ کرے گا اسے قید یا جرمانہ کی سزا دی جائے گی لیکن ایسا کوئی حکم یا تجویز نفاذ پذیر نہ ہوئی۔ البتہ مروجہ پردہ کو خلاف اسلام اور غیر ضروری قرار دیا گیا تھا اور "حکم" نہیں "اجازت" دی گئی تھی کہ جو چاہے موجودہ پردہ کو قائم رکھے جو چاہے اٹھا دے۔

تیسری بات جو غازی پاشا نے فرمائی ہے وہ غازی امان اللہ خاں اور ملکہ ثریا کے کیرکٹر سے تعلق رکھتی ہے جو بالکل صحیح ہے اور جس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں اس معاملہ میں جس جرأت اور صاف گوئی کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ البتہ واپسی کا مسئلہ قریب قریب مکمل طور پر طے شدہ سمجھئے۔ خواہ ملکہ ثریا "سابق ملکہ افغانستان" کہلانا پسند فرمائیں یا نہیں۔ لیکن بحیثیت ملکہ افغانستان ورود افغانستان بقول غازی پاشا "معجزہ" سے کم نہیں۔ شاید ممدوحہ کے لئے یہ بات کچھ موجب تسکین ہو سکے کہ "سابق" کا ناخوشگوار لفظ ان کے والد بزرگوار ہی کی "کرامت" سے ان کی سمع خراشی کا باعث ہوا ہے۔

چوتھی بات خود غازی پاشا اور ترکوں کی مذہبیت سے متعلق ہے۔ اس ملاقات میں ایک سے زیادہ مرتبہ ممدوح نے مذہب کے احترام کا تذکرہ کیا۔ مثلاً یوم تعطیل کی تبدیلی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے خلاف قرار دیا۔ نیز راسخ العقیدہ لوگوں پر غیر راسخ العقیدہ لوگوں کے تسلط کو بیجا ٹھیرایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں کی لامذہبیت کے جو افسانے ہندوستانی اخبارات میں نظر آتے ہیں وہ صرف پروپیگنڈے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور گو ترکی "جدید تمدن اور جدید خیالات سے معمور ہے" لیکن دہریت اس سے کوسوں دور ہے۔ وہ کسی قسم کے وسائل ترقی کے لئے اسلام کو اور اسلامی احکام کو روک نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے دلوں میں دین اسلام کی محبت اور احترام ہے۔

شاہ غازی کی موجودہ زندگی

روما سے غازی امان اللہ خاں نے انگورہ تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ مصطفےٰ کمال پاشا نے انہیں ایک پُر فضا مقام بغرض رہائش دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لیکن آپ نے اٹلی کو نہ چھوڑا بلکہ اواخر ۱۹۲۹ء میں انہوں نے اٹلی میں بغرض رہائش ایک محل خرید لیا ہے۔ ان کے مشاغل اور گھر آنگن کی زندگی بے حد سادہ ہے۔ بالوں میں سپیدی رونما ہو گئی ہے۔ چہرہ پر ہر وقت متانت و سنجیدگی رہتی ہے۔ آپ علی الصباح اٹھکر پائیں باغ یا چمن کی سیر کیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد فجر کی نماز پڑھتے ہیں۔ بعد ازاں تلاوت قرآن حکیم اور پھر دیر تک تسبیح و تحلیل میں مصروف رہتے ہیں۔ اکثر اوراد و وظائف اور عبادات و تسبیح میں آپ پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ دیر تک رو رو کر بہبود و فلاح وطن کے لئے دعا کیا کرتے ہیں۔ صبح کا بہت سا وقت اسی طرح گزرتا ہے۔ پھر آپ اخبارات کا مطالعہ فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے افغانستان کی خبریں پڑھتے ہیں۔ اور ایک ایک دن کی حالت و کیفیت سے باخبر رہنا چاہتے ہیں۔ آپ کا ایک خبر رساں پشاور میں بھی اس کام پر مامور ہے کہ افغانستان کی حالت سے روزانہ بے کم و کاست اطلاع دیتا رہے۔ ہر ہفتہ ایک خط کے ذریعہ اور قریبًا ہر مہینے ایک آدمی کی زبانی آپ کو ہر قسم کی وطنی معلومات حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ دن کا بہت سا حصہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں خرچ ہو جاتا ہے۔ آپ کسی سے ملاقات بہت کم کرتے ہیں۔ زیادہ تر خاموشی میں وقت گزرتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام دلچسپیوں سے طبیعت سیر ہو چکی ہے۔ دل بھر چکا ہے۔ جی اکتا گیا ہے۔ مذہب و روحانیت کی طرف رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ بادشاہت کی گرانبار ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر ایک معمولی اور سادہ

انسان کی حیثیت میں ہلکی پھلکی زندگی بسر کرنا بھی آپ کی نظر میں بے کیف نہیں
معمولی مشاغل کو بطمانیت انجام دیتے ہیں۔ بچوں سے باتیں کرنے میں آپ کو کچھ
روحانی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ فرماتے ہیں
پنجوقتہ نماز پڑھتے ہیں۔ بالکل قرین قیاس ہے کہ آپ سیاسیات سے بھی
کنارہ کش ہوکر اپنے رجحان طبع کے مطابق خالص مذہبی و روحانی زندگی بسر کریں
اور آئندہ حیات مستعار ذکر الٰہی میں گزار دیں۔ صفحات تاریخ ایسے نظائر و
امثال سے خالی نہیں۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ دنیاوی اور مادی بادشاہت
کے بعد روحانی بادشاہت کی طرف متوجہ ہونا ترقی کی طرف قدم اٹھانا ہے
مادی حکومت سے روحانی فرمانروائی بہت اعلےٰ و ارفع ہے کسی دنیاوی
بادشاہ کے سامنے روحانی حکمران کو جھکتے نہیں دیکھا گیا۔ لیکن اکثر دنیاوی
بادشاہوں کے سر مغرور کو اللہ والوں کے آستانہ پر خم ہوتے دیکھا گیا ہے۔
خدا سے دعا ہے کہ وہ دنیاوی عظمت و حکومت کی طرح غازی امان اللہ خاں
کو دینی و اخروی بادشاہت بھی عطا فرمائے۔ ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

شاہِ عنایت اللہ خان

حسب و حلیہ مبارک

شہزادہ عنایت اللہ خاں امیر حبیب اللہ خاں والئی افغانستان ابن امیر عبد الرحمٰن خاں کے بڑے بیٹے اور شاہ امان اللہ خاں کے بڑے بھائی ہیں۔ امیر حبیب اللہ خاں شہید کی متعدد بیویاں تھیں جن میں سے سب سے پہلی اور مشہور بیوی کے بطن سے جو محمد شاہ خاں سردار تغاب کی بیٹی اور جنرل امیر محمد خاں کی بھتیجی تھیں شہزادہ عنایت اللہ خاں پیدا ہوئے۔ سرخ سپید رنگ۔ بلند پیشانی۔ اونچی ناک۔ بھرے ہوئے رخسارہ مائل بہ آفتاب کتابی چہرہ جو خاص وجاہت و مردانگی کا مظہر ہے۔ قد و قامت متوسط۔ توانا اور سڈول جسم۔ فی الجملہ آپ مردانہ حسن و خوبصورتی سے بہرہ وافر رکھتے ہیں۔ جیسا کہ تصویر سے ظاہر ہے۔

تعلیم و تربیت

آپکی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا گیا۔ اور چونکہ امیر حبیب اللہ خاں مذہب دوست اور مذہب پرست تھے انہوں نے دوسری تعلیمات کے علاوہ عنایت اللہ خاں کی مذہبی تعلیم بھی ضروری سمجھی۔ امیر شہید کی مذہب پرستی اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب ایک دفعہ سردار محمود طرزی بحالت خماران کے دربار میں حاضر ہوئے تو امیر مرحوم نے انہیں اپنے دربار سے فوراً باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ آئندہ ایسی حالت میں ہم تم کو دربار میں ہرگز نہ دیکھیں۔ امیر خلد آشیاں کے بھائی نصر اللہ خاں بھی مذہب کے دلدادہ ہیں۔ اور مذہبی معاملات میں اپنے بھائی سے بھی آگے ہیں چنانچہ ایک دفعہ امیر حبیب اللہ خاں سالانہ دربار کے موقع پر علیل ہوگئے

اور اپنے بھائی نصر اللہ خاں کو دربار منعقد کرنے کا حکم دیا۔ نصر اللہ خاں قایم مقام امیر کی حیثیت سے نذریں لے رہے تھے۔ کہ سردار محمود طرزی صاحب دربار میں پہنچے۔ اتفاق سے اس وقت بھی وہ مخمور تھے۔ نصر اللہ خاں نے فرمایا کہ اسلامی دربار میں مخمور کا کیا کام بعض کہتے ہیں کہ زدوکوب کا بھی حکم دیا تھا۔ اور غصہ سے آپ کا چہرہ سُرخ تھا۔ اس بے عزتی کے بعد سردار صاحب سرزمین افغانستان کو چھوڑ کر شام چلے گئے۔ جہاں ایک یہودن سے شادی کی اور اس کے بطن سے ثریا بیگم پیدا ہوئیں۔ اس جملہ معترضہ سے مقصد صرف اس قدر تھا کہ عنایت اللہ خاں کی پرورش اس ماحول میں ہوئی تھی جو مذہبیت سے معمور تھا۔ آپ نے ایام طالب علمی میں کافی ذہانت وہوشمندی کا ثبوت دیا۔ اور فطرتاً مذہب سے خاص دلچسپی لینے لگے۔ آپ کی علمی قابلیت اور ذوق سے تمام اساتذہ خوش تھے۔ جب تعلیم سے فراغت پاتے تو مردانہ کھیلوں میں حصہ لیتے ٹینس وغیرہ سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔

ولیعہدی جب آپ تعلیم سے فراغت پا چکے۔ تو آپ کے والد امیر حبیب اللہ خاں نے نہ صرف اپنا بڑا بیٹا ہونے کے لحاظ سے بلکہ ذہین اور علم دوست ہونے کی وجہ سے بھی اپنا ولی عہد مقرر فرمایا۔ آپ کی ولی عہدی سے ملک کا بہت بڑا طبقہ خوش تھا۔ ولیعہدی کے زمانہ میں آپ نے خاص لیاقت واستعداد کا ثبوت دیا۔ آپ کے ذوق طبع کو ملحوظ رکھ کر تعلیمی شعبہ خاص طور پر آپ کے سپرد کیا گیا۔ آپ نے نہایت دانشمندی سے بطریق احسن تعلیمی خدمات کو انجام دیا۔ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں مدارس کھولنے کا اور نوجوان ونوعمر افغانی لڑکوں کی تعلیم کا اہتمام فرمایا۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو آج جس قدر بھی افغانستان میں علم کی روشنی نظر آتی ہے وہ بہت بڑی حد تک عنایت اللہ خاں کی تعلیمی سرگرمیوں کی رہین منت ہے

منت اور ان کی سعی و جہد کی شرمندۂ احسان ہے۔ اپنی تعلیمی سرگرمیوں کے زمانہ میں آپ نے افغانستان کے مدارس کے لئے بیرون ملک سے بھی اساتذہ اور ماہرین تعلیم کو بلایا اور ان کی تعلیمی خدمات حاصل کر کے افغان بچوں کے دماغوں سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کر کے علم کے نور سے منور و روشن کیا لاہور سے ماسٹر معراج الدین صاحب کو طلب کیا جنہوں نے وہاں پروفیسر، پرنسپل اور ڈائرکٹر تعلیمات کے عہدوں پر ممتاز رہ کر مدتوں عنایت اللہ خاں کے ماتحت کام کیا۔

بعض دوسرے شعبے جب امیر حبیب اللہ خاں نے دیکھا کہ عنایت اللہ خاں کے سپرد جو کام کیا گیا تھا اسے انہوں نے نہایت قابلیت اور پوری مستعدی اور عمدگی سے انجام دیا تو بعض دوسرے شعبے بھی آپ کے سپرد کر دئے گئے۔ آپ نے ایک نظام اوقات مرتب فرمایا اور پوری پابندی سے اس پر عمل کیا۔ اپنے مفوضہ کام کو ٹھیک اپنے وقت پر کرتے جس کام کے لئے جو وقت مقرر کیا تھا اس کام کو عین اسی وقت پر کرنے سے کام میں بڑی سہولت پیدا ہوگئی۔ اور چند روز کی شبانہ روز سرگرمیوں سے آپ نے ثابت کر دیا کہ ملک کے ہر شعبے میں آپ اسی قابلیت اور عمدگی سے کام کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ تعلیمی شعبے میں سب نے دیکھ لیا۔ امیر حبیب اللہ خاں خوش تھے کہ ولیعہد سلطنت نہ صرف ایک تعلیمی صیغہ میں ماہر ہے بلکہ ملک کے دوسرے ضروری امور میں اور بعض اہم صیغوں میں بھی اچھی خاصی استعداد و لیاقت رکھتا ہے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ امیر ممدوح نے سلطنت افغانستان کا تقریباً سارا کام شہزادہ عنایت اللہ خاں ولیعہد سلطنت کی جوانمردی مستعدی اور قابلیت و استعداد پر چھوڑ دیا۔ ولیعہد سلطنت عنایت اللہ خاں نے

باوجود نوعمری کے ایسی آمادگی محنت اور جانفشانی سے کام کیا۔ کہ امیر ممدوح کو روز بروز زیادہ اعتماد ہوتا گیا اور انہوں نے محکمہ فوج وغیرہ کے سوا بہت سے محکمے اور نہایت اہم ذمہ داریوں کے کام وبعید کے ہاتھوں میں مستقل طور پر دیدیے۔ اور آپ خوشی خوشی بڑے بڑے مہمات کو سنبھالتے رہے۔ اور انتہائی محنت و جانکاہی سے اطمینان بخش طریق پر کام انجام دیتے رہے۔

قسمت کی گردش

اس وقت جبکہ آپ کے ہاتھ میں بہت سے محکمے مملکت مستقل طور پر تھے اور ملک میں کافی امن و عزیزی موجود تھی۔ آپ کے چھوٹے بھائی امان اللہ خان کمانڈر انچیف افواج افغانیہ تھے۔ اور نادر خان غازی سپہ سالار اعظم۔

فروری ۱۹۱۹ء میں امیر حبیب اللہ خان نے اپنے ملک میں دورہ کرنیکا قصد فرمایا اور وسط ماہ میں کابل سے قدم اٹھایا۔ ۱۹ر فروری ۱۹۱۹ء کی تاریک رات تھی جبکہ آپ جلال آباد میں ایک خیمہ کے اندر استراحت فرما تھے۔ سردی شدید تھی۔ ہوا سخت۔ اور ابر نے رات کو اور زیادہ تاریک اور ہیبتناک بنا دیا تھا۔ سنتری خیمہ کے دروازہ پر پہرہ دے رہا تھا۔ سردی کی شدت۔ ہوا کی تیزی اور ہلکی ہلکی بوندا باندی اور تاریخ نے سنتری کو کھلی جگہ سے ہٹا کر سایہ میں بیٹھ جانے پر مجبور کر دیا۔ ایسے وقت میں ایک دشمن جان امیر موقع کا منتظر تھا۔ اس سے بہت پہلے سے اس کا یہی ارادہ تھا۔ لیکن امیر کی جان کی حفاظت شاہانہ طریق پر ہوتی تھی۔ اور اس دشمن کو اپنے ارادوں میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ آخر آج اسے موقع مل گیا وہ آہستہ آہستہ خیمہ شاہی کی طرف بڑھا۔ تاریکی لحظہ بلحظہ بڑھ رہی تھی۔ اور اسی نسبت سے معصیت کاروں کے حوصلوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ خیمہ کے اندر داخل ہو کر اس نے خوابیدہ بخت امیر کو شہید کر کے اپنے

ہاتھوں کو خون ناحق سے رنگین اور نامۂ اعمال کو ہمیشہ کے لئے سیاہ کرلیا۔ اسی وقت ایک ہنگامہ بپا ہوگیا۔ اور قاتل اندھیرات کی تاریکی میں گم۔ ہرچند تلاش و جستجو کی گئی قاتل کا پتہ نہ چلا۔ صبح کو ان امرائے کابل و جلال آباد نے جو وہاں موجود تھے سردار نصراللہ خاں کو امیر منتخب کرلیا۔ لیکن امان اللہ خاں نے باپ کی شہادت کی اطلاع پاتے ہی اپنی والدہ صاحبہ سے مشورہ کرکے اپنی امارت کا اعلان کردیا۔ لیکن اعلان امارت سے قبل اہل کابل اور فوج سے کہا کہ میں اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ اس لئے کابل کا ہر فرد اپنے بادشاہ اور مشفق امیر کے قاتلوں سے بدلہ لینے پر آمادہ ہوگیا۔ اور چونکہ امان اللہ خاں اس وقت دارالسلطنت کابل میں موجود تھے اس لئے انہی کو اپنا امیر مان لیا۔ شہزادہ عنایت اللہ خاں ولی عہد سلطنت شہر کابل سے باہر تھے۔ انہوں نے اپنی امارت کے حق کو لوگوں پر آشکارا کیا جس سے بہت سے لوگ ان کے حامی بن گئے۔ لیکن امان اللہ خاں نے انہیں فوراً قید کرلیا اور جب اپنی حکومت کو خوب مضبوط کرلیا تو اس شرط پر کہ وہ حکومت امانیہ کے خلاف کوئی تقریر نہ کریں گے۔ نہ تحریر کے ذریعہ پروپیگنڈا کریں گے۔ عنایت اللہ خاں کو رہا کیا گیا۔ چنانچہ عنایت اللہ خاں نے معاملات ملکی میں حصہ لینا قطعاً چھوڑ دیا۔ اور ان شہزادوں کی سی زندگی بسر کرنی شروع کردی جنہیں سیاسیات ملک یا امور سلطنت سے کسی قسم کا واسطہ اور تعلق نہ ہو۔ عنایت اللہ خاں کو بھائی کی یہ حرکت سخت گراں گزری۔ لیکن انہوں نے اس کے سوا کچھ نہ کہا کہ تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا میں صرف اتنا ہی کرسکتا ہوں کہ ملکی معاملات میں ذرہ برابر حصہ نہ لوں۔ چونکہ امان اللہ خاں کی حکومت قایم اور مضبوط ہوچکی تھی اب عنایت اللہ خاں جو حقیقی معنوں میں تاج و تخت کے وارث تھے۔ اپنے حق سے محروم ہوچکے تھے۔ اپنے بھائی کی حکومت کے خلاف کسی قسم کی

سازش کرنا خلاف مصلحت و دانش ہونے کے سوا نہایت خطرناک بھی تھا۔ اس لئے وہ خاموش ہو گئے۔ اور دنیا کی سب سے بڑی قربانی انہیں بادل ناخواستہ دینی پڑی۔ لیکن انہوں نے اپنے اس قول کو آخر وقت تک نبھا دیا۔ کہ وہ امان اللہ خاں کی حکومت کے خلاف زبان تک نہیں ہلائیں گے۔

تخت شاہی اور عنایت اللہ خاں

امان اللہ خاں نے دس برس تک افغانستان پر حکومت کی۔ اور یقیناً بیدار مغزی سے حکومت کی لیکن پھر بھی اگر عنایت اللہ خاں چاہتے تو ایسے موقع فراہم کر سکتے تھے جن سے وہ ان کی حکومت کو ضعف پہنچا سکتے۔ خصوصاً جب وہ یورپ کے سفر کو چلے گئے تو پیچھے عنایت اللہ خاں ان کے خلاف سب کچھ کر سکتے تھے لیکن وہ اس قدر وضعدار اور شریف الطبع ہیں کہ انہوں نے اپنے دل سے اس خیال ہی کو نکال دیا تھا کہ مجھے بھی تخت افغانستان سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ امان اللہ خاں سرزمین افغانستان سے سات مہینے تک باہر رہے اور اس دوران سفر میں ان کی رعایا میں مختلف قسم کی غلط اطلاعات بھی پھیل کر ان کے خلاف غلط فہمی کا موجب ہوتی رہیں اور ملکہ ثریا کی بے پردگی نے بھی افغانوں کی طبیعت میں بددلی سی پیدا کر دی۔ ان حالات میں اگر عنایت اللہ خاں کی جگہ کوئی منتقم انسان ہوتا تو آسانی سے فضا کو اپنے موافق بنا سکتا تھا۔ لیکن اس برادر پرور اور ایثار پیشہ بھائی نے ایسا خیال تک بھی دماغ میں نہیں آنے دیا۔ جب سات ماہ کی مدت کے بعد امان اللہ خاں اپنے ملک میں واپس آئے اور مختلف قسم کی اصلاحات کا نفاذ شروع ہوا اور ملک میں ایک تدبیر دور کا آغاز ہونے لگا۔ تب بھی عنایت اللہ خاں خاموشی سے سب کچھ دیکھتے رہے۔ انہی اصلاحات میں محمود طرزی صاحب کی اصلاحات بھی پیش آگئیں۔ اور جن کی منظوری نے ملک میں بغاوت کی

آگ سلگا دی لیکن عنایت اللہ خاں نے اپنی مہر خموشی کو نہ توڑا۔ آخر حالات نے ایسی نازک صورت اختیار کر لی کہ خود امان اللہ خاں اسے نہ سنبھال سکے۔ اور جس بھائی کو وہ اعلان امارت کے "جرم" میں قید کر چکے تھے۔ اور بعض "شرائط" کے ساتھ رہا کیا تھا۔ اسی بھائی یعنی فرشتہ خصال عنایت اللہ خاں سے کہا کہ آپ عارضی طور پر عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیجئے۔ تاکہ موجودہ فساد و بغاوت کا خاتمہ ہو سکے۔

قبول تاج و تخت

عنایت اللہ خاں جو کل تک افغانستان میں ایک عضو معطل کی حیثیت رکھتے تھے تخت و تاج تو در کنار ملکی معاملات اور امور سلطنت سے بھی بالکل بے تعلق ہو چکے تھے۔ آج قبول تاج و تخت کے لئے مجبور کئے جا رہے تھے۔ آج اسی "جرم" کی انہیں دعوت دی جا رہی تھی۔ جس کے ارتکاب پر ۱۹۱۹ء میں "سزایاب" ہو چکے تھے۔

امان اللہ خاں نے ۱۴ر جنوری ۱۹۲۹ء کو عنایت اللہ خاں کے حق میں تخت سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ خود قندھار تشریف لے گئے۔ اور مکدر فضائے ملکی کو شاہ عنایت اللہ خاں کے سپرد کر گئے۔ شاہ عنایت اللہ خاں نے مصلحت وقت سمجھ کر تخت شاہی قبول کر لیا۔ اور باغیوں کے اس وعدے کو قابل اعتبار سمجھا کہ اگر امان اللہ خاں اپنے بھائی عنایت اللہ خاں کے حق میں تخت سے دستبردار ہو جائیں تو بغاوت فرو ہو سکتی ہے۔ شاہ عنایت اللہ خاں اپنے والد امیر حبیب اللہ خاں کے عہد میں جبکہ آپ ولی عہد تھے اور حالات پوری طرح پُرامن تھے۔ سلطنت کے اکثر محاکم اور اہم صیغوں کی ذمہ داریوں کو سنبھال چکے تھے۔ اور بہمہ وجوہ قابل اطمینان طریق پر کام کر چکے تھے۔ لیکن اب زمانہ امن چین کا نہ تھا بلکہ سخت شورش و بغاوت کا زمانہ تھا۔ اور ملک کے ہر گوشے میں بد امنی اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ باغیوں نے اتنی قوت حاصل کر لی تھی کہ ذرا سلطنت

کے ارد گرد تک کھلے بندوں من مانی کارروائیاں کر رہے تھے۔ ایسے نازک حالات میں ملک کی فضا کو درست کرنا سخت دشوار تھا۔ پھر بھی اگر عنایت اللہ خاں کو مہینہ دو مہینہ یا کم از کم ہفتہ دو ہفتہ تک بھی سربراۓ سلطنت رہنے کا موقع ملتا تو وہ اصلاح حالات کی کوشش کرتے اور دیکھنے والوں کو صحیح اندازہ کرنے کا موقع ملتا کہ شاہ عنایت اللہ خاں نے کس قابلیت اور استعداد سے سیلاب بغاوت و شورش کو روکا اور بدامنی و بےچینی کو کیسی عمدگی سے دور کیا۔ اور اگر انہیں اپنی اس مختصر مدت کی سعی و جہد میں ناکامی ہوتی۔ تو اہل الرائے ان کے خلاف رائے قایم کرتے کسی حد تک حق بجانب ہو سکتے۔ لیکن یہاں یہ صورت پیش آئی کہ ادھر شاہ عنایت اللہ خاں کی تخت نشینی اور امان اللہ خاں کی قندہار کو روانگی کی اطلاع ملی اور ادھر باغیوں نے کابل پر پیشقدمی شروع کر دی۔ اور چند ہی گھنٹے بعد دارالسلطنت کابل پر باغیوں نے حملہ کر دیا۔

چند گھنٹوں کے اندر بغاوت کو فرو کر کے ملک نہایت مکدر اور شورش آلود فضا کو ہوا اور موافق بنا لینا انسان کے حیطۂ اختیار سے تو باہر ہے۔ خود امان اللہ خاں ہفتوں بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت کی جد و جہد میں بھی جس شورش و بےچینی کو دور نہ کر سکے اسے عنایت اللہ خاں گھنٹوں کی قلیل مدت میں کیونکر دور کر سکتے تھے۔ وہ پیغمبر تو تھے نہیں کہ جھٹ معجزہ دکھا کر باغیوں کے خیالات کو بدل دیتے۔ اور پیغمبروں کو بھی اصلاح حالات کے لئے وقت دیا جاتا ہے جبھی وہ رفتہ رفتہ اپنی مشن کو کامیاب بناتے ہیں۔ پھر شاہ عنایت اللہ خاں پر انکے بھائی امان اللہ خاں کا اظہار غیظ و غضب یا اظہار ناراضی و رنج عبث بلکہ نامناسب تھا۔

دستبرداری

دوسرے ہی دن باغیوں نے ایک عیار مولوی کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ اگر شاہی خاندان کی جان اور اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان کی حفاظت چاہتے ہو تو تخت کابل سے دستبردار ہو جاؤ۔ ہم بعافیت تم کو کابل سے باہر پہنچا دینے کا ذمہ لیتے ہیں۔ آخر آپ کو یہی صورت مناسب نظر آئی کہ شاہی خاندان کی جان کی حفاظت کریں۔ اور تاج وتخت کو چھوڑ دیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اور افراد خاندان کو لیکر کابل سے ہندوستان ہوتے ہوئے قندھار پہنچ گئے جہاں امان اللہ خاں بیٹھے حالات کا بغور مطالعہ فرما رہے تھے۔ اب سرزمین کابل پر بچہ سقہ کا ڈنکا بج رہا تھا اور دونوں بھائی ایک ہی حالت میں قندھار میں ہر ممکن سعی وجہد سے واپسی تخت وتاج کی کوشش کر رہے تھے۔ امان اللہ خاں اس کوشش میں پیش پیش تھے اور انہوں نے اپنی سابقہ دستبرداری کے اعلان کو منسوخ کر کے جدید فوج بھرتی کرنے اور اپنے کھوئے ہوئے تخت وتاج کو دوبارہ حاصل کرنے کی پوری پوری جدوجہد شروع کر دی لیکن ناکامی قدم قدم پر استقبال کرتی تھی۔ اور کامیابی کی توقع کی جھلک کوسوں دور تھی۔

المناک ترک وطن

آخر جب کسی طرف سے کوئی امید کی سنہری کرن نظر نہیں آئی۔ تو ترک وطن کا فیصلہ کر لیا گیا۔ باغیوں نے یہاں تک سر اٹھایا تھا کہ وہ تاج وتخت چھیننے کے بعد بھی مطمئن نہ تھے اور جان کے درپے نظر آتے تھے۔ جب اپنے ماحول، اور وطن کی آب وہوا کو اس درجہ ناسازگار پایا تو وہاں سے نکل جانا ہی بہتر سمجھا۔ چنانچہ دونوں بھائی شاہ امان اللہ خاں اور شاہ عنایت اللہ خاں معہ اپنے اپنے اہل عیال اور چند رفقا کے جن میں محمد علی خاں، عبید اللہ خاں، محمود طرزی معہ متعلقین، سردار غلام جیلانی خاں، سردار عبد الہادی خاں، ڈاکٹر نظام الدین ترکی شاہی ڈاکٹر

اور بعض دیگر ارکان سلطنت و ملازمین بھی شامل تھے۔ بس موٹروں میں سوار ہو کر قندہار سے قلات غلزئی۔ وہاں سے ممند اور پھر چمن پہنچے۔ انگریزی علاقہ میں شاہی قافلہ کا اچانک ورود اہل ہند کے لئے تعجب زا اور مسلمانان ہند کے لئے سخت اندوہ و الم اور یاس و نومیدی کا باعث ہوا۔ اس اندوہناک ترک وطن کا حال ہم شاہ امان اللہ خاں کے سوانح حیات میں کسی قدر تفصیل سے بیان کر چکے ہیں جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں سمجھتے۔ مختصر یہ کہ چمن سے سکھر، کھڑت دتی اور وہی سے بمبر بے سرو سامانی بمبئی پہنچ گئے۔ شاہ عنایت اللہ خاں اس وقت تک اپنے بھائی کے ساتھ بمبئی میں قیام فرما رہے حسبِ ... امان اللہ خاں بمبئی سے اٹلی کو روانہ ہو گئے۔ اٹلی کو روانہ ہونے میں اسوجہ سے تاخیر و تعویق ہوئی کہ ملکہ ثریا جہاز میں سفر کرنے کے قابل نہ تھیں۔ جب ان کے بطن سے شہزادی ہندیہ پیدا ہو گئیں اور ان کی حالت قابل اطمینان ہو چکی۔ تو پھر شاہ امان اللہ خاں تو (غالباً ملکہ ثریا کے مشورہ سے) اٹلی کو روانہ ہو گئے اور شاہ عنایت اللہ خاں نے ایران جانے کا فیصلہ کیا۔ جس وقت بمبئی میں جہاز پر سوار ہوتے وقت دونوں غریب الوطن بے تاج و تخت بھائی گلے مل مل کر آبدیدہ ہوئے ہیں تو تمام رفقا اور احباب کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ سمندر اور اس کے مدو جزر سے۔ سطح آب اور اس کی ہر لہر سے۔ ساحل سے اور اس کے ناہموار لبوں سے، فضا سے اور فضا کے ذرات سے، شجر اور حجر سے۔ زمین اور آسمان سے، کائنات اور اس کے ہر گوشہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دردناک رونے کی آوازیں آرہی ہیں۔ پتھر کا جگر رکھنے والے بھی ضبط گریہ پر قادر نہ تھے۔ جو لوگ صرف شاہی قافلہ کی رخصت کا نظارہ دیکھنے کو بندرگاہ پر آ گئے تھے وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ اس نظارہ عبرت آموز کو ضبط تحریر میں لانے کی بھی قلم کو طاقت نہیں۔

مختلف منازل مقصود

شاہ غازی امان اللہ خاں جب بعزم

اطالیہ جہاز پر سوار ہو گئے تو شاہ عنایت اللہ خاں ہمیشہ کے لیے جدا ہو جانے والے بھائی کو ساحل سمندر پر کھڑے دیر تک دیکھتے رہے۔ پھر جائے قیام پر واپس آئے اور اپنے اہل و عیال سمیت ایران کو روانہ ہو جانے کا انتظام کیا۔ چند روز بعد اطلاع ملی کہ شاہ عنایت اللہ خاں معہ اہل و عیال بعافیت ایران پہنچ گئے۔ رضا شاہ پہلوی فرمانروائے ایران نے عزت و تکریم کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا اور خوش آمدید کہا۔ اظہار ہمدردی کے ساتھ رہائش کے لئے ایک عالیشان محل عطا کیا اور برادرانہ نہایت تواضع سے پیش آئے۔ آپ کے لئے ہر قسم کی ضروریات کا انتظام کیا۔ ملازم و خدام بہم پہنچائے اور ضروری اخراجات کے لئے چوبیس ہزار روپیہ کی گرانقدر رقم بطور وظیفہ مقرر فرمائی۔ اب آپ ہر طرح آرام سے ہیں اور بیوطنی کے سوا کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔ روزانہ مشاغل بالکل سادہ ہیں اور آپ اپنی موجودہ حالت پر صابر و شاکر نظر آتے ہیں۔

حبیب اللہ (بچہ سقہ)

حسب نسب بچہ سقہ کا اصلی نام حبیب اللہ تھا۔ اس کے آباؤ اجداد کوہ دامن کے ایک غیر معروف گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اس کے باپ کا نام محمد دین تھا۔ محمد دین بھی ایک ڈاکو تھا جس کی رہزنی اس کے وقت میں کافی شہرت رکھتی تھی۔ کوئی نیکی کی شہرت رکھتا ہے کوئی بدی کی۔ مشاہیر میں دونوں شامل ہیں۔ اسی طرح بچہ سقہ کا باپ گو بدنام تھا مگر تھا مشہور۔ اور بیٹا بدنام شہرت میں باپ سے بھی بڑھ گیا۔ "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" کی مثال سچی ہو گئی۔ بچہ سقہ کے ایام طفلی میں اس کا باپ مر گیا۔ اور اس کی ماں نے ایک شاہی سقہ سے عقد ثانی کر لیا۔ اسی وقت سے حبیب اللہ کا نام بچہ سقہ پڑ گیا۔ اس شاہی سقہ کا نام کریم اللہ تھا جو نسلاً افغانی تھا۔ پہلے گلہ بانی کیا کرتا تھا جس میں گذارہ مشکل تھا۔ بعد میں سقہ کا کام شروع کیا۔ اور رفتہ رفتہ شاہی سقہ بن گیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے پیشے میں اتنی ہی ترقی کر سکتا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ جن محلات و باغات شاہی میں آج وہ پیٹھ پر مشک لادے پھرتا ہے کل انہی محلات و باغات کا مالک وہ بد چلن چھوکرا ہے گا جسے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔

تعلیم و تربیت حبیب اللہ جب ذرا ہوشیار ہوا تو کریم اللہ نے اسے بغرض تعلیم ایک مسجد کے ملا کے سپرد کر دیا۔ تین سال تک ملا نے اس سے سر مارا لیکن ہنوز روز اول۔ اس نے جب دیکھا کہ یہ لڑکا بے قابو کا ردگ نہیں تو کریم اللہ کو بلا کر کہا کہ اس

لڑکے کو پڑھانے کی تکلیف نہ فرمایئے۔ وہ فاضل ہو چکا تین سال کی طویل مدت میں اس نے حروف مفردات پر پورا عبور حاصل کر لیا ہے الف سے لے کر یے تک سب حرفوں کو پہچان لیتا ہے۔ اور نوک زبان یاد ہیں۔ ایسی ذہانت شاہانہ رکھنے والے بچے تعلیم کے محتاج نہیں ہوا کرتے۔ بہتر یہی ہے کہ کوئی کام اس کے سپرد کر دیجئے۔ کریم اللہ نے بھی سوچا کہ سہ سالہ مدت کے تیس حرفی کورس میں یہ شاندار کامیابی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔ گویا ۳۶۵ دن میں دس حرف پڑھے۔ اور اور ساڑھے تین دن میں پورا کا پورا ایک حرف ختم کر لیا۔ ان باتوں پر نظر رکھ کر اس نے "بچہ سقہ صاحب" کو جو دوران تعلیم میں جمعہ جمعرات دونوں کی چھٹی منایا کرتے تھے۔ سب دن کے لئے تعلیم سے چھٹی دیدی۔ مسجد سے اٹھا لیا اور زمیندار کے ایک کھیت میں چھوڑ دیا۔ کہ تیری حیوانیت کھیت کی ہری بھری فضا میں خوش و خرم رہ سکتی ہے۔ مربی ہونے کی وجہ سے میں نے اپنا فرض سمجھا تھا۔ کہ تجھے تعلیم و تربیت دیکر انسان بنا دوں۔ لیکن جب تو گدھا کا گدھا ہی رہنا چاہتا ہے۔ تو تیرے لئے کھیت سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔

مُلازمت } جس زمیندار کے ہاں کریم اللہ نے بچہ سقہ کو نوکر کرایا وہ کام لینے میں ذرا کھرا واقع ہوا تھا۔ اور بچہ سقہ کی آوارہ مزاجی کو کام سے بَیر تھا۔ خواہ وہ کام الف بے تے سے تعلق رکھتا ہو یا کھیت کی نگرانی سے۔ چند روز تو زمیندار نے دیکھا کہ لڑکا ہے ابھی اچھی طرح کھیت کے کام سے واقف نہیں ہے۔ رفتہ رفتہ مانوس ہو جائیگا لیکن زمیندار بیچارے کی توقع پوری نہ ہوئی۔ اور آخر کار کام سے کبھی مانوس

نہ ہونے والی لڑکے کو اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا۔ جب نوکری جاتی رہی تو پوری فرصت تھی۔ دن رات آوارہ گردی کرتا تھا۔ ناکارہ سوسائٹی میں نشست و برخاست ہونے لگی۔ بدچلن غنڈوں سے دوستی شروع ہو گئی۔ کریم اللہ نے ناراض ہو کر اسے گھر سے نکال دیا۔ گھر سے نکلنا بجائے اصلاح کی طرف راغب کرنے کے اس کی آوارگی میں ممد و معاون ہوا اور ہم پاس کیا آئی کہ فرصت ہو گئی

اس نے بچو فی اور بیباکی سے شتر بے مہار کی طرح گھومنا اور جرائم کا ارتکاب کرنا شروع کر دیا۔ کریم اللہ نے کچھ دن تو بے پروائی سے کام لیا۔ لیکن جب دیکھا کہ اب یہ بالکل ہاتھوں سے چلا تو پھر ایک روز بلایا۔ اور بہت دیر تک سمجھایا مگر وہ چکنا گھڑا ہو گیا تھا ادھر بوند پڑی ادھر بہہ گئی۔ ایک کان سے سنی دوسرے سے اڑا دی۔ آخر کریم اللہ نے یہ بات اس کے ذہن نشین کرنی شروع کر دی۔ کہ تو ایک دلیر نوجوان ہے اگر فوج میں نوکری کر لے تو بڑی ترقی کر سکتا ہے۔ یہ بات بچہ سقہ کی بھی سمجھ میں آ گئی۔ اور اس نے فوجی ملازمت کرنے کا وعدہ کر لیا۔

فوج کی نوکری جب کریم اللہ نے اس کو ملازمت فوج پر آمادہ کر لیا تو نوکری کی جدوجہد شروع کی خدا خدا کر کے فوج میں نوکری مل گئی۔ کریم اللہ نے اطمینان کا سانس لیا ابھی چند ماہ سے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ بچہ سقہ نے چھٹی کا مطالبہ کیا۔ فوجی افسر نے کہا کہ تمہاری ملازمت اس قدر قلیل ہے کہ تم کو ہرگز چھٹی نہیں مل سکتی۔ بچہ سقہ نے بہت اصرار کیا۔ اور کہا کہ میرا دل گھبراتا ہے۔ اس نے کہا چھٹی کی یہ کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ اور معقول وجہ ہوتی تب بھی چند ماہ کے نئے رنگروٹ کو چھٹی دینا

خلاف قانون ہے لیکن بچہ سقہ کا تو دل گھبرا رہا تھا۔ وہ نوکری اور پھر فوج کی کیونکر قائم رکھ سکتا تھا۔ اسی وقت دل بہلانے کو چل دیا۔ اور فوجی کیمپ سے نکلکر سیدھا اپنے گاؤں کا رخ کیا۔ راستے میں اس کے ہم پیشہ تین چور مل گئے جنہوں نے آگے دھر لیا۔ اور کہا کہ زندگی چاہتا ہے۔ تو بندوق یہیں رکھ دے۔ اس نے بہتیرا کہا کہ یہ سرکاری بندوق ہے۔ اور مجھے سزا ہو جائے گی۔ مگر چور کب سنتے ہیں۔ جب بچہ سقہ کو بندوق حوالے کرنے کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ تو اس نے بندوق دینے سے فیر کر دینا زیادہ مناسب سمجھا۔ ایک تو وہیں ٹھنڈا ہوا۔ دوسرا بھاگتا تھا کہ اس کے بھی ایک گولی رسید کی۔ وہ زخمی ہو گیا۔ اور تیسرا بھاگ گیا۔ اب راستہ صاف تھا حبیب اللہ اپنے گاؤں میں خیریت سے پہنچ گیا۔ چند روز بعد فوجی کیمپ سے ایک سپاہی حبیب اللہ سپاہی کا گھر پوچھتا دروازہ پر پہنچ گیا۔ اور کہا کہ چند روز سے تمہاری غیر حاضری لکھی جا رہی ہے۔ آج حوالدار صاحب نے مجھے تمہارے بلانے کو بھیجا ہے۔ بچہ سقہ نے کہا کہ میرا ارادہ ملازمت کرنے کا نہیں ہے حوالدار صاحب سے کہدو کہ ساری عمر کی غیر حاضری لکھدیں۔ نووارد سپاہی نے کہا کہ فوجی بندوق لیکر گھر بیٹھ رہنا خلاف دانش ہے۔ حکومت کو بلا وجہ اپنا دشمن بنانے سے سزا ہو جائیگی اگر ملازمت کرنا نہیں ہے تو باقاعدہ استعفٰے دیدو۔ اس کی بھی کچھ سمجھ میں آ گئی اور سپاہی کے ساتھ ہو لیا۔ کابل پہنچنے کی دیر تھی کہ بچہ صاحب گرفتار کر لئے گئے ان پر تین جرم عائد کئے گئے (۱) بلا اجازت گھر کیوں گئے؟ (۲) سرکاری بندوق کو کیمپ سے باہر کیوں لے گئے؟ (۳) ایک کو قتل اور دوسرے کو زخمی کیوں کیا؟ ان جرائم کی تحقیقات کے سلسلہ میں یہ بھی معلوم ہوا کہ ملازمت سے پہلے جرائم پیشہ لوگوں سے اس کے تعلقات رہے ہیں۔ اور دوران ملازمت میں بھی

چوروں اور ڈاکوؤں سے اس کی سانٹھ بانٹھ رہی ہے۔ الزام جرائم کے ثابت ہونے پر اسے پانچ ماہ قید کی سزا دی گئی۔

جیل خانہ میں اسے بہت سے ایسے لوگ مل گئے جن کی زندگیاں جرائم ہی کی دلچسپ مصروفیت میں بسر ہوئی تھیں۔ ایسے پرانے خرانٹوں نے اسے ہونہار دیکھ کر اسی "نیک شغل" کا مشورہ دیا۔ یوں بھی اس کی طبیعت کا رجحان اس طرف تھا جب مشیر بھی یہی صلاح دیں۔ تو کسی اور کام کی طرف توجہ کرنے کی زحمت ہی کیوں اُٹھائی جائے۔ اس کے علاوہ میٹوں اور جیل کمپنی کے سپاہیوں اور جیلر کا مجرموں کے ساتھ طرزِ عمل ایسا ظالمانہ ہوتا ہے۔ کہ جب وہ جیل سے نکلتے ہیں تو ہر قسم کی سختی کو جھیل چکتے ہیں۔ اور جیل کی غیرت باختہ اور غیر خودداراانہ زندگی ان کی حمیت و ہمدردی کے جذبہ کو پامال کر دیتی ہے۔ اسی لئے بہت کم دیکھا گیا ہے۔ کہ جیلخانہ سے نکلنے کے بعد چور یا دوسرے اخلاقی مجرم اصلاح کی طرف راغب و مائل ہوئے ہوں۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ وہ اپنے مجرمانہ افعال میں زیادہ بیباک اور دلیر ہو جاتے ہیں۔

بچہ سقہ اول الذکر کم لوگوں میں سے نہ تھا۔ بلکہ موخر الذکر اکثر لوگوں میں سے تھا چنانچہ جب وہ جیل سے نکلا تو ایک پختہ کار ڈاکو بنکر نکلا۔ اب اس کی نظر میں عزت و بے عزتی اور حق و ناحق کا سوال ایک بے معنی چیز تھا۔ قید سے چھوٹ کر اس نے اپنے قدیم ہم مشرب ساتھیوں کو جمع کیا۔ اور کچھ جیل کے ہمراہیوں میں سے چُننے۔ ایک جماعت بنائی۔ اور منظم طور پر اپنا پہلا مشغلہ شروع کر دیا یعنی وہی چوری۔ ڈکیتی۔ رہزنی۔ جو پہلے وہ تنہا کرتا تھا۔ اب مشترکہ طور پر کرنے لگا۔ اور خود اس رہزن جماعت کا سرغنہ بنا۔ دوسروں نے اس کی چالاکی اور عیاری کے جوہر دیکھ کر اسے اپنا سرغنہ اور سردار بنا لیا۔ ایک روز اس نے میٹنگ کی

اور سب ساتھیوں کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ آئندہ ہماری زندگی کا پروگرام کیا ہونا چاہیئے۔ سب نے اپنی اپنی رائے ظاہر کی۔ بالآخر فیصلہ کیا کہ قتل و غارت گری اتفاقیہ کے نہیں بلکہ بطور پیشے کے ہونی چاہیئے۔ اور رہائش کے لئے افغانستان کا علاقہ سمت شمالی یعنی موجودہ مقام غیر مناسب ہے اسے چھوڑ کر ہندوستان کے سرحدی علاقہ کے قریب پہاڑوں کی گھاٹیوں میں سکونت اختیار کرنی چاہیئے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور سنہ ۱۹۲۲ء تک وہ ایک پیشہ ور ڈکیت کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا رہا۔

وارنٹ گرفتاری

حکومت افغانستان نے بچہ سقہ کی لوٹ مار کی خبر سن کر گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ از سر نو پھر وارنٹ جاری ہو گئے ہیں۔ اور یہاں بھی امن چین سے نہیں رہ سکتا تو اس کوہستانی علاقہ کی حدود پار کر کے خیرباد کہہ کر ہندوستانی سرحد میں داخل ہو گیا۔ کچھ دنوں انگریزی علاقہ میں اُدھم مچایا لیکن حکومت کی بیداریاں دیکھ کر اس سے باز آگیا۔ کچھ دنوں صیغہ بیگاری سپرنٹنڈنٹ رہا۔ اس کے بعد پشاور چلا آیا۔ یہاں آکر محمد صدیق صاحب بوٹ مرچنٹ بازار قصہ خوانی پشاور کے ہاں ملازمت کر لی۔ جب کچھ دن گزر گئے تو اس نے اپنے مالک سوداگر سے کہا کہ مجھے چائے کی دُکان کرا دیجئے۔ محمد صدیق صاحب نے نیک ارادہ دیکھ کر اسے دکان کرا دی۔ دُکان کی حالت روز بروز اچھی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ضروریات سے بھی زیادہ کما لیتا تھا لیکن چونکہ تربیت و تعلیم سے کورا تھا اور سوسائٹی ابتدا سے ناکارہ لوگوں کی رہی تھی۔ اس لئے چار پیسے ہضم نہ ہو سکے۔ آوباشوں اور غنڈوں میں بیٹھ کر پیسے کو برباد کرنے لگا۔ اسی وجہ سے رفتہ رفتہ اس کے

تعلقات شہر کے تمام بدمعاشوں سے ہو گئے۔ اور بچہ سقہ کی دکان بدمعاشوں
کا اڈہ بن گئی۔

ایک رکاوٹ

یہ صورت حالات دیکھ کر پشاور کی پولیس نے باقاعدہ نگرانی شروع کر دی۔ اور
رپورٹ کی کہ پشاور میں حبیب اللہ چائے والے کی دکان پر بدمعاشوں کا
جمگھٹا رہتا ہے۔ یہ رپورٹ حکام پولیس اور وہاں سے افسر بالا تک پہنچی۔ پولیس
نے حسب ہدایت بالا بچہ سقہ اور محمد صدیق صاحب کی دکان کی تلاشی لی اور
بچہ سقہ اور اس کے دو ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ محمد صدیق صاحب نے بچہ سقہ
کو پولیس سے یہ کہہ کر چھڑا لیا۔ کہ چائے کی دکان میری ملکیت ہے۔ اور یہ
میرا ملازم ہے۔ اس طرح جان بچی۔ دونوں ساتھیوں کو عدالت سے ایک
ایک سال کی سزا ملی۔ ان ساتھیوں کی گرفتاری اور سزا نے بچہ سقہ کے کان کھڑے کئے
کہ کبھی نہ کبھی ایک نہ ایک دن اپنے ساتھیوں کی طرح بڑے گھر کی سیر کرنے پر
مجبور کیا جاؤں گا۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ ؎

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر
تو وہ خوف و ذلت کے حلوے سے بہتر

نہ سہی پشاور۔ سرحدی علاقہ ہی سہی جہاں کی گھاٹیاں ہی غنیمت ہیں۔
وہاں پولیس کا سپاہی ڈھونڈ ڈھونڈ کے سر پٹختا۔ مزے سے ٹھنڈی ہوا کھائیں گے
اور دف بجائیں گے۔ یہ سوچ کر محمد صدیق صاحب کے پاس آیا۔ اور
کہا مجھے کسی طرح پاراچنار پہنچا دیجئے۔ اس نیک دل نے اس کو بھی منظور
کر لیا۔ اور ایک موٹر لاری کا انتظام کر کے بچہ سقہ کو بحفاظت پشاور سے
پاراچنار پہنچا دیا۔ لاری سے اترتے ہی [illegible] افغانی علاقہ کی جانب رخ

گیا۔ تاکہ جلد سے جلد سرحدی خطرات سے نکل کر اطمینان کا سانس لے سکے۔ افغانی علاقہ میں پہنچتے ہی اس نے ایک لٹیروں کی جماعت بنائی۔ اور حسب عادت خود اس کا پریذیڈنٹ بن گیا۔ انہی دنوں شاہ غازی سیاحت یورپ سے واپس آ کر اصلاحات نافذ فرما چکے تھے جن میں تو اکثر چند لوگوں نے پسند نہ کیا۔ اور اظہار ناراضگی کرنے لگے۔ بچہ سقہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور اپنی جماعت کو دن رات قتل و غارت میں مصروف ہو گیا۔ اور مقام سکرنت ایسی گھاٹیوں کو قرار دیا۔ جہاں پولیس کا پہنچنا کارے دارد تھا۔

رہزن جماعت بڑھتی گئی۔ اور جرائم کی کثرت ہوتی گئی۔ حکومت نے ہر چند گرفتار کرنا چاہا مگر پولیس کو کامیابی نہ ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ سارا کوہستانی علاقہ ڈاکوؤں کی ٹولی سے خوف زدہ رہنے لگا۔ یہ ڈکیت سارے علاقہ پر حکم چلانے لگے۔ اور بچہ سقہ وہاں کا حاکم اعلیٰ سمجھا جانے لگا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب آپ کے سامنے ہے۔

قبل اس کے کہ ہم بچہ سقہ اور حکومت افغانستان کے درمیان مناقشہ اور جنگ کا ذکر کریں۔ اور اس کی باغیانہ سرگرمیوں کی داستان کو چھیڑیں اس کی ڈکیتیوں کے بعض اہم واقعات کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں۔ جو ناظرین کی دلچسپی کا موجب ہوں گے۔

سقّہ کی قزاقی

ایک سیاح نے جو افغانستان کی سیاحت کے لئے گیا تھا حبیب اللہ (بچہ سقہ) کی قتل و غارت گری کے چند واقعات اپنے سفرنامہ میں لکھے ہیں جن کو ہم اس موقع پر درج کر کے بتانا چاہتے ہیں کہ بچہ سقہ کی ٹولی نے افغانستان کے کوہستانی علاقہ میں کیا قیامت برپا کر رکھی تھی۔

سیاح مذکور لکھتا ہے کہ کابل سے ۲۲ میل کے فاصلہ پر کوہستانی علاقہ میں سرائے خوجہ ایک مشہور مقام ہے۔ میں موٹر پر سوار اس طرف سے گزر رہا تھا کہ میری نظر سے پٹھانوں کا ایک مغلوب الغضب مجمع گزرا۔ جو بے تحاشا بھاگا چلا جا رہا تھا۔ اور ان میں کا ایک شخص بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ہوشیار! خبردار قدم آگے نہ بڑھانا اس آواز کو سن کر سارا مجمع کھڑا ہو گیا۔ اور اس میں فوج کی سی باقاعدگی پیدا ہو گئی میں نے موٹر ڈرائیور سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے۔ اس نے جواب میں بتلایا کہ یہ ڈاکوؤں کی ایک جماعت ہے۔ ابھی ابھی اس نے ایک موٹر لاری کو لوٹ کر اس میں آگ لگا دی ہے۔ اس کے ڈرائیور کو مار ڈالا ہے۔ اور اب یہ سامنے کے کھنڈرات میں روپوش ہو جانا چاہتے ہیں۔

میں یہ سن کر کچھ پریشان سا ہو گیا۔ میرے میزبان میرے ہمراہ تھے۔ جو مجھ کو اس علاقہ میں سیر کرانے لائے تھے۔ ان کی طرف متوجہ ہو کر میں نے پوچھا "کہیے جناب! اب کیا کرنا چاہیے؟" میرے میزبان نے میرے مخفی احساسات کا اندازہ کرتے ہوئے کہا "دور اندیشی کا تقاضہ یہ ہے کہ خطرات میں نہ پڑنا چاہیے میری رائے میں اس وقت سرائے خوجہ کا ارادہ ملتوی کر دیا جائے۔ اور رات اسی علاقہ میں کسی جگہ بسر کر دی جائے۔"

میں نے میزبان کی مشورہ کو قبول کر لیا۔ اور موٹر کا رخ بائیں جانب پھیر دیا مشکل سے ہم نے دو سو گز کی مسافت طے کی ہو گی۔ کہ ہم نے ایک مکان کو دیکھا جس میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اور شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ میں اپنے جذبات ہمدردی کو نہ دبا سکا۔ اور اپنے ہمراہیوں کی طرف دیکھ کر کہا "کیا اچھا ہو کہ ہم مصیبت زدوں کو امداد پہنچائیں اور آگ بجھانے میں ان کی اعانت کریں" فوراً ایک پٹھان نے مجھ سے کہا "ہرگز اس کا خیال بھی دل میں پیدا ہونے نہ دیجیے۔ اس قسم کی امداد

خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ یہ شرارت بھی انہیں بدمعاش ڈاکوؤں کی ہے جنہوں نے ابھی موٹر لاری کو لوٹ کر موٹر ڈرائیور کی جان لی ہے۔ ان بدمعاشوں نے گاؤں والوں کو آگاہ کر دیا ہے۔ کہ اگر ان میں سے کسی نے آتش زدہ مکان کی آگ بجھائی یا کسی قسم کی مدد دی تو اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ اور اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔"

میں نے پوچھا "یہ مکان کس کا ہے اور اس کے مالک پر ظلم کیوں روا رکھا گیا ہے۔" پٹھان نے جواب دیا کہ "مکان کے مالک کا نام عبدالصمد ہے کچھ عرصہ ہوا ڈاکوؤں کا یہ گروہ اس گاؤں میں آیا۔ اور عبدالصمد سے ایک ہزار روپے کا مطالبہ کیا۔ اور کہا تھا کہ "ہم اس علاقہ کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ تم کو ہمارے مطالبہ اور حکم کے سامنے سر اطاعت خم کر دینا چاہئے۔" عبدالصمد نے خوشامد درآمد کر کے ان سے نجات حاصل کی لیکن اس سے غلطی یہ ہوئی کہ اس نے اس واقعہ کی اطلاع پولیس کو دیدی۔ اور حفاظت کے لئے پولیس کی امداد طلب کر لی۔ ڈاکوؤں کو اس کی یہ روش پسند نہ آئی۔ اور وہ انتقام کے لئے موقع کی تاک میں رہے۔ کچھ عرصہ بعد جب پولیس چلی گئی تو ڈاکوؤں کو موقع مل گیا اور عبدالصمد کی عدم موجودگی میں انہوں نے اس کے مکان میں آگ لگا دی۔"

میں نے پٹھان سے دریافت کیا۔ "یہ ڈاکو کون لوگ ہیں کیا تم ان سے واقف ہو؟" پٹھان نے جواب دیا "اوباش لوگوں کی ایک جماعت ہے جس کا سرغنہ یا سردار حبیب اللہ (بچہ سقہ) ہے۔ اور اس سرغنہ کا مشیر خاص سید حسین ہے۔ ان کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔ یہ لوگ کوہستانی مواضعات میں لوٹ مار کرتے رہتے ہیں۔ اور لوگوں سے زبردستی آٹا گھی اور نذرانہ نقد وصول کرتے ہیں۔ ان کی گرفتاری کے احکام حکومت کی جانب سے جاری ہو چکے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ ان کی

گرفتاری سے عاجز ہے۔ ایک مرتبہ مقام چاریکر کے حکیم صاحب نے ان کی گرفتاری کی کوشش کی تھی لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام رہے۔ وہ ایک مسلح جماعت کو لیکر ان کے سر پر پہنچ گئے تھے یہ ڈاکو بھیڑ بکریوں کی طرح پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور اوپر پہنچ کر اس کے سرغنہ حبیب اللہ نے حکیم صاحب کو مخاطب کر کے طنزیہ لہجہ میں کہا: حکیم صاحب! بہتر یہ ہے کہ آپ تشریف لے جائیں۔ اور مفت میں اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالیں لیکن کم از کم اس تاخت کی یادگار قائم رہنا میرے نزدیک مناسب ہوگا۔ میں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں۔ کہ ہم لوگ انتہا درجہ کے قادر انداز نشانہ باز ہیں۔ آپ کے ٹخنہ کے اوپر پنڈلی میں نشانہ لگانا چاہتا ہوں آپ گھبرائیں نہیں۔ نشانہ صرف پنڈلی کے اوپر بیٹھے گا۔ اور کسی دوسرے عضو کو کوئی نقصان نہ پہنچیگا۔ اگر آپ کے کسی دوسرے عضو کو نقصان پہنچے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں گا۔ لیجئے سنبھل جائیے گولی آتی ہے۔" ادھر جملہ ختم ہوا اور ادھر سنسناتی ہوئی گولی آئی۔ اور ٹخنہ کے پار ہو گئی! ------ حکیم صاحب حیران تھے کہ یہ کیا ہوا۔ آخر اپنی جان کی خیر مناتے ہوئے واپس چلے گئے۔"

ایک اور دلچسپ عیاری

سیاح مذکور نے ایک اور واقعہ حسب ذیل الفاظ میں لکھا ہے:-

"کابل میں ایک بنئے نے ہم سے بیان کیا کہ حال ہی میں ڈاکوؤں کے سرگروہ حبیب اللہ کو میں نے خون بہا کے طور پر ایک بڑی رقم ادا کی ہے۔ واقعہ یہ ہوا تھا۔ کہ ایک روز میں اپنے مکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ڈاکو میرے پاس آیا۔ اور مجھ سے کہا کہ فلاں مقام پر کاروبار کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر مجھ کو کوئی شریک کار مل جائے تو وہاں بیوپار شروع کر کے کافی تعداد میں روپیہ پیدا کیا جاسکتا ہے میں ٹھیرا بنیا دولت کی طمع میں آگیا۔ اور اس کے ساتھ کاروبار میں شرکت پر آمادگی

ظاہر کردی۔ اس نے مجھ کو آمادہ پاکر کہا تم اپنے لڑکے اور ملازم کو بھی ساتھ لے لو۔
ممکن ہے کاروبار کی شرائط طے کرنے میں دیر لگے۔ مختصر یہ کہ میں اپنے لڑکے اور ملازم
کو ساتھ لے کر گھر سے روانہ ہو گیا۔ ہم ابھی تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ مجھ کو
چند آدمی ملے جو ہمارے ساتھ ہو گئے۔ بدقسمتی سے میں فریب کو بالکل نہ سمجھا۔ اور ان
لوگوں کی شرکت و صحبت نے میرے دل میں کسی قسم کا وسواس پیدا نہیں کیا۔
کچھ دور چلکر ہمارے ہمراہیوں نے کہا "بھئی لالہ اچھّا اور ملازم کو کیوں
پریشان کرتے ہو۔ ہم لوگ کافی ہیں۔ تمام معاملات بآسانی طے ہو جائیں گے۔
تم ان کو واپس بھیجدو" افسوس ہے کہ میرے دل میں ابھی کوئی شبہ پیدا نہیں
ہوا۔ اور میں نے اپنے لڑکے اور ملازم کو واپس بھیجدیا جب میرا لڑکا اور ملازم
واپس چلے گئے تو ایک شخص نے مجھ سے کہا "لالہ جی گھبرانے کی کوئی بات نہیں
ہے۔ اگر شرکت کے شرائط طے کرنے میں دیر ہو جانے گی تو میں تم کو تمہارے
گھر پہنچا دوں گا۔ اور تم کو کوئی تکلیف نہ ہوگی" میں یہ سنکر مطمئن ہو گیا۔ اور
ان کے ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دور اور چلکر ہم ایک گاؤں میں دم لینے کے لئے
ٹھیرے۔ یہاں میں نے ڈاکوؤں کے تیور بدلے ہوئے پائے۔ جو شخص مجھ کو
اپنے ہمراہ لایا تھا اس نے خوفناک نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اور
تہدید آمیز لہجہ میں کہا۔
"میں ڈاکو ہوں۔ اور تم کو فریب دیکر لایا ہوں۔ اگر تم اپنی جان کی خیر
چاہتے ہو۔ تو پانچ ہزار روپیہ منگا کر دو۔ ورنہ تم کو ذبح کر دیا جائے گا"
اس انکشاف نے میرے ہاتھ پاؤں بیکار کر دئے۔ اور لرزہ میرے جسم پر
طاری ہو گیا۔ جان سب کو عزیز ہوتی ہے مجبور ہو کر میں نے اپنے منیب کو
لکھا کہ حامل رقعہ ہذا کی معرفت فوراً پانچ ہزار روپیہ میرے پاس بھیجدیا

جائے۔ میرا لڑکا اور ملازم چونکہ اس امر سے واقف تھے۔ کہ میں کاروباری سلسلہ
سے باہر گیا ہوا ہوں۔ اسی لئے روپیہ دینے میں انہوں نے کسی قسم کی مزاحمت
نہ کی۔ اور رقم ملتے ہی ڈاکوؤں نے مجھ کو فوراً چھوڑ دیا۔

یہ ہیں مختصر واقعات بچہ سقہ اور اس کی جماعت کے جس نے اپنے
ناروا مظالم سے کوہستانی علاقہ کی عافیت کو برباد کر دیا تھا۔ اور جس کو
زندہ گرفتار کرنے کے لئے سرکاری افسر پریشان ہو رہے تھے۔

بچہ سقہ کیلئے موافق فضا

جس وقت کہ افغانستان میں سردار محمود طرزی صاحب
کی اصلاحات کا نفاذ ہوا۔ اور ملک میں ایک عام شورش پیدا ہوگئی۔ تو بچہ سقہ
نے ملک کے غبار آلود مطلع کو بغور مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اور اپنی جماعت
کو تقویت دینے میں مصروف ہوگیا۔ ہر چند اس نے جد و جہد کی لیکن وہ
افراد جماعت میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہ کر سکا۔ طبیعت ضدی پائی تھی ناکامی
کے بعد بھی ہمت نہ ہاری۔ اور جنگجو رہزن اور لڑاکو لٹیروں کو فراہم کرنے
میں ہمہ تن مصروف رہا۔ سید حسین سے اس نے مشورہ کیا کہ اس وقت
ہم اپنی جماعت میں تھوڑے سے نڈر رہزنوں کو اور شامل کرلیں۔ تو افغانستان
کے ایک بڑے حصہ پر اپنا قبضہ جما سکتے ہیں۔ اور اگر مقصد حسب منشا
پورا نہ ہوا تو کوئی ایک مقام ضرور حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔
اور اسطرح بجائے صحرا اور پہاڑوں میں حکمرانی کرنے کے شہر کے باشندوں
پر حکومت کر سکیں گے پھر ہمیں لوگ ڈاکو کہنے کی جرأت بھی نہ کریں گے۔
اور تاریخ کے صفحات میں فاتحین اور حاکم صوبہ کے ذیل میں ہمارا نام لکھا
جائے گا۔ اس وقت تک یہ منصوبے خیالی پلاؤ سے زیادہ نہ تھے۔ کہ ایک روز

ایک پیر ملّا اس کے پاس پہنچے۔ اور کہا کہ تمہارے لئے زریں موقع ہے فضا تمہارے موافق ہے۔ اگر میرے کہنے پر چلو تو تم کو افغانستان کا بادشاہ بنا دوں۔ بچہ سقہ بہت ادب سے پیش آیا۔ اور اسے یقین نہ ہوا۔ کہ پیر صاحب موصوف صحیح کہہ رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں حکومت سے ایک طویل عرصہ سے جرائم کے پیہم ارتکاب کی صورت میں جنگ کر رہا ہوں۔ پولیس آج تک مجھے . . . . گرفتار نہ کر سکی۔ آپ عالم دین ہیں سچ بتایئے کہ مجھے گرفتار کرانے کے لئے تو تشریف نہیں لائے ہیں۔ یہی آپ کا ہمیشہ ادب کیا ہے ایسا نہ ہو کہ میری طرف سے بھی آپ کے طرزِ عمل کا ویسا ہی جواب ملے۔ ملائے مذکور نے اسے یقین دلایا کہ تم مطمئن رہو میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔ کہ میرا آنا دھوکہ فریب پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ تم کو ڈاکو سے بادشاہ بنانے کے لئے آیا ہوں۔ البتہ اتنا وعدہ کرنا ہوگا۔ کہ ہمیشہ ہم سے پوچھکر شریعت کے مطابق فتوا لیکر احکام جاری کیا کرو گے۔ بچہ سقہ نے وعدہ کیا کہ میں تو پہلے ہی آپ کا خادم ہوں۔ آپ کی منشا کے خلاف قدم اُٹھاؤں تو کافر بس معاہدہ ہو گیا۔ اور ملائے مذکور بچہ سقہ کو لیکر شنواریوں کے علاقہ میں پہنچ گئے۔ جو اس وقت مرکزِ بغاوت بنا ہوا تھا۔ اور وہاں پہنچکر اس کی جمعیت میں ایک خاص اضافہ ہو گیا۔ اور شنواریوں نے باغی ملّاؤں کی ہدایت کے موجب بچہ سقہ سے ملکر کام کرنے اور اسے ضرورت پڑنے پر مناسب امداد بہم پہنچانے کا وعدہ کیا۔ جب اس طرف سے مطمئن ہو گیا تو ملا صاحب شور بازار وغیرہ کا دیگر غازی امان اللہ خاں کی خدمت میں بھیجا اور قرآن کریم کو اپنی سند دہی کا اثر بنایا جس کا تفصیلی ذکر ہم شاہ امان اللہ کی سوانح میں کر چکے ہیں۔ شاہ ممدوح کی دست برداری کے بعد ان کے بھائی عنایت اللہ خاں تخت پر بیٹھے۔

جو بہا بیٹھا ہی سیدھے سادے مسلمان ہیں۔ اور مکروفریب کے سمجھنے اور سیاسی امور کے نشیب و فراز پر قابو رکھنے کی استعداد بدرجہ کمال نہیں رکھتے تھے۔ ان کی تخت نشینی کے چند گھنٹے بعد ہی باغی ملّوں نے بچہ سقہ سے آکر کہا کہ بس اب موقع ہے جلد کابل پر حملہ کردو۔ بچہ سقہ اٹھا اور اپنی جماعت کو لیکر موضع دل کوچک پر جو کابل سے صرف چند میل کے فاصلہ پر ہے قبضہ کرلیا۔ عنایت اللہ خاں کو اس کی خبر بھی نہ ہونے پائی تھی۔ کہ وہ آگے بڑھا اور کابل کو محاصرہ میں لے لیا۔ معمولی سی جدوجہد کے بعد ۱۷ جنوری کو وہ کابل کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اب شاہ عنایت اللہ خاں کے لئے دو ہی راستے تھے ایک تو یہ کہ وہ اپنی بساط بھر جنگ کرکے شہید ہو جاتے اور دوسرا یہ کہ وہ تخت کو اس باغی ڈاکو کے حوالہ کرکے اپنی اور اپنے خاندان کی جان کی حفاظت کرلے۔ انہوں نے مؤخر الذکر راستہ کو پسند کیا اور سر همفریز سفیر برطانیہ متعینہ کابل کی وساطت سے ہندوستان ہوتے ہوئے قندھار پہنچ گئے۔ اب تاج و تخت کا واحد مالک بچہ سقہ تھا۔ یہاں یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ دوسرا راستہ شاہ عنایت اللہ خاں نے ملا صاحب شور بازار کے کہنے سے اختیار کیا کیونکہ ان کا خیال تھا اگر عنایت اللہ خاں نے جنگ کی تو شاہی خاندان کی جان خطرہ میں پڑ جائیگی اور بچہ سقہ کے مقابلہ میں عنایت اللہ خاں کامیاب نہ ہوسکیں گے۔

بچہ سقہ تخت شاہی پر

کابل پر قبضہ کرلینے سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اسے پورے ملک پر حکومت حاصل ہوگئی تھی بلکہ وہ صرف کابل کا امیر تھا۔

بچہ سقہ کے کابل پر متمکن ہونے کے بعد چاروں طرف سے ہم شہنشاہ

افغانستان" کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں۔ ایک طرف علی احمد جانؒ گورنر جلال آباد نے بادشاہت کا اعلان کردیا۔ دوسری طرف ایک ملک غوث الدین اپنے قبیلہ کو لیکر اٹھا۔ اور اس نے اپنی امارت کا اعلان کردیا تیسری طرف سے خود شاہ امان اللہ خاں نے اپنی سابقہ دستبرداری تخت و تاج کا اعلان واپس لے لیا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ:۔

(۱) کابل اور اس کے اردگرد تک بچہ سقہ کا حکم چل رہا تھا (۲) خوست کے شمالی حصہ کے حکمران ملک غوث الدین بنے بیٹھے تھے۔ جو کابل سے کچھ ہی فاصلہ پر واقع ہے (۳) کابل کے مشرق میں جلال آباد ہے جہاں علی احمد جان مرحوم اعلان بادشاہت کرنے کے بعد اپنی ماتحت فوج اور قبائل سے اپنے اقتدار کو وسیع کر رہے تھے (۴) کابل کے مشرق شمالی مشرق اور جنوب مشرق کا علاقہ امان اللہ خاں کے ماتحت تھا۔ گویا ملک کے تقریباً ۱/۲ حصہ میں تین بادشاہت کے دعویدار تھے۔ اور قریب قریب ۵/۶ حصہ میں اب بھی امان اللہ خاں کا علم بلند تھا لیکن بغاوت کے جراثیم صرف ۱/۲ حصہ میں محدود نہ تھے۔ بلکہ ۵/۶ میں بھی یہ جراثیم اندر ہی اندر پرورش پا رہے تھے خصوصاً غلزئی قبیلہ نے عین وقت پر جس نادانی جہالت اور غداری کا ثبوت دیا۔ وہ امان اللہ خاں کی مایوسی کا آخری اور سب سے اہم سبب تھا۔

انتظامِ ملکی

بچہ سقہ ان سب حالتوں کو تخت کابل پر بیٹھا دیکھتا رہا۔ اور اپنی حکومت کو مضبوط کرنے میں مصروف رہا۔ اور جدید انتظامات شروع کر دئے۔ اپنے پرانے رفیق کار سید حسین کو وزیر جنگ بنایا۔ اور ایک شخص کو جس کا نام عطاء الحق بتایا جاتا ہے

عارضی طور پر دزد بر تخار رجہ بنادیا گیا۔ ایک جاہل مطلق کشد ۂ ناعاقبت اندیش کو وزیر مقرر کیا گیا۔ اس نالائق نے ہر چیز پر خواہ وہ لائق محصول تھی یا نہ تھی محصول لینا شروع کر دیا۔ بعض لٹیروں کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ شہر کے مالدار تاجروں اور امراء سے نظام ملکی کو درست کرنے اور امن قائم کرنے کے لئے روپیہ وصول کریں۔ اس موقع پر سقوی حکومت کی مالی امداد کرنے سے جو شخص گریز کرتا اس سے زبردستی روپیہ وصول کیا جاتا۔ روپیہ وصول کرنے والے چونکہ سید رد رہزن تھے۔ اس لئے وہ استحصال زر کے معاملہ میں جائز و ناجائز کے سوال ہی سے ناآشنا تھے۔ مقصد روپیہ حاصل کرنا تھا۔ خواہ کسی طریقہ سے حاصل ہو۔ چند روز میں خزانہ شاہی روپے سے لبریز ہو گیا۔ اور مقتدر و معزز باشندگان کابل کے قلوب مجروح۔

محل شاہی میں شاہی محل جو کبھی شاہانہ شان و شوکت کا منظر پیش کرتا تھا وہاں آج اُلو بول رہا تھا۔ نااہلوں کے قبضہ میں تھا۔ جو حالات کے صحیح استعمال سے بھی نابلد تھے۔ ہر ایک چیز کو ڈرتے ڈرتے چھوتے۔ اور اس کے صحیح مصرف کے خلاف جو کچھ ان کے ذہن میں آتا اس سے وہی کام لیتے۔ انہیں پتہ ہی نہ تھا کہ کس چیز کو کہاں برتیں بالکل یہ عالم تھا جیسے کسی بن مانس کو پکڑ کر ایک زینت و آرائش سے مزین اور ہر قسم کی ضروریات زندگی کے سامان سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ کمرہ میں بند کر دیا جائے۔ بس اس کمرے میں جو حرکات اس بن مانس سے سرزد ہوں گی وہی بچہ سقہ اور اس کے ساتھیوں سے محل شاہی میں سرزد ہو رہی تھیں۔ سب سے زیادہ افسوسناک سلوک بچہ سقہ کے جاہل مطلق ساتھیوں نے شاہی کتب خانہ سے کیا نہایت اعلیٰ اور نایاب کتابیں نکال نکال کر ان سے ہیزم سوختنی کا کام لیا۔ چائے پکائی اور کتب خانہ کا

ستیا ناس کر دیا۔ خدا جانے وہ کیسی قیمتی کتابیں ہوں گی جو شاہی کتب خانہ کی زینت تھیں۔ اور ان ناتراشیدہ جہال نے ان کو لکڑیوں کی جگہ جلایا۔

شاہی محل میں داخل ہو کر سب سے پہلے "شورائے ملی" (قومی پارلیمنٹ) کا اجلاس جو اس "خوش نصیب ڈاکو" کا زیر صدارت منعقد ہوا وہ صرف اس غرض و غایت کے لئے تھا کہ عرصہ دراز کی بے آرامی و گرسنگی کے بعد آج شب کو ان وحشی ڈاکوؤں کو کیا تناول کرنا ہوگا۔ بہت دیر کے بحث و مباحثہ کے بعد قرار پایا کہ آج شلغم کا شوربا پکایا جائے۔ خدا خدا کرکے۔ کھانے کی گھڑیاں گن گن کر شام کا وقت قریب آیا۔ اور باورچی کو کھانا لانے کے واسطے حکم دیا گیا لیکن شاہی ارک میں جو رکابیاں موجود تھیں وہ چھوٹی چھوٹی اور چپٹی تھیں۔ جوان وحشیوں کے تنور شکم کو کسی طرح پر نہ کر سکتی تھیں۔ لہٰذا بڑی بڑی رکابیوں کی تلاش شروع ہوئی۔ اس تلاش میں بچہ سقہ بھی شامل تھا۔ تلاش کرتے کرتے بدقسمتی سے کہیں اعلحضرت امان اللہ خاں کے پاخانے کی طرف چلا گیا۔ جہاں بھنگیوں نے کموڈ (پاخانہ کرنے کے انگریزی برتن) دھو کر خشک کرنے کے لئے رکھے تھے۔ ان برتنوں کا دیکھنا تھا کہ بچہ سقہ پھولے نہ سمائے۔ اور دو ساتھیوں کو حکم دیا کہ ان موزوں و مناسب بڑے بڑے برتنوں کو لے جائیں تاکہ ان میں شوربا ڈالا جائے اس طرح اس رات بچہ سقہ اور اس کے خاص رفقا نے اعلحضرت کے پاخانہ کے برتنوں میں خوب مزے سے کھانا اڑایا۔ اور رات کو گوچوں پر مدہوش ہو گئے۔ صبح ناشتہ کے بعد غلاظت مآب بچہ سقہ کو معلوم ہوا کہ اس نے رات کو امان اللہ خاں کے پاخانہ کے برتنوں میں کھانا کھایا ہے تو یہ سب سخت غضبناک ہوئے۔ اور امان اللہ خاں پر سب نے مل کر دل کھول کے کفر کے فتوے جڑے۔ آخر قرار پایا کہ کسی حکیم حاذق کو بلا کر

مسہل لیا جائے (ڈاکٹروں سے تو ان پکے مسلمانوں کو نفرت ہے) آخر تحقیقات کے بعد ایک پشاوری حکیم (جو اکثر اپنے آپ کو آزاد کے لقب سے ملقب کرتے ہیں) کا پتہ چلا۔ اور دو آدمی اسے بلانے کیلئے بھیجے گئے۔ وہ بھی خوب نبض شناس تھے۔ فوراً جمالگوٹہ تجویز کیا۔ اور اعلیحضرت کی جو غلاظت بچہ سقہ کے خون اور رگ و ریشہ اور معدہ میں داخل ہو چکی تھی۔ کم از کم معدہ کو تو اس سے پاک کر دیا۔ اب تو جناب آزاد کو وزارت طبیہ کے قلمدان کی دھن لگ گئی۔ لیکن خلاف توقع دو چار گھونسے لگا کر ارک سے باہر نکال دئے گئے۔ کیونکہ ان کے چہرے پر داڑھی نہ تھی۔ جو مردوں کے لئے باعث زیب ہے۔ اور حکومت سقائی کا جبری حکم ہے۔ کیا ہندو۔ کیا سکھ۔ کیا مسلمان سب کیلئے برابر۔

حماقت کا لطیفہ

دوسرے دن صبح کو امان اللہ خاں کے تمام خادموں کو بلایا گیا۔ کہ وہ حسب دستور مسلمانوں پر تلوار چلانے والے غازیوں کی خدمات بجا لائیں۔ اور سابقہ دستور العمل اور خدمات کی انجام دہی میں کسی قسم کی غفلت نہ کریں۔ باورچی اس ناہنجار مہمان کی آمد میں طرح طرح کے کھانے پکانے میں مصروف ہوا۔ فراش نے کھانا کھانے کے کمرے کو صاف کیا۔ اور اس میں میز کرسی لگائی اور طرح طرح کے جھاڑ فانوس سے کمرے کو مزین کیا۔ خوش قسمتی سے اس کمرے کی دیوار دن پر چاروں طرف آئینہ بندی تھی۔ جب سقہ صاحب کے تمام رفقا کمرے میں داخل ہو کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تو جناب سقہ معہ چند رفقا کے کمرے میں داخل ہوئے نشستیں تو پہلے ہی سے پُر تھیں۔ یہ طاقت کہاں سے آئے کہ بیٹھے ہوؤں سے کرسیاں خالی کرنے کی استدعا کریں۔ بس انہوں نے ایک طرف دیکھا تو آئینہ میں دوسرا کمرہ دکھائی دیا۔ بچہ سقہ کو تسلی ہوئی۔ اور اپنے چند

ساتھیوں کو اس عکسی کمرے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ تم وہاں پہنچو ان میں سے ایک نے اس خیال سے کہ وہاں بھی کہ سپاہی اُڑ نہ جائیں۔ اس کمرے کی طرف اس زور سے چھلانگ ماری۔ کہ آئینہ ٹوٹ کر نیچے گر پڑا سب حیران و ششدر رہ گئے۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ فراش سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دیواریں آئینہ بند ہیں۔ اس وقت سب کے سب ایک دوسرے پر گدھوں کی طرح ہنہنانے لگے۔

ایک اور حماقت

یہ ہیں بچہ سقہ اور اس کے رفیقوں کی حماقتیں جو اس زمانہ میں باعث تفریح ہو سکتی ہیں۔ ان کی سیاسی اور انتظامی لیاقت کا اگر بیان کیا جائے۔ تو اس کیلئے دفاتر کی ضرورت پڑے گی۔ فتح کابل کے دو چار دن بعد "مدیر پوستہ" یعنی پوسٹ ماسٹر صاحب اپنے نئے بادشاہ کی بیعت کے لئے تشریف لے گئے۔ وزیر صاحب دربار نے آپ کا تعارف کرایا کہ آپ "مدیر پوستہ" ہیں۔ بچہ سقہ نے مدیر صاحب کے ہاتھ پر خوب زور سے بوسہ دیا۔ جیسے کہ وہ مدیر صاحب کی بیعت کر رہے تھے۔ اس کے بعد دریافت فرمایا کہ آپ کے گودام میں کس قدر پوست بز۔ اور کس قدر پوست گوسفند ہیں۔ مدیر صاحب سخت حیران ہوئے لیکن وزیر صاحب دربار نے جو کچھ معقول آدمی معلوم دیتے تھے۔ فوراً حضور بچہ سقہ کو ان کی مدیریت سے پورا تعارف کرایا۔ اور بچہ سقہ نے مدیر صاحب سے اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے عفو چاہا۔ اور استدعا کی کہ کیا ہی اچھا ہو اگر دو چار دن میں "خان غازی حبیب اللہ خادم رسول اللہ" کے نام کے ٹکٹ چھپ کر تیار ہو جائیں۔ مدیر صاحب نے تعمیل ارشاد کا وعدہ کر کے رخصت لی اور حماقت مآب بچہ سقہ کی حماقت پر دل میں خوب ہنس کر

نشۂ حکومت

کابل میں ایک محلہ چنڈول ہے جہاں قزلباش (شیعہ) رہتے ہیں۔ خاندان قزلباش حسن و خوبصورتی میں مشہور ہے۔ بچہ سقہ کو خبر ہوئی کہ ایسا محلہ بھی ہے۔ تو اس نے حسین و جمیل لڑکیوں اور عورتوں کی ایک فہرست تیار کرائی۔ تاکہ ان سب کو یا بعض کو اپنے حرم سرا میں رکھے۔ اور صنف نازک پر ہی کیا موقوف ہے۔ اس نے تو خوبصورت لڑکوں کو بھی بطور غلام اپنے ہاں رکھنے کی تدبیروں سے اجتناب نہ کیا۔ بچہ سقہ کے سپاہی اسلحہ برآمد کرنے کی تحقیقات کے بہانہ سے شریف گھرانوں میں جانے۔ او گھر کے اندر گھس کر جو چیز پسند آتی لے جاتے کوئی داد و فریادی نہ تھی۔ کوئی کہے بھی تو کس سے اور جائے بھی تو کس کے پاس۔ راہ گیروں کے قیمتی لباس تک اتروائے جانے لگے۔ سقہ شاہی کے غول بیابانی نے کابل بھر کی ہر متنفس کا ناک میں دم کر دیا۔ زندگیاں دوبھر ہو گئیں۔ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ ملا تے شور بازار کا بچہ سقہ ضرور ادب کرتا ہوگا۔ اس لئے اپنی خواتین کی عزت کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زیادہ یہ بات مناسب سمجھی کہ ان کے گھر اپنی لڑکیوں اور عورتوں کو بھیج دیا مگر اس جگہ بھی وہ پناہ نہ پا سکیں۔ اور بچہ سقہ نے ان کو زبردستی بلوا لیا۔ اس پر ملا تے شور بازار نے احتجاج کیا اور بچہ سقہ سے کہا کہ جو لوگ میرے گھر میں پناہ لیتے ہیں آپ کے آدمی ان کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اس نے کہا میں بادشاہ ہوں جو کچھ ہوتا ہے میری خواہش سے ہوتا ہے۔ تمہیں اپنی جان کا خوف نہیں جو بادشاہوں کے منہ آتے ہو۔ جاؤ آئندہ ادب شاہی کو ملحوظ رکھنا۔ ملا صاحب کے ہوش و حواس غایب غلا ہو گئے۔ اور خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔

شاہ غازی کے چھوٹے بھائی کبیر خاں اور دوسرے معززین

دعماء دین شہر کو باوجود مطیع و منقاد ہو جانے کے قید کر دیا گیا۔ کہ کہیں یہ لوگ
اپنی جماعت بنا کر مجھے (بچہ سقہ) کو تخت سے علیحدہ نہ کر دیں۔ محمد ولی خاں
سے جو شاہ غازی کی سیاحت یورپ کے دوران میں شاہ کی واپسی تک
معین السلطنت کے طور پر کام کرتے رہے تھے۔ بچہ سقہ نے کہا تم کو وزیر
جنگ بنا دیا جاتا ہے محمد ولی خاں جانتا تھا کہ اس کے عہد میں ایک سکنڈ
بھی امن و چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوگا۔ اور وزیر جنگ ہونے کی حیثیت سے
سارا الزام ہر شکست کا میرے ہی اوپر عائد ہوگا۔ اس لئے اس نے وزارت
قبول کرنے میں معذرت چاہی۔ بچہ سقہ کے حکم سے انکار یا معذرت کی سزا
کم سے کم جیل خانہ تھی۔ جو محمد ولی خاں کو مل گئی۔

کابل میں جو سوداگر یورپ کی تیار کردہ اشیا کی تجارت کرتے تھے
ان کی دکانیں اور گودام حکماً لوٹ لئے گئے۔ اور بساطی بازار جہاں مغربی
فیشن کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں۔ سقاویوں کا خوان یغما بنا ہوا تھا۔ بلکہ
بلا امتیاز مذہب و ملت سب کو ایک ہی نظر سے دیکھنے والے اس وقت
تک لوٹ کھسوٹ میں لگے رہے جب تک کہ بساط خانہ کو ویران نہ کر دیا۔
سب سے پہلے میسرز عبد المجید عبد العزیز سوداگران ناولٹی کی دوکان اور
گودام کا صفایا کیا گیا۔ جو وہاں کے سب سے بڑے تاجروں میں سے تھے

بچہ سقہ اور کابل کے شہزادے و امرا

آغاز فروری میں بچہ سقہ نے کابل کے
بڑے بڑے شہزادوں کو مثلاً شہزادہ حیات اللہ خاں۔ شہزادہ کبیر خاں
سردار میر ہاشم خاں وزیر مالیات۔ شاہ امان اللہ خاں کے ماموں سردار محمد عمر خاں
یاور۔ سردار ولی محمد خاں۔ سردار احمد شاہ۔ سردار شبیر احمد خاں اور دیگر

امرا کو قید کر دیا۔ اور ان میں سے بعض کو سزائے ضربات بھی دی گئی۔

سردار ولی محمد خاں نے اپنے آپ کو طاق میران جان میں قلعہ بند کر رکھا تھا۔ اور وہ عرصہ تک باغیوں کا نہایت دلیری سے مقابلہ کرتے رہے۔ مگر گولی بارود ختم ہو جانے کے باعث ہتھیار رکھ دینے پر مجبور ہو گئے اس قلعہ پر بھی بچہ سقہ کا پھریرا لہرانے لگا۔ اور سردار صاحب موصوف کو گرفتار کر کے بچہ سقہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ بچہ سقہ نے سردار صاحب کے جوہر ضرب و حرب دیکھے تھے۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ سردار صاحب بچہ سقہ کے وزیر جنگ کی حیثیت سے فوجی خدمات انجام دیں۔ سردار صاحب نے صاف انکار کر دیا۔ اس انکار کی تاب بھلا بچہ سقہ کو کیونکر ہو سکتی تھی اس نے حکم دیا کہ سردار صاحب کی کل جائداد ضبط کر لی جائے ضبطیٔ جائداد کے بعد پھر طلب کیا گیا۔ اور پہلا سوال سردار صاحب کے سامنے پھر پیش کیا گیا۔ انہوں نے مردانگی سے جواب دیا کہ میں اس عہدہ کو آپ کی طرف سے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ حکم شاہی ہوا کہ ان کو سزائے تازیانہ دی جائے۔ اس سزا کے بعد پھر وہی پہلا سوال دہرایا گیا۔ سردار ممدوح نے کہا قول مردان جان دارد۔ میں کہہ چکا کہ موجودہ حکومت کا وزیر جنگ بننا میرے لئے باعث عزت نہیں ہے اس پر سردار ولی محمد خاں کو حکم دیا گیا کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر یا تو ۴ ہزار روپیہ بطور جرمانہ ادا کرو۔ ورنہ وزارت جنگ تو تمہارے لئے ہے ہی۔ اور اگر پھر بھی تم نے انکار کر دیا تو سزائے موت دی جائے گی۔ گویا بچہ سقہ کے نزدیک جرمانہ۔ وزارت جنگ اور قتل سب ایک قسم کی سزائیں تھیں۔ خواہ کسی پر جرمانہ کر دیا جائے خواہ وزیر جنگ بنا دیا جائے۔ خواہ قتل کر دیا جائے بات ایک ہی ہے۔

سردار عبدالہادی خاں صاحب سفیر افغانستان متعینہ لندن اور وزیر زراعت
و تجارت کو بچہ سقہ کے سامنے گرفتار کرکے پیش کیا گیا۔ سردار ممدوح ابھی
اسی خیال میں تھے کہ میرا کیا جرم ہے جو یہاں پیش کیا جا رہا ہوں کہ بچہ صاحب
بول اٹھے کہ سردار صاحب تم میرے وزیر خارجہ کی حیثیت سے کام کیا کرو۔
سردار صاحب نے کہا کہ میں معذرت چاہتا ہوں مجھے آپ کی کوئی وزارت
درکار نہیں ہے۔ بچہ سقہ بولا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ اور اپنے پٹھوؤں کو حکم دیا
کہ اسے لے جاؤ میں نے اسے اپنا وزیر خارجہ مقرر کر دیا ہے۔

لطیفہ

جس وقت غازی امان اللہ خاں قندھار جا چکے تھے اور بچہ سقہ کے سر میں تازہ تازہ
ہوائے حکومت اور نشۂ سلطنت تھا تو وہ جس کو جو عہدہ دینا
چاہتا زبردستی دیدیتا۔ خواہ وہ قبول کرے یا نہ کرے۔ جیسا کہ ابھی
آپ عبدالہادی خاں کے معاملہ میں دیکھ چکے ہیں۔ اور اس سے پہلے
سردار ولی محمد خاں کا ذکر ہو چکا ہے۔ چنانچہ یہی صورت شاہ امان اللہ خاں
کے وفادار روسی ہوا بازوں سے ہوئی۔ بچہ سقہ نے ان کو بلا کر کہا کہ ہم تم کو
ہوائی جہاز کی ملازمت بخشتے ہیں۔ وہ خوشی سے اس عطیہ و بخشش کو
قبول کرنا نہ چاہتے تھے لیکن قبل ازیں دو بڑے بڑے سرداروں کا
حشر دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے مناسب یہی سمجھا کہ اس بخشش کو شکریہ کے
ساتھ قبول کریں۔ سقہ صاحب خوش ہوئے کہ اب میرا حکم اٹل ہوتا جاتا ہے
اور لوگ خوشی سے میری ملازمت قبول کرنے لگے ہیں۔ دوسرے دن
وہ روسی ہوا باز تین ہوائی جہاز لے کر پرواز کو چلے۔ بچہ سقہ دیکھ رہا ہے
اور وہ بلندی پر اڑ رہے ہیں۔ اس کے دیکھتے دیکھتے دو ایک چکر لگا

اور سیدھے قندھار کو ہو لئے۔ بچہ سقہ دیکھتے رہ گئے۔ اور وہ یہ جا وہ جا۔

لطیفہ بر لطیفہ مثل مشہور ہے دودھ کا جلا چھاچھ پھونک کر پیتا ہے روسی ہوا بازوں نے قندھار کا رخ کیا گیا۔ کہ بچہ سقہ نے ہوائی جہاز سے کام لینا ہی چھوڑ دیا۔ ایک مدت تک تو سب کے سب ہوائی جہاز بیکار پڑے رہے۔ ایک روز خیال آیا کہ اگر ہوائی جہاز میں بادشاہ ہو کر بھی سیر نہ کی تو حسرت جی کی جی ہی میں رہجائے گی۔ بس اسی وقت حکم دیا کہ ہمارے لئے ہوائی جہاز لاؤ ہم سیر کریں گے۔ فوراً کئی ایک ہوائی جہاز آگئے۔ اور ساتھ ہی ان جہازوں کے ہوا باز بھی۔ پہلے تو بچہ سقہ نے خوب غور سے سب ہوا بازوں کو دیکھا۔ پھر پوچھا کہ تم میں سب سے اچھا جہاز راں کون ہے۔ سب نے کہا کہ ہم سب سند یافتہ ہیں۔ پھر پوچھا کہ میرا وفادار کون ہے۔ سب نے کہا ہم نے آپ کے خلاف کبھی کچھ نہیں کہا۔ پھر ان میں سے ایک کو انتخاب کیا اور کہا کہ دیکھو بس ٹھیک کابل کی سیدھ پر رہنا۔ ادھر اُدھر نہ جانا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ پھر پوچھا کہ تو نے کابل سے قندھار کا راستہ تو نہیں دیکھا؟ اس نے کہا خوب دیکھا ہے۔ بس فوراً آپ جہاز سے اُتر پڑے۔ اور کہا۔ کہ میں سب طرف نظر رکھتا ہوں۔ ابھی جہاز سے نہ اترتا تو یہ ہوا باز مجھے چند گھنٹہ میں قندھار پہنچا چکا ہوتا۔ اس نے ہر چند کہا کہ حضور میں ہرگز قندھار کو نہیں جاؤں گا آپ بیٹھیں تو سہی۔ مگر آپ نے دوسرا ہوائی جہاز اور نیا ہوا باز منتخب فرمایا۔ اور اس سے کہا کہ تم نے قندھار اور جلال آباد تو نہیں دیکھا؟ اس نے کہا حضور میں نے تو صرف کابل دیکھا ہے اور کوئی جگہ نہیں دیکھی۔ آپ نے اسے پسند فرمایا اور کہا میں نے سنا ہے کہ ہوا باز اور دھوکہ باز ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ بیٹھوں گا تو تمہارے ہی جہاز میں مگر اپنے بال بچوں کو یہاں لے آؤ۔ جب آسمان پر سے

مجھے صحیح سلامت اتار دو تو اپنے بال بچوں کو لیجانا چنانچہ آخر وقت تک اس کی حکومت میں یہی دستور رہا کہ جب کوئی ہوا باز پرواز کرے تو اس کے اہل و عیال گرفتار ہو جاتے۔ اور جب واپس آتے تو اہل و عیال رہا ہو جاتے۔ سچ ہے،

ہمیں کاٹا ہی جب سے سانپ نے رسی سے ڈرتے ہیں

بچہ سقہ اور روسی سفیر بچہ سقہ جو دوسروں کے مال و جائداد کو بھی اپنا ہی سمجھتا تھا۔ ایک روز سفیر روس سے بولا کہ چونکہ یہ عمارت جس میں تمہارا سفارت خانہ ہے ایک کوہ دامنی کی ہے۔ جو امیر حبیب اللہ خاں کے قتل کے سلسلہ میں مارا گیا تھا۔ اور اس کی جائداد و مکان بحق سرکار ضبط ہو گیا تھا۔ اس لئے میں حکم دیتا ہوں کہ اسے فوراً خالی کر دو۔

سفیر روس نے اس حکم کی تعمیل سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر بچہ سقہ نے شوں فوں شروع کر دی۔ اس نے کہا کہ تم ہو کس ہوا میں۔ میری حکومت سوویٹ تم کو افغانستان تو کیا کابل کا بھی حکمران تسلیم نہیں کرتی۔ اس لئے تمہارا کوئی حکم میرے لئے واجب التعمیل نہیں ہے۔ اور اگر تمہیں اپنی حکومت و بادشاہت کا ایسا ہی زعم اور دعویٰ ہے تو لاؤ وہ قرضہ ادا کرو جو حکومت سوویٹ سے حکومت غازی امان اللہ خاں نے لیا تھا۔ یہ جواب سُن کر بچہ سقہ سپٹائے اور یہ کہہ کر چپ ہو رہے۔ کہ "انگور کھٹے ہیں"۔

جدید احکام باغ عمومی میں بچہ سقہ نے ایک جلسہ منعقد کر کے حکم دیا کہ چونکہ امان اللہ خاں کافر ہو گئے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مجھے ان کے محلات میں سے بعض مجسمے اور عکسی تصاویر ملی ہیں۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ چیزیں پرستش کے لئے

نہ تھیں۔ بلکہ زیبائش کے لئے تھیں۔ بچہ سقہ نے اسے برسرِ جلسہ گولی مار دی۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ امان اللہ خاں کو "امانو" کہکر پکارا جایا کرے۔ جو اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا پچیس روپے جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔ اور "دار الامان" کو آئندہ "دار الحبیب" کہا جائے اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو پچیس روپے جرمانہ کے ساتھ پچیس ضربات "تازیانہ" کی سزا بھی دی جاتے گی۔ میری فوج میں ملازمت کرنے والے چونکہ غازی ہیں۔ اس لئے ان کو داڑھیاں منڈانے اور باقی سب کو داڑھیاں رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس داڑھی رکھنے کے حکم میں ہندو سکھ۔ اور مسلمان سب شامل ہیں۔

ایک دردانگیز واقعہ

خان عبد الرحمان افسر محصولات چنگی اور اُن کی بیٹی کو بچہ سقہ نے طلب کیا

عبد الرحمان صاحب سمجھ گئے کہ عزت کی خیر نہیں۔ اس لئے وہ وقت مطلوبہ پر نہ پہنچے۔ بچہ سقہ نے اپنے سپاہیوں کو بھیج کر ان کو بلایا۔ عبد الرحمان صاحب نے تعمیل حکم سے پہلے اپنی لڑکی پر ریوالور سے تین فائر کئے۔ لڑکی شہید ہو گئی۔ اس کے بعد حاضرِ دربارِ سقہ ہوئے۔ سقہ نے ان سے لڑکی کے قتل کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ کہ باپ ہو کر اپنے ہاتھوں اپنی بیٹی کو آپ کے پاس پہنچا دیتا۔ حکم ہوا کہ اس کو تازیانے لگانے کے بعد قید کر دیا جائے۔ اسی وقت تعمیلاً اس بیچارے کو پیٹ پاٹ کر جیل خانہ میں ٹھونس دیا گیا۔ یہ تھی شریعت سقہ شاہی جسے مُلّا اور پیر پوجنا چاہتے تھے۔ اس وقت کوئی ان سے پوچھتا کہ "کافر" امان اللہ خاں کی حکومت اچھی تھی یا بچہ سقہ کی۔

سقّہ شاہی استنباط و اجتہاد

بچہ سقہ نے ایک فرمان جاری کیا جس میں شاہ امان اللہ خاں کے گناہوں کی فہرست درج کی گئی۔ اور بیان کیا گیا کہ شاہ ممدوح نے ایسے مدرسے جاری کئے جن میں تاریخ اور جغرافیہ اور ریاضی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور ان میں لکھائی بائیں جانب سے دائیں جانب کو سکھائی جاتی تھی۔ جو شریعت کے خلاف ہے لہذا میں ایسے سب مدرسوں کو بند کر دینے کا حکم دیتا ہوں نیز شریعت حقہ اسلامیہ کی رُو سے نوعمر لڑکوں کے متعلق بھی وہی حکم ہے جو بالغہ لڑکیوں کے متعلق ہے۔ اس لئے ان کا تحفظ بھی ضروری ہے۔ اور اس وقت تک مکمل تحفظ نہیں ہو سکتا جب تک ان لڑکوں کے اسکول بند نہ کئے جائیں۔ پس مذہبی بادشاہ ہونے کی حیثیت سے میرا پہلا فرض ہے کہ میں لڑکیوں اور لڑکوں کی ایک جیسی حفاظت کروں۔ اس وجہ سے میرا حکم ہے کہ لڑکوں کے سکول بھی بند کر دئے جائیں۔

شرعی سزا

جن مہذب اور روشن خیال افغانوں اور اہلکاروں نے شاہ غازی امان اللہ خاں کے زمانہ میں جدید فیشن اختیار کر لیا تھا۔ اور داڑھیاں منڈائی تھیں اور وقتی رواج کے مطابق وہ داڑھی کو اب بھی زیادہ اہمیت نہ دیکر صاف کرا دیتے تھے۔ ان کے لئے بچہ سقہ نے یہ "شرعی سزا" تجویز کی کہ ایک لوہے کی بڑی سی کڑھائی میں دودھ اور روٹی کا ملغوبہ تیار کیا۔ اور اس کو کتوں کی غذا بنایا۔ جب کتے کھا چکے تو اپنے گروہ امنیوں اور حمائیتوں کو جمع کر کے ان کے سامنے ملازمین فیشن پرست اور داڑھی نہ رکھنے والوں کو طلب کر کے زبردستی کتوں کا پس خوردہ کھلایا گیا۔ شرط یہ تھی کہ ہاتھ سے نہیں کھا سکتے۔ کیونکہ اس میں انسانیت

کا رنگ نظر آئے گا۔ کڑھائی میں منہ ڈالکر کھائیں تاکہ حیوان کی پوری مشابہت پیدا ہوجائے۔ اور اس کا سبب یہ بتایا کہ داڑھی منڈانے والے اور کتے میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اب کوئی جا کر ان مولویوں سے پوچھے کہ یہ سزا کونسی شریعت میں جائز ہے۔ اسلامی شریعت تو اس سے پاک ہے۔

بچہ سقہ کے اعلانات

ذیل میں ہم ناظرین کی ضیافت کے لئے چند احکام و فرامین کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ان کے مطالعہ سے آپ کو سقہ شاہی پالیسی کا حال واضح ہوجائے گا۔

بچہ سقہ نے تخت حکومت پر نزول اجلال فرمانے کے بعد اپنے آپ کو غازی حبیب اللہ خاں کے لقب سے ملقب کیا اور سب سے پہلے یہ فرمان دنیائے اسلام کے نام شائع کیا:۔

"میری زندگی کے حالات سے آپ کو روشن ہوگیا ہوگا کہ میں ایک غریب شخص ہوں۔ مجھ کو امیر یا بادشاہ بننے تک کا خیال نہ تھا اور نہ کبھی یہ امنگ میرے دل میں پیدا ہوئی۔ معزول شاہ امان اللہ خاں کے بعض رفقا جو مذہب اور ایمان سے برگشتہ ہوکر صراط مستقیم سے بھٹک گئے تھے۔ مجھ کو چور ڈاکو کہا کرتے تھے۔ حالانکہ میں ہمیشہ سے اسلام کا خادم اور علمار کرام کا نیاز مند ہوں۔

امان اللہ خاں نے جب یورپ کا اتباع کرکے ان کے عقائد کو قبول اور شرع محمدی کو ترک کردیا اور ان حضرات کی مخالفت شروع کی جو شریعت اسلامیہ پر کاربند ہیں نیز علما کو مختلف علاقوں میں منتشر کردیا۔ اور ان کے خلاف نفرت و حقارت کا اظہار کیا۔ تو میں میدان میں آنے پر مجبور ہوگیا۔ میرا فرض تھا

کہ میں خدا اور اس کے رسول کی عزت کو برقرار رکھوں۔ اور ان لوگوں کے مقابلہ میں شمشیر بکف ہو جاؤں جو مذہب سے دور جا پڑے ہیں میں چار برس تک بھوکا پیاسا پہاڑوں اور ریگستانوں میں پھرتا رہا۔ راتوں کو میں علمائے اسلام کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کے ارشادات سے متمتع ہوتا تھا۔ آخر سمت جنوبی کے خدام مذہب امیر امان اللہ خاں کے خلاف ہو گئے۔ اس مخالفت کے دوران میں امیر نے اپنے عقائد دخیالات سے توبہ کرلی تھی۔ لیکن پھر انھوں نے اپنے وعدوں کو توڑ دیا۔ اور علما نے آخر ان کے خلاف زندیق ہونے کا فتوی لگا دیا۔

میں چونکہ اسلام کا ادنی خادم ہوں۔ اس لئے متفقہ طور پر لوگوں نے مجھ کو امیر منتخب کیا۔ میرا منشا صرف خدا کی راہ میں جہاد کرنا اور امان اللہ کو تخت سے اتار دینا تھا۔ اور میں نے یہ خدمت محض اسلام کی اشاعت و ترویج کی خاطر قبول کی تھی۔

مختصر یہ کہ میں نے امان اللہ کو متنبہ کیا کہ شریعت اسلام کے پیرو اس کو کافر سمجھتے ہیں اور اپنا امیر نہیں مانتے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ وہ تخت و تاج کو کسی ایسے خادم اسلام کے حوالہ کر دے جس کو سارا افغانستان تسلیم کرلے۔

امان اللہ کے پاس بیشمار دولت تھی۔ بندوقیں توپیں ہوائی جہاز اسلحہ گاڑیاں اور بارود خانے تھے۔ اور وہ اپنے اس سامان پر مغرور و نازاں تھا۔ اس نے باغیوں کو اعلانات کے ذریعہ ڈرایا دھمکایا۔ لیکن ایماندار مسلمان جو اس خادم دین (یعنی بچہ سقہ) کے رفقائے کار تھے ان دھمکیوں سے متاثر نہ ہوئے۔ انہوں نے قرآن حکیم کی آیات کو اپنا ورد قرار دیا۔ اور محض ڈنڈوں کی طاقت سے امان اللہ خاں کے سارے سامان کو چھین لیا۔ اور اس کارروائی میں نہ تو کوئی جان ضائع ہوئی اور نہ مال تباہ ہوا۔

امان اللہ خاں نے جب دیکھا کہ وہ تنہا رہ گیا ہے تو وہ اپنے بھائی کے حق میں تاج وتخت سے دستبردار ہو گیا۔ اور اپنی دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ لیکن ملک اس کو رنڈین سمجھتا تھا اس اعلان سے متاثر نہیں ہوا۔

مسلمانان عالم! میں اس اعلان کے ذریعہ آپ کو آگاہ کرتا ہوں۔ کہ افغانستان کے تمام علمائے کرام۔ سادات عظام اور رعایا نے میری بیعت قبول کر لی ہے اور مخالف وموافق سب میرے مطیع ہو گئے ہیں۔ آپ سے عرض ہے۔ کہ آپ بھی افغانستان پر اس شخص کی امارت کو تسلیم کر لیجئے۔ جس کا نصب العین اعلائے کلمتہ الحق ہے۔ حکومت نہ تو کسی کا ورثہ ہے اور نہ کسی خاندان کی ملکیت۔ اس کے ثبوت میں۔ میں طالوت کا قصہ اور قرآن حکیم کے دوسرے سیپارے کے آخری حصہ کی آیات کو پیش کرتا ہوں جن میں بتلایا گیا ہے کہ ملک اللہ کا ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا ملک حوالہ کر دیتا ہے۔"

ایک اور اعلان سقہ شاہی دربار سے اس مضمون کا شائع ہوا تھا کہ:۔ افغانستان کے باشندوں نے امان اللہ خاں کی اطاعت کا محض اس لئے وعدہ کیا تھا کہ وہ شریعت کے مطابق حکومت کریں گے۔ لیکن انہوں نے ان شرائط کو پورا نہیں کیا جن کی رو سے رعایا پر ان کی اطاعت واجب ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنے اسلامی طریقے کو ترک کر دیا۔ یورپ کے لباس اور انگریزی ٹوپی کو رواج دیا۔ داڑھی منڈوائی۔ عورتوں کے برقعے اتروا دیئے اور لڑکیوں کے لئے مدارس کھولے۔ جہاں ان کو یورپین طریقہ پر تعلیم دی جاتی تھی اور تعلیم کے لئے لڑکیوں کو دوسرے ممالک میں روانہ کر دیا۔ علاوہ بریں امان اللہ نے علمائے اسلام اور ملاؤں سے نہایت ہتک آمیز سلوک کیا۔ غرض موجودہ صورت حال کی تمام تر ذمہ داری امان اللہ پر ہے۔ اس نے

شریعت اسلام ترک کر دی۔ اور کفار کا طریقہ اختیار کر لیا۔ مثلاً اس نے قمری سال کا حساب ترک کر کے شمسی سال کو اختیار کیا۔ جمعہ کو جمعرات بنا کر مذہب میں مداخلت کی حضرت صاحب شور بازار کو قید کیا۔ ملا عبد الرحمن کو قتل کیا۔ امان اللہ کو علمائے اسلام اور مذہبی لوگوں سے دلی عناد ہے۔ اور اس کا ایمان متزلزل ہو گیا ہے پیغمبر اسلام صلعم کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم اور عالموں سے نفرت کرتا ہے خدا اور پیغمبر صلعم سے نفرت کرتا ہے اور جو شخص احکام خدا کی اطاعت نہیں کرتا وہ کافر ہے"

علما کو خطاب ایک اعلان میں بچہ سقہ نے علما کو خطاب کر کے دعوت عمل دی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

"اس خادم دین نے مذہب کی مدافعت کی اور علما کی حمایت سے کابل کی واجب الاحترام سرزمین کو زندیقوں اور ملحدوں کے وجود سے پاک کرالیا۔ اور ایک مرتبہ پھر مقدس پیغمبر کی شریعت کا علم بلند کیا۔ کیا تمہیں وہ دن یاد نہیں جبکہ کابل کی سرزمین یورپ سے بھی زیادہ پلید ہو چکی تھی۔ اور کیا تمہیں یاد نہیں کہ ۱۳۴۷ھ میں دو شعار سنگلوں میں سے کتنے مدت کے گھاٹ اتارے گئے جس طرح خدائے بزرگ و برتر نے اسرائیلیوں کو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون کے پنجہ ظلم سے نجات دلائی۔ جلیں اسی طرح افغانستان کو لکا لیفت سے میں نے چھٹکارا دلایا۔

اے وہ جو اسلام کے جذبے کی آبیاری کرتے ہو۔ اور اے جو ہمارے مذہبی مقتدا ہو۔ جان لو کہ افغانستان میں اس وقت بعض ایسے بھی قبائل ہیں جو مسلمان ہونے کا دعوی کرتے ہوئے پیغمبر کی اطاعت سے گریزاں ہیں۔ انہوں نے ہمارے پیغمبر کے اس زریں ارشاد کو بھلا دیا ہے۔ کہ تمام مسلمان آپس میں

اگرچہ سب کے سب تقریباً منتشر اور بے سروسامان تھے۔ سردار علی احمد جان کی حالت ابتداً میں اچھی تھی۔ گورنر جلال آباد تھے لیکن بعد میں جب انہوں نے اعلان شاہی کیا تو گورنری بھی ہاتھ سے گئی۔ اور اعلان بادشاہی انہیں راس نہیں آیا جب نادر خاں افغانستان جاتے ہوئے چند روز پشاور میں ٹھیرے تھے تو وہ بھی بعض مصالح ملکی کو مدِ نظر رکھکر پشاور آئے تھے۔ دونوں جلیل المرتبت افغانی محبانِ وطن کے درمیان دیر تک گفتگو ہوئی تھی۔ اور سردار صاحب نے اپنی بادشاہت کے اعلان کی وجوہ پر کافی روشنی ڈالی تھی۔ اور بتایا تھا کہ یہ سب کچھ امان اللہ خاں کے لئے تھا۔ نادر خاں تو پشاور سے خوست چلے گئے اور سردار صاحب قندھار کو ہولئے قندھار پہنچکر انہوں نے پوری طرح شہر کو مستحکم کرلیا۔ کیونکہ قندھار کے قرب وجوار میں سلیمان خیل اور بچہ سقہ کی کچھ فوج پڑی ہوئی تھی سردار صاحب نے مزید استحکام ومضبوطی کے لئے شہر کے دروازے بند کرادیے۔ اور قلعہ کی فصیل کو توپوں سے مسلح کردیا۔

قندھار کا حشر

علی احمد جان کے قندھار پہنچنے اور تمام انتظامات کے مکمل کرنے کے بعد بچہ سقہ کی فوج اور اس کے حامیوں کا کا خیل کو قندھار پر قابو پانا سخت دشوار تھا۔ اس لئے انہوں نے کھلے میدان میں مقابلہ نہیں کیا بلکہ میر محمد عمر صاحب سے جاکر درخواست کی کہ کسی طرح قندھار کو فتح کرادیجئے۔ تو آپ کی کرامت مانیں اور ہمیشہ آپ کے مرید رہیں گے محمد عمر جو عیاریوں میں اپنے ہمعصر پیروں کے بھی کان کترتا تھا فوراً سقوط قندھار کا سامان اپنے ہاتھوں سے کرنے کو تیار ہوگیا۔ عین ایسی حالت میں کہ علی احمد جان بذاتِ خود فصیل پر توپچیوں کو ہدایات دے رہے تھے جہاں سے آتشبازی کر کے محاصرین کا قلع قمع کیا جاسکتا تھا محمد عمر ان کے پاس گیا۔ دربان نے شہر کے

اندر جانے سے روک دیا لیکن اس نے کہا کہ تم جانتے ہو میں سردار علی احمد جان کا دوست ہوں۔ اور وہ مجھے اپنا پیر سمجھتے ہیں۔ اگر تم نے اس وقت مجھے روک دیا تو تم دونوں تباہ ہو جاؤ گے۔ اور قندھار میں خون کا دریا بہتا ہوا نظر آئیگا بہتر ہے کہ تم مجھ سے تعرض نہ کرو میں تمہاری بھلائی کے لئے یہاں آیا ہوں ورنہ میں فقیر آدمی مجھے ملکی معاملات سے کیا سروکار۔ اس مکار کی تقریر سے متاثر ہو کر دربان نے دروازہ کھولدیا۔ دروازے کا کھلنا تھا کہ غلزئی اور کچھ لوگ جو بچہ سقہ کے حامی تھے سب گھس پڑے۔ سردار علی احمد جان کو اس کارروائی کی مطلق خبر نہ تھی۔ یہ ضرور صحیح ہے کہ سردار موصوف پیر مذکور کا ادب کرتے تھے۔ اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسی وجہ سے دربان دھوکا کھا گیا۔ ادھر سردار صاحب تو پچیوں کو ہدایات دینے میں مصروف تھے اور ادھر غلزئیوں کے شہر کے اندر گھس آنے کا غل ہوا۔ اب سردار صاحب کو معلوم ہوا۔ کہ وہ خود بھی سقویوں کے قبضہ میں ہیں۔ ایسی حالت میں سردار صاحب کے سپاہی گھبرا گئے اور جان بچا کر راہ فرار اختیار کی۔ مگر سردار صاحب نے ہمت نہ ہاری۔ اور جھٹ اپنے دو ایک جاں نثار دوستوں کو ساتھ لے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور ساری فوج سے مقابلہ کے لئے باہر نکل آئے۔ دائیں ہاتھ میں تلوار تھی اور بائیں میں پستول۔ مخالفین دکانوں وغیرہ پر مورچے بنا چکے تھے سردار صاحب کو دیکھتے ہی انہوں نے فیر شروع کر دیا۔ آپ کا گھوڑا چھ گولیاں کھا کر ہلاک ہو گیا لیکن آپ برابر میدان حرب وضرب میں ڈٹے رہے ہر قدم آگے کی طرف بڑھتا رہا۔ آپ کے دوست بھی زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ مگر آپ نے قدم پیچھے نہ ہٹایا تھوڑی دیر میں پستول خالی ہو گیا۔ اور تلوار بیکار۔ اب آپ کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا یہ دیکھ کر بچہ سقہ کا ایک آدمی آپ کی طرف بڑھا۔ اور وار کرنا چاہتا ہی تھا

کہ آپ نے اس کے ایک ایسا مکا رسید کیا کہ بیچارہ بلبلا کر رہ گیا ساتھ ہی اس سے
پیٹی اور بندوق چھین لی۔ اور پھر سر گھوم کے پکار رہے تھے۔ لیکن بغیر پیٹی اور بندوق
کب تک کام دیتی۔ اور تنہا پوری فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ گولیاں ختم ہو گئیں
اور بچہ سقہ نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ [illegible]

علی احمد جان کا دردناک قتل

پھر سردار صاحب بچہ سقہ کے روبرو پیش کئے گئے۔ تو اس نے کہا کہ تم نے جلال آباد میں بادشاہی کا اعلان کیا تھا۔ اس پر سردار علی احمد جان نے نہایت جرأت سے کہا کہ ہاں میں نے اعلان کیا تھا۔ اور میں ہی اعلیٰحضرت کے بعد تخت کابل پر بیٹھنے کا حقدار ہوں۔ تجھ جیسا چور، ڈاکو، رہزن اس قابل نہیں۔ اگر تو میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دے گا تو میں تجھے سوائے بچہ سقہ کے اور کچھ نہ کہوں گا۔ اور نہ تیری بیعت کروں گا۔ اس پر سقہ نے انہیں قید کر دیا۔ اور پیروں میں موٹی موٹی زنجیریں ڈالدیں۔ ننگے سر و پا برہنہ بازار میں پھرایا۔

کچھ عرصہ بعد سردار صاحب پھر بچہ سقہ کے سامنے پیش کئے گئے۔ بچہ سقہ کے قاضی نے فتویٰ دیا کہ چونکہ علی احمد جان نے امیر حبیب اللہ بادشاہ اسلام کے خلاف بغاوت کی ہے لہذا اس کی سزا قتل ہے۔ بچہ سقہ نے کہا کہ ایک شرط پر تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تم اپنا تمام روپیہ میرے حوالے کر دو جس کے جواب میں سردار صاحب نے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی ہے کہ تخت حکومت پر بیٹھ کر بھی تمہارے وہی ڈاکوؤں کے سے خیالات ہیں۔ اگر میرے پاس روپیہ ہوتا تو میں تمہاری کھوپڑی میں پانی پیتا۔ اور کہا کہ میں نے تمکو گرفتار کر لیا تھا مگر میری غلطی کہ بعد میں تم کو چھوڑ دیا۔ پھر بچہ سقہ

نے کہا کہ اور کچھ سوال ہو تو کہو۔ سردار علی احمد جان نے کہا کہ کچھ سوال نہیں ہیں تم کو بادشاہ ہی تسلیم نہیں کرتا تم ڈاکو ہو۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ مجھے توپ کے منہ نہ اڑایا جائے بلکہ تلوار سے ہی گردن زدنی کی جائے۔ مگر اس ظالم نے یہ بات نہ مانی اور کہا کہ وہ توپ ہی سے اڑائے جائیں گے۔ جب آپ توپ کے منہ اڑائے گئے تو آپ کی عمر ستر سال کے قریب تھی۔ چہرے پر تبسم تھا۔ جب سردار صاحب توپ کے پاس پہنچے تو بچہ سقہ نے حکم دیا کہ وہ توپ کے آگے باندھے جائیں چنانچہ آپ توپ کے منہ کے آگے اس بری طرح جکڑے گئے کہ ہاتھوں کی ہڈیاں چٹخنا شروع ہو گئیں مگر آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا اور نہ آنکھ جھپکی وہ اس وقت پریشان نظر نہیں آتے تھے بلکہ مسکرا رہے تھے۔ اس اثنا میں توپ کا فائر ہوا صرف ہاتھ پاؤں جن کو باندھ دیئے گئے تھے وہ رہ گئے باقی سردار صاحب کا سب بدن اڑ گیا۔

موت بیشک بخار، طاعون، اور دق سے بھی واقع ہوتی ہے۔ مگر یہ ایسی موت ہے جس کی رو سے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

نادر خاں کے سر کی قیمت

اس کانٹے کو راہ سے دور کرنے کے بعد بچہ سقہ نے نادر خاں کی طرف پوری توجہ کی کیونکہ اس کے نزدیک یہی سب سے زیادہ خطرناک دشمن اسے نظر آتے۔ مختلف طریقوں سے اس نے کام لیا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس نے اعلان کیا کہ جو شخص نادر خاں کو زندہ گرفتار کر کے یا ان کا سر کاٹ کر پیش کرے گا۔ اسے ایک لاکھ روپیہ نقد دیا جائے گا۔ اور ان کے بھائیوں کی بھی گرفتاری اور قتل پر انعام مقرر کر دیا۔ لیکن جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ یہ ساری کارروائیاں بے سود ثابت

ہوتیں۔ اور نادر خاں کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا۔ جوں جوں نادر خاں کو تقویت حاصل ہوتی جاتی تھی، بچہ سقہ کے دل پر ایک ہول طاری ہوتا جاتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جس دن انہیں اتنی طاقت ہوئی کہ مجھ سے مقابلہ کرسکیں میری شامت آجائے گی۔ اس لئے اپنی ہر تدبیر کو ان کے خلاف ناکام دیکھ کر اس نے پروپیگنڈے کا حربہ استعمال کیا۔ جسے وہ غازی امان اللہ خاں کے خلاف کامیاب دیکھ چکا تھا۔ نادر خاں کو بھی اس نے ملحد قرار دیا اور ان کی لامذہبی کے افسانوں کو مشہور کرنا شروع کیا۔ نادر خاں بھی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں تھے سلطنتوں کو سنبھالتے اور لڑائیاں لڑتے ہی بڑھاپا آگیا۔ عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔ انہوں نے پروپیگنڈے بھی دیکھے تھے اور میدان ہائے حرب و ضرب بھی۔ یہ وہی نادر خاں تھے جنہوں نے ۱۹۲۹ء میں انگریزوں کو ناک چنے چبوا دئے تھے۔ پھر ان کے سامنے بچہ سقہ اور اس کی خفیف الحرکتیاں کیا حقیقت رکھتی تھیں۔ انہوں نے توپ و تفنگ کا جواب توپ تفنگ سے دیا۔ اور پروپیگنڈے کا جواب پروپیگنڈے سے دیا۔ آخر وہ اپنے جہاندیدہ مد مقابل سے پیش نہ لےجا سکا۔

جب بچہ سقہ نے نادر خاں کے سر کی قیمت ایک لاکھ روپیہ مقرر کی۔ تو نادر خاں نے فاتح کابل کے لئے ۲۶ لاکھ روپیہ کا انعام مقرر کیا۔ حالانکہ ان کے پاس ۲۶ لاکھ چھوڑ ۲۶ روپے بھی اس وقت نہ تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ چاروں طرف سے میرے ہی دوست اور بھائی کابل کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ مجھ سے کون یہ رقم مانگے گا۔ البتہ قبائل میں جنگجوئی کی قوت اور جوش ضرور ترقی کر جائے گا۔ جو ایسے موقعوں پر ہمیشہ مفید ثابت ہوا ہے اور یہی ہوا۔

بچہ سقہ کا انحطاط

بچہ سقہ نے چونکہ اپنے ظلم و ستم سے اہل کابل اور اس کے گرد و نواح کو اپنے مظالم و تشدد سے نالاں کر رکھا تھا۔ اور اس کی رعایا میں سے کوئی بھی اس سے خوش نہیں تھا۔ دوسرے جس روز سے سردار علی احمد جان کو قتل کیا تھا سب قبیلے اس کی اس حرکت سے سخت متنفر ہو گئے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ یہ عذاب جلد ہمارے سر سے دور ہو۔ ادھر کوہ دامنیوں کو تنخواہ کے ملنے میں دیر ہوئی کیونکہ بچہ سقہ نے اپنی نو ماہہ دور حکومت میں آمدنی کے تمام دروازے بند کر لئے تھے۔ مالدار تاجروں سے تحصیل بالجبر سے کب تک ملک کا کاروبار چلا سکتا تھا۔ روپے کی کمی ہوئی کچھ اس نے اپنے آڑے وقت کے لئے خزانہ محفوظ کر دیا تھا سپاہیوں میں بھی بے چینی اور بد دلی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ کسی حکومت کے لئے وہ آخری گھڑیاں ہوتی ہیں جب اس کے قبضہ سے اس کی فوج نکل جائے۔ یا فوج میں برداشتہ خاطری اور ابتری پھیل جائے۔ وہی حال بچہ سقہ کا ہوا۔ چنانچہ وسط ستمبر میں تقریباً تمام قبیلے غیر مطمئن نظر آرہے تھے۔ درانیوں نے موقع غنیمت سمجھ کر قندھار پر ایک زبردست حملہ کر دیا۔ اور بغیر ایک سپاہی کام آنے کے قندھار پر قابض ہو گئے۔ اور سارے میگزین اور خزانہ اور راشن پر قبضہ کر لیا۔ دوسری سمت کندر خیل میں ۱۵ گھنٹہ کی مسلسل جنگ کے بعد سقہ شاہی فوج شکست کھا کر فرار ہو گئی۔ یہاں بھی مشینوں اور بارود کا کافی ذخیرہ مل گیا۔ اور بالادہ پر حامیان نادر خاں کا قبضہ ہو گیا۔

بچہ سقہ نے ان حالات کو اپنے لئے پیغام موت سمجھا۔ اور رعایا میں اپنی ہر دلعزیزی کو بحال کرنے کے لئے ایک پیغام اس نے بڑی کوشش

سے علما اور فضلا سے جو اسے میسر آ سکتے تھے مرتب کرایا۔ اور کثرت سے اسے کابل اور اس کے ملحقات میں تقسیم کرایا۔ یہ اعلان بچہ سقہ کا تخت کابل سے آخری اعلان تھا۔ جو اس نے اپنے اخبار "حبیب الاسلام" میں بھی شائع کیا جس کا مضمون ہندوستانی اخبارات نے بھی اقتباسات میں درج کیا تھا۔ اس کا آخری اعلان ہونے کی وجہ سے ہم اسے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

بچہ سقہ کا آخری اعلان

کہ اس میں کوئی تعجب انگیز چیز نہیں ہے کوئی شخص گناہگار پیدا نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے ہر شخص اپنے اعمال وافعال اور اپنی ترقی کی رفتار کو بدل سکتا ہے۔

اسلام کی گذشتہ تاریخ میں بادشاہوں اور امیروں کی ایسی نظیریں موجود ہیں کہ انہوں نے نہایت پست حالت سے عروج حاصل کیا۔ اور پھر اپنے نیک اعمال کے باعث آج تک یادگار زمانہ ہیں۔

حضرت خالد بن ولید اسلام کے لائق ترین جرنیلوں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ جنگ احد میں حضرت رسول اکرم کے خلاف لڑے تھے۔ اور انہوں نے بارہا احکام نبوی کی خلاف ورزی کی اور سقوط مکہ کے وقت مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ باوجود ان باتوں کے انہیں معافی مل گئی۔ اور ان کی عزت کی گئی۔

تازہ مثالوں میں رضا خاں پہلوی ہیں۔ اور نادر شاہ تھے جو بادشاہ بن گئے تھے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ میری ذات کے خلاف اس قدر کیوں شور مچایا جاتا ہے اور اس پر کہ میں کابل کے مسلمانوں کا امیر منتخب ہو گیا ہوں کیوں چیخ و پکار

کی جاتی ہے۔

بچہ سقہ نے اپنے دستخطوں سے شہر کابل اور افغانستان کے دیگر مقامات میں ایک اعلان جاری کیا جس کے اہم اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

(۱) اشد جہاد و جانگداز جدوجہد کے بعد میں افغانستان سے اس شخص کو باہر نکالنے میں کامیاب ہو گیا ہوں جسے اہل افغانستان بالعموم اور ملا حضرات بالخصوص نہایت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے میں ملاؤں کا ادب و احترام کرنے پر مجبور ہوں اس لئے کہ انسان خواہ اس کی شخصیت کتنی ہی بڑی ہو۔ اس پر ملاؤں کا احترام واجب ہے جن پر فی الحقیقت ہمارے ملک کے کاروبار کا دارومدار ہے۔ ان کی عزت کے ساتھ افغانستان کا مفاد اس کی فلاح و بہبود وابستہ ہے کسی افغانی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ملاؤں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے۔ یا ان کے ادب و احترام میں کسی قسم کی کمی کرے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو وہ خدا کے غیض و غضب کا مستوجب ہے

(۲) میرا ارادہ کابل کے موجودہ قوانین میں تغیر و تبدل کرنے کا ہے میں اس نقصان کی تلافی کرنا چاہتا ہوں جو اہل کابل نے گذشتہ چند دنوں کے دوران میں جبکہ میرے اور امان اللہ خاں کے درمیان باضابطہ جنگ جاری تھی برداشت کیا ہے۔ اس قسم کی نقصانات کی تلافی کی صورت صرف یہ ہے کہ میں موجودہ قوانین کو منسوخ کر کے نئے قوانین جاری کروں چنانچہ میرا ارادہ تین عدالتوں کے قائم کرنے کا ہے جو ان قوانین کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کریں گی جنہیں میرے مشیران قانونی مرتب کریں گے۔ ان عدالتوں میں سے ایک عدالت تو سیاسی مقدمات کا فیصلہ کرے گی۔ دوسری عدالت ڈاکہ زنی اور چوری وغیرہ کے مقدمات کی سماعت کے لئے مخصوص ہوگی۔ تیسری عدالت میں دیوانی حقوق کا فیصلہ ہو گا۔

(۳) میرا مقصد امسال افغان نوجوانوں کو تعلیم کی غرض سے ممالک غیر بھیجنے کا ہے
انہیں تعلیم یافتہ نوجوانوں میں سے عدالتوں کیلئے قاضی مقرر کئے جائیں گے
(۴) میرا ارادہ ملک کی فلاح و بہبود اور اس کے مفاد کے لئے پوری سرگرمی
کے ساتھ کام کرنے کا ہے میں افغانستان کے لوگوں کو اس امر کا یقین دلاتا
ہوں کہ میرے عہد حکومت میں ان کی جانیں اور ان کے مال بالکل محفوظ رہیں گے
میرے عہد حکومت میں شہر میں قیام امن کے لئے پوری کوشش کام
میں لائی جائے گی۔ حملہ آوروں اور باغیوں سے ملک کو محفوظ رکھنے کے لئے
پولیس اور فوج کو کامل طور پر منظم کیا جائیگا۔
(۵) ہر قسم کی شکایات میں غور سنوں گا اور ان کے متعلق مناسب کارروائی
کرنا میرا فرض ہے۔
(۶) اپنی رعایا کی سہولت کے لئے میں نے حکم صادر کیا ہے۔ کہ اشیاء خورد
نوش نہایت کم قیمت پر فروخت کی جائیں میں آج کی تاریخ سے ان تمام محاصل
کو جو میری طرف سے میری رعایا پر عائد کئے گئے تھے منسوخ قرار دیتا ہوں۔
(۷) تمام وہ سیاسی قیدی جو میری حکومت میں جیل میں مقید ہیں۔ رہا کیے جاتے
ہیں۔ اب صرف وہ لوگ قید میں رکھے گئے ہیں جنہوں نے میری جان لینے کی سازش کی
(۸) رعایا کے دلوں میں مذہبی احساس پیدا کرنے کے لئے میں اعلان کرتا ہوں
کہ کابل میں چند مدارس قائم کئے جائیں گے۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو یا سکھ
مذہبی تعلیم دی جائے گی۔ مختلف المذہب لوگوں کے ساتھ یکساں سلوک
کیا جائے گا۔ کسی ایک قوم کے ساتھ خاص رعایت نہیں کی جائے گی۔
سرکاری ملازمتیں بھی تمام لوگوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت ملیں گی۔ کسی شخص کو
کسی دوسرے مذہب میں دخل انداز ہونے کا حق نہ ہوگا۔ میرے عہد حکومت

ہر شخص اپنی پسند کی رہائش میں آزاد ہے۔

(۹) افغانستان سے ہندوستان کو مسافروں کی روانگی کے لئے میں عنقریب انتظامات کرنے والا ہوں۔ بہت جلد کابل سے پشاور تک ہوائی سروس جاری کر دوں گا۔

(۱۰) سقہ کی حکومت کے متعلق جو احکام اس نے صادر کئے تھے۔ ان کو منسوخ کرتا ہوں۔ ایک خاندان میں صرف ایک شخص ریوالوروں کے ماسوا صرف ایک ہتھیار رکھ سکتا ہے۔ چاہے وہ بندوق ہو یا تلوار۔

(۱۱) میں رعایا کو بالعموم اور علماؤں کو بالخصوص اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ میں ان کی خدمت کے لئے ہر وقت حاضر ہوں۔ میرے اپنے دوران حکومت میں کوئی ناگوار واقعہ رونما نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں اپنے آپ کو ایک تنخواہ دار ملازم سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا۔ حکومت کا انتظام مشیروں کی ایک جماعت کے ذریعہ سے عمل میں آئے گا جو وقتاً فوقتاً شرع اسلامی کے مطابق حسب ضرورت قوانین بنائے گی۔

لیکن یہ اعلان اسی طرح بے سود ثابت ہوا جس طرح پبلک کے جوش و بغاوت کے وقت امان اللہ خاں کی واپسی اصلاحات کا اعلان بیکار ثابت ہوا تھا۔ روز بروز اس سے نفرت وحقارت کے جذبات بھڑکتے گئے۔ اگرچہ اس نے اپنے جبر و ظلم سے لوگوں کے اندر یہ جرأت باقی نہیں رہنے دی تھی کہ وہ اس کے خلاف لب کشائی کر سکیں۔ تاہم دلوں کے جذبات تنفر و بیزاری کو کون بدل سکتا ہے۔

نادر خاں اس حالت کو بغور مطالعہ فرما رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ سقے کی حکومت کمال تک پہنچکر رنگ مدہم ہو چکا ہے۔ بس یہی وقت ہے

کہ پوری طاقت سے چوٹ لگائی جائے۔ اور جیسی چوٹ پڑے گی ویسا ہی کام کرے گی۔ گرم لوہے کی سلاخ کو جدھر چاہو موڑ لو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی شاہ محمد ولی خاں کو ہدایت بھیجی کہ میں کابل سے دور ہوں اور میرا یہیں رہنا مناسب ہے۔ تم بڑھو اور کابل کا محاصرہ کر لو۔

کابل کی تسخیر اور شاہ ولی خاں کا فاتحانہ داخلہ

حسب ہدایت شاہ ولی خاں نے فوراً وادی لوگر سے پیش قدمی کی [illegible] پر حملہ کیا۔ اور وہاں سے بڑھ کر کابل کا محاصرہ کر لیا۔

نادر خاں نے شاہ محمود خاں کو بھی شاہ ولی خاں کی امداد کے لئے روانہ کر دیا۔ اور ہدایت کی کہ جنگ کے دو محاذ قائم کر کے بیک وقت دونوں طرف سے حملہ کر دیا جائے۔ بچہ سقہ اور اس کے حامیوں نے سر توڑ کوشش کی لیکن کوہستانی چور سے باقاعدہ دو طرفہ جنگ کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے۔ پیر اکھڑ گئے اور دُم دبا کر بھاگے۔ سردار شاہ ولی خاں شہر کابل میں داخل ہو گئے۔ اس وقت فاتح سردار کی مسرتیں انتہائی درجہ پر پہنچی ہوئی تھیں۔ کوئی دوسرا فاتح ۲۶ لاکھ روپیہ لیکر بھی ایسا خوش نہ ہوتا جو اس مخلص و ہمدرد قوم فاتح سردار شاہ ولی خاں کو خوشی تھی۔ فتح کابل کی خبر آناً فاناً دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی۔

قلعہ ارک کا محاصرہ اور بچہ سقہ کا فرار

بچہ سقہ سلطنت سنبھالنے کی استعداد تو نہ رکھتا تھا لیکن اس کے چالاک و عیار ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اس نے نادر خاں کے اہل خاندان اور شاہی خاندان کے بعض سربرآوردہ افراد کو اپنے ساتھ قلعہ ارک میں محصور کر لیا تھا۔ اور جس وقت

اور ایک کروڑ فٹ بھی مقرر اسی طرح ہو سکتی ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک ایک روپیہ رکھ کر طول دیا جائے تو ۸۵۶۷ میل اور ۱۳۰۴ گز زمین گھیرے گا۔ پورے افغانستان کا رقبہ کل ۲۴۵۰۰۰ مربع میل ہے گویا ملک کے چاروں طرف چاندی کی سڑک پہنچ سکتی ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ جنگ عظیم کے دوران میں بھی تمام ہو گیا۔ یہ خیال بڑی حد تک صحیح ہو لیکن افغانستان میں اس رقم کو جو صرف نو ماہ کے اندر نقصان کے اندازہ میں بتائی گئی ہے۔ ایک ایک روپیہ برابر رکھ کر پھیلایا جائے تو بلجیم جیسے تین ملکوں کی وسعت کی ضرورت ہے کیونکہ بلجیم کا سارا رقبہ ۱۱ ہزار چار سو میل مربع ہے اور یہ چاندی کی لائن ۸۵۶۷ میل سے بھی زیادہ طویل ہے۔

اس نقصان کی رقم کا اندازہ گولی بارود۔ عمارات۔ کارخانہ جات۔ مشینیں میگزین۔ تجارتی سامان۔ سامان آرائش۔ کتب خانہ۔ توپ خانہ۔ خزانۂ شاہی وغیرہ کی بربادی سب کو شامل کر کے لگایا گیا ہے۔ مال و آدمیوں کا جانی نقصان اس کے علاوہ ہے۔ اور دو لاکھ نفوس کا شمار کیا گیا ہے۔ اگر کوئی معاند حکومت افغانستان سے برسرپیکار ہوتی تب بھی اسے اتنا بڑا دھکا نہ لگا سکتی۔ دو متحارب حکومتوں کے دوران جنگ میں دونوں طرف کا کم و بیش نقصان ہوتا ہے۔ اور دونوں متخاصم ممالک اپنے پورے بچاؤ اور داؤ گھات سے لڑتے ہیں۔ تاکہ جنگ کی افسوس ناک تباہی اور دشمن کے برباد کن حملہ سے حتی الوسع محفوظ رہیں۔ لیکن خانہ جنگی ایسی چیز ہے کہ اس میں سوائے اپنے ملک کی تباہی و بربادی کے کسی دوسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ دشمن ملک و قوم بچہ سقہ نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے

مخالفت کی تہمت بھی کسی مخالف نے نہیں لگائی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ بچہ سقہ نے
چند ماہ اس ملک سے غیب کی آتش کی طرح جب ظہور پذیر ہوا۔ تخت کابل پر بیٹھنے
کو تو کبھی اس نے خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ وہ دوسروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی
تھا۔ بعض اسے پیروں اور مولویوں کا آلہ کار قرار دیتے ہیں۔ اور بعض کسی
پر اسرار طاقت کا۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ ہمارے نزدیک تو پیروں اور
مولویوں کی پوزیشن بھی صاف نہیں ہے۔ مولوی اور پیر خود ایک مخفی ہاتھ کے
اشارۂ انگشت پر رقصاں ہوں تو بعید نہیں۔ ان کی کور دماغی اور تیرہ باطنی
شریعت حقہ کی نفی اور روح علوم دینیہ سے بے خبری کو بھی اس میں کافی حد تک
دخل ہو سکتا ہے۔ اور حرص و آز دنیا نیچ و خود غرض پرستی سنہری روپہلی امیدوں
اور اپنی شخصیتوں کی پوجا کرانے کو بھی۔ لیکن نہ پر اسرار طاقتیں مولویوں اور
پیروں کے سوا کسی اور سے کام لیکر کامیاب ہو سکتی تھیں۔ نہ مولوی اور
پیر بچہ سقہ کے سوا کسی اور سے یہ قابل نفرت کام لے سکتے تھے جس پر
آنے والی افغانی نسلیں ہمیشہ اپنے قول و فعل سے لعنت بھیجیں گی۔ اور
اس بات پر ہمیشہ پچھتائیں گی کہ ہمارے آباؤ اجداد نے امان اللہ خاں
جیسے مشفق بادشاہ کو جس نے ملک و قوم پر غلامی سے آزاد کرنے کا ایک
عظیم الشان احسان کیا تھا۔ اور جو ترقی و تمدن کی بلند ترین منزلوں تک ملک و
قوم کو پہنچانا چاہتا تھا تخت و تاج سے محروم کر کے جلا وطنی پر مجبور کر دیا۔
اور اس کی جگہ بچہ سقہ نامی ایک ڈاکو کو تخت شاہی پر بٹھایا۔ اور تاج افغانی
اس کے سر پر رکھا۔ افغانستان کی تاریخ میں یہ واقعہ ناقابل فراموش
رہے گا۔ اور جب کبھی جو کوئی افغانی بچہ صفحات تاریخ کو الٹنے بیٹھے گا۔
اس الم ناک اور تباہی خیز انقلاب کو خون کے آنسوؤں سے رو رو کر

پڑھے گا۔ ۱۹۲۹ء کا انقلاب افغانیوں کی پیشانیوں پر ایک ایسا کلنک کا
ٹیکہ ہے جو مٹ نہیں سکتا۔ یہ وہ دھبہ ہے جس کے دور کرنے کے لئے
کوئی صابن مفید نہیں۔ یہ وہ انفعال انگیز فعل ہے جس کی ندامتیں آنکھوں
سے دریا بہا کر بھی افغانیوں سے دور نہیں ہو سکتیں۔ بچہ سقہ مر گیا مگر صدیوں
تک افغانیوں کے رونے کا سامان کر گیا۔ غنیمت ہے کہ نادر خاں افغانستان
کی آخری گھڑیوں میں آپہنچے۔ وہ بیکس و تہی دست تھے اور بے سروسامان تھے
ایسی حالت میں جو کچھ کر سکتے تھے کیا اور سچ تو یہ ہے کہ وہ کیا جو کوئی
نہ کر سکتا تھا۔ نبی کے سوا بھی اگر کسی کا کوئی مافوق البشریت کام معجزہ
کہا جا سکتا۔ تو ہم کہتے کہ نادر خاں نے کام نہیں کیا معجزہ دکھایا۔
وہ ہر طرح سے بے سروسامان ہی نہ تھے۔ بلکہ بیمار بھی تھے جان حزیں ہتھیلی پر
رکھ کر جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود پڑے۔ اور ان کے وجود
مقدس کو جس میں خلوص و ایمان کا سمندر موجزن تھا۔ اس ناپاک آگ کا
ذلیل شعلہ خفیف سے خفیف گزند بھی نہ پہنچا سکا۔ ایمان و خلوص کا سمندر
ناپاک آگ اور اس کے ذلیل شعلوں پر غالب آیا اور دم کے دم میں
ساری آتش حرب فرو ہو گئی۔ اب کہیں سے دھواں بھی اٹھتا نظر
نہیں آتا۔ ہر طرف سکون ہے اور اطمینان چین ہے۔ اور امن و امان۔

بچہ سقہ کی گرفتاری

جب قلعہ سے فرار ہو کر بچہ سقہ کوہدامن میں پناہ گزیں ہو گیا
تو شاہ محمود خاں جنہوں نے فتح کابل کے وقت شاہ ولی خاں کی
امداد کی تھی۔ اس کے تعاقب میں گئے۔ کوہدامنیوں نے اظہار اطاعت
کیا اور ہتھیار ڈال دئے۔ بچہ سقہ کے ساتھی اس پر آمادہ نہ تھے کہ ہتھیار

ڈالدیں۔ مگر اب سوائے اس راستے کے کوئی راستہ ہی نہ تھا کہ یا تو لڑکر جان دیدیں۔ یا اپنے کو مد مقابل کے حوالہ کردیں۔

اس وقت بچہ سقہ کو اپنی بیوی بے نظیر کا خیال آیا جس سے اس کو محبت ہی نہیں عشق تھا۔ پس اس کا خیال آتے ہی اس نے مردانہ وار لڑکر جان دیدینے سے اسے بہتر سمجھا کہ جان بخشی کی درخواست کے ساتھ ہتھیار ڈالدے۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی اسی بات کا مشورہ دیا۔ شاہ محمود خاں نے وعدہ کیا کہ میں تمہاری جان بخشی کی ضرور سفارش کروں گا۔ اگر تم نے ہتھیار ڈالدے اور ان خزائن و ذخائر کا پتہ بتادیا۔ جو بوقت فرار تم نے مخفی مقامات پر مدفون کردئے ہیں۔ بچہ سقہ نے ان سے وعدہ کیا کہ میں سب کچھ بتادوں گا چنانچہ جرنیل شاہ محمود خاں بچہ سقہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرکے غازی محمد نادر خاں کے پاس لائے۔ جو اس وقت افغانستان کے بادشاہ تسلیم کئے جاچکے تھے۔ جرنیل شاہ محمود خاں نے یہ بھی بتادیا کہ میں اس شرط سے ساتھ اسے گرفتار کرکے لایا ہوں اور جان بخشی کی سفارش بھی کرتا ہوں۔ نادر خاں نے کوہ دامنیوں کو جس میں تمام باشندگا کوہ دامن شامل تھے معافی دیدی۔ اور فرمایا کہ امید ہے کوئی جرگہ کیطرح بچے سقہ کو معاف کردیا جائے گا۔ بچہ سقہ نے شاہی معافی نامہ کا اعلان ہوتے ہی مخفی خزائن و ذخائر کا پتہ بتادیا۔ اور جب تک کہ جرگہ جیندروز کابل میں قیام کیا۔ جہاں خاطر مدارات سے اسے رکھا گیا۔ مگر اسے موت کا اندیشہ اب بھی تھا۔

بچہ سقہ کی آخری خواست اور گولی کا نشانہ

فطرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ایک ذلیل اور اسفل ترین رہزن کے قسمت میں

پہنائیوں میں محبت و الفت کے سچے جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دئے۔ کیا یہ امر تعجب خیز اور حیرت انگیز نہیں کہ ایک سفاک خونی ظالم جس کی شقاوت قلبی ضرب المثل ہو۔ اور جو ستم رانی میں فرد ہو۔ اپنے محبوب کے لئے انتہائی عاجزی سے آنکھوں میں اشک بھر بھر کر التجائیں کرے۔ یقیناً اس شجر یاس مجبوبی اور گل گلزار خوبی یعنی بچہ سقہ کی چہیتی بیوی "بے نظیر" کی بارگاہ حسن کے لئے یہ موتی کچھ زیادہ قیمتی تحفہ نہیں۔

تخت سلطنت پر غاصبانہ اقدام کرتے ہی حبیب اللہ نے "بے نظیر" سے جو حقیقی معنوں میں بے نظیر تھی۔ شادی کر لی۔ اور بزعم خود اسے ملکۂ افغانستان بنا دیا۔ مگر تقدیر کھڑی ہنس رہی تھی اور اس بات سے کلیتہً واقف تھی کہ چندر روز بعد ہی یہ حسین کھلونے توڑ پھوڑ کر رکھدئے جائیں گے۔ اور دنیا سے ان کا اخراج معمولات پر کسی قسم کے تاثرات نہ ڈال سکے گا۔

گرفتار ہونے کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکے گا تو وہ نادر خاں غازی کے پاس گیا۔ اور ان سے یہ درخواست کی کہ "میری بیوی بے نظیر کو میرے ساتھ زمین کا پیوند کر دیا جائے۔ تاکہ میرے بعد وہ مصائب و آلام کا شکار نہ ہو۔ افسوس! میں قدرت نہیں رکھتا ورنہ اسے اپنے کلیجہ میں بٹھا لوں جہاں دنیا کی گرم ہوا بھی اسے مس نہ کر سکے"۔

مگر چونکہ غازی نادر خاں ایک عام معافی نامہ شائع کر چکے تھے۔ اس لئے بچہ سقہ کو جینے کی کچھ امید ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ نادر خاں غازی نے بچہ سقہ کی صرف اس لئے آؤ بھگت کی تھی کہ وہ پوشیدہ خزائن اور اسلحہ خانوں کا پتہ بتلا دے۔ چنانچہ جب یہ معلوم کر لیا گیا تو علما و صلحا و اکابر قوم کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں یہ قرار پایا کہ بچہ سقہ۔ سید حسین اور اس کے گیارہ ساتھیوں

بے نظیر

بچہ سقہ کی چہیتی بیوی بے نظیر جو اپنے حسن میں بھی
بے نظیر سمجھی جاتی ہے اور جس سے اس نے بادشاہ بننے کے بعد
شادی کی تھی ۔

کا زندہ رہنا مفادِ ملی و قومی کے منافی ہے۔ لہٰذا ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیے۔ اللہ اکبر و زندہ باد غازی نادر خاں کے فلک شگاف نعروں سے ایوانِ مجلس گونج اٹھا اور گھسیٹ گھسیٹ کر ان بانیانِ شر و فساد کو باہر لے آئے۔ اور عین اسی جگہ جہاں سردار علی احمد جان مرحوم کو نہایت ظلم و ستم سے شہید کیا گیا تھا۔ کھڑا کیا۔ بندوقوں کی نالیں بلند ہوئیں ڈن ڈن کی آواز فضا میں منتشر ہوئی اور دھوئیں نے لوگوں کو مستور کر دیا۔ دو سکینڈ کے بعد جب دخانی ابر کچھ چھٹ گیا۔ تو خاک و خون میں تڑپتے ہوئے لاشے نظر آنے لگے۔

اے بے نظیر اپنی چوڑیاں توڑ ڈال۔ اپنے بال نوچ کھسوٹ لے کیونکہ تیرا سرتاج جسے دنیا ڈاکو کے نام سے یاد کرتی ہے اور جس کے باعث افغانستان کی تاریخ میں ایک خونیں ورق کا اضافہ ہوا۔ شارعِ عام پر ٹھنڈا پڑا ہے اس کی مستعدی اور سرگرمیاں معدوم ہو چکی ہیں۔

اے بدنصیب بیوہ تیرے حنائی دست و پا اور تیرے غازہ آلود رخسار کو اب اپنے خون آلودہ ہاتھوں سے وہ نہیں چھو سکتا۔

سچ ہے۔ دنیا جائے عبرت ہے۔ جو شخص نو مہینے تختِ سلطنت پر بیٹھ کر حکومت کرتا رہا۔ آج قعرِ مذلت میں گر کر فنا ہو گیا۔ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ چشمِ حقیقت بیں کیلئے یہ واقعہ بے حد سبق آموز ہے۔

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے مجلس کی

غازی محمد نادر شاہ

پیدائش حسب نسب

محمد نادر شاہ غازی والیٔ افغانستان جو کل تک جرنیل محمد نادر خاں کے نام سے مشہور تھے اور آج اعلیٰحضرت غازی محمد نادر شاہ کے لقب سے ملقب ہیں ۱۸۸۳ء میں دہرہ دون (ہند) میں تولد ہوئے۔ اگر جائے پیدائش کو وطن کہا جا سکتا ہے تو آپ کو اہل ہند نہایت افتخار کے ساتھ ہندوستانی کہنے کا حق رکھتے ہیں۔ اور واقعتہً اہل ہند کے لئے یہ بات ایک صد ہزار نازش و فخر ہے۔ کہ دہرہ دون کی چھوٹی سی بستی میں پیدا ہونے والا محکوم سرزمین ہند کی غلام فضا میں اٹھارہ انیس سال تک کی ابتدائی زندگی بسر کرنے والا۔ اور چرچ مشن ہائی سکول دہرہ دون میں الف بے تے سے میٹرک تک تعلیم پانے والا غریب الوطنی کی حالت سے ترقی کرتے کرتے آج تخت شاہی پر جلوہ گر نظر آ رہا ہے۔ تاریخ اسلامی کو چھوڑ کر باقی تمام عالم کی تاریخ میں ایسی مثالیں انگلیوں پر گننے کے لائق بھی دستیاب نہیں ہو سکتیں

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے۔ کہ ۱۸۷۹ء کی انگریزی افغانی جنگ میں امیر کابل یعقوب خاں کو شکست ہوئی اور وہ ہندوستان میں جلاوطن کر دئے گئے۔ انہی کے ساتھ نادر خاں کے پردادا اپنے دونوں بیٹوں یحییٰ خاں اور ذکریا خاں ہندوستان آئے تھے ہندوستان پہنچ کر یحییٰ خاں کے بیٹے محمد یعقوب خاں کے ہاں نادر خاں پیدا ہوئے۔

غازی محمد نادر خاں کے متعلق عام طور پر لوگوں کو بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ غازی ممدوح درانی خاندان سے ہیں لیکن یہ تفصیلاً معلوم

نہیں۔ کہ آپ کا تعلق حکمران خاندان سے ہے۔ بارک زئیوں میں سے امیر دوست محمد
خان سب سے پہلے حکمران بنے جن کے پوتے امیر عبدالرحمن خان تھے۔ اور
امیر عبدالرحمان خان کے پوتے غازی امان اللہ خان۔ امیر دوست محمد خاں
کے حقیقی بھائی سلطان محمد خان کے پوتے سردار محمد یوسف خان تھے۔ انہی
سردار صاحب کے فرزند ارجمند غازی محمد نادر خان ہیں۔ گویا غازی نادر خاں
کا خاندان چوتھی پشت میں غازی امان اللہ خان کے خاندان سے مل جاتا ہے
ذیل میں تفصیلی شجرۂ نسب درج کیا جاتا ہے:-

(ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹۰)

حاجی جمال خان
پائندہ خان

- سلطان محمد خان
  - سردار ذکریا خان
  - سردار یحییٰ خان
    - سردار محمد یوسف خان
      - محمد علی خان
      - شاہ ولی خان
      - سردار ہاشم خان
      - شاہ محمود خان
      - محمد نادر خان غازی — شاہ افغانستان (تاریخ تخت نشینی ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۹ء)
      - سردار محمد عزیز خان
    - سردار آصف خان (وفات ۱۹۲۳ء)
      - سردار محمد عمر خان
      - شاہ احمد خان
- امیر دوست محمد خان (وفات ۱۸۶۳ء)

(امیر مرحوم کے نو بیٹے تھے جنہیں سے اکبر خان سب سے زیادہ قابل تھا۔ مگر وہ باپ کی زندگی ہی میں اس جہان فانی سے رحلت کر گیا۔ اکبر خان کے بعد شیر علی، محمد افضل اور اعظم کے نام تاریخ میں آتے ہیں۔ شجرہ ذیل میں ہم صرف شیر علی اور محمد افضل کا ذکر کریں گے۔)

- امیر شیر علی خان
  - محمد ایوب خان
  - محمد یعقوب خان

(دونوں بھائیوں کی اولاد اس وقت ہندوستان میں ہے)

- محمد افضل خان
  - امیر عبدالرحمن خان
    - سردار نصر اللہ خان
    - امیر حبیب اللہ خان شہید
      - غازی امان اللہ خان (دستبرداری ۱۹۲۹ء، جلوس ۱۹۱۹ء)

(پائندہ خان بڑا مدبر شخص تھا۔ اس کے اکیس بیٹے تھے۔ سب سے بڑا بیٹا فتح محمد خان تاریخ افغانستان کا ایک نادر شخص تھا جس کے حسن تدبیر، دور اندیشی، کارروائی، اور اولوالعزمی کی مثالیں بڑی بڑی قوموں کی تاریخوں میں بھی کم ملتی ہیں۔ بیسواں بیٹا دوست محمد خان افغانستان کا امیر بن گیا تھا۔ اور وہ اپنی جوانمردی اور اولوالعزمی کی وجہ سے مشہور ہے۔ غازی امان اللہ خان دوست محمد خان کی پشت سے ہیں۔ اور غازی محمد نادر خان دوست محمد خان کے بھائی سلطان محمد خان کی پشت سے۔ لہٰذا تفصیلی شجرہ میں ہم نے پائندہ خان کے صرف دو بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔)

تعلیم و تربیت ابتدائی تعلیم سردار محمد یوسف خان (والد بزرگوار نادرخان) نے اپنی نگرانی میں گھر پر ہی مناسب سمجھی۔ ایک تو اس لئے کہ سردار مرحوم گرمی کا موسم منصوری اور سردی کا موسم دہرہ دون میں بسر فرماتے تھے اور اپنے چھوٹے بچوں کو علیحدہ رکھنا چاہتے تھے۔ ابتدا ہی سے اگر سکول کی پابندی کرتے۔ تو انہیں بچوں کو دہرہ دون میں چھوڑنا پڑتا۔ اور دوسری وجہ شاید یہ بھی ہو کہ وہ اپنی اولاد میں ایک خاص کیرکٹر اور روح پیدا کرنا چاہتے ہوں جو ان کی اپنی ہی نگرانی میں ممکن تھی بہر نوع چندے بعد انہوں نے اپنے لڑکوں کو جن میں نادر خاں بھی شامل تھے۔ دہرہ دون کے انگریزی مدرسہ چرچ مشن سکول میں داخل کرا دیا۔ نادر خان ذہین طلبہ میں سے تھے۔ ابتدا سے انہوں نے متفکر طبیعت پائی تھی۔ عام بچوں کی طرح کبھی بے معنی باتوں سے زبان آشنا نہ ہوئی۔ اپنی تعلیم پر پوری توجہ کرتے۔ اور ادھر اُدھر کی باتوں سے خاموش رہنا بہتر سمجھتے۔ لڑکے ایسے خاموش پسند کلاس فیلو سے بہت کم ربط ضبط رکھتے ہیں۔ اسی لئے آپ کے تعلقات سکول کے لڑکوں میں بہت محدود تھے۔ البتہ حسن اخلاق کی وجہ سے کسی کو شکایت کا موقع بھی نہ ملتا تھا۔ ذہانت و طباعی کے باعث چھوٹی چھوٹی جماعتیں طے کر کے آپ جلد ہی میٹرک تک پہنچ گئے۔ مردانہ کھیلوں اور ورزشوں سے آپ کو طبعی لگاؤ تھا۔ اس میدان میں وہ سب سے نمایاں نظر آتے تھے۔ اگرچہ جسامت و قامت کے لحاظ سے منحنی سے تھے۔

باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد نادر خاں کے والد سردار محمد یوسف خان نے کوشش کی کہ نادر خان کو افواج ہند میں کسی جگہ کمیشن (عہدہ۔ اقتدار) ملجائے لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ قدرت ایسے کام نہیں کرتی جب انسان اپنی محدود فہم و دانش کے نزدیک بہتر خیال کرے۔ بلکہ وہ ایسے کام

کرتی ہے جیسے خود بہتر سمجھتی ہے۔ اگر سردار موصوف جو اپنی کوشش کی ناکامی پر افسوس شکستہ خاطر ہوتے ہونگے۔ اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتے تو آج نادرخان تخت کابل پر نظر نہ آتے۔ اور اگر ان کے کارناموں پر نظر کی جائے تو اس امر کے یقین کرنے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہ نادرخان کی سرگرمیاں حکومت ہند کے حق میں جتنی زیادہ مفید ہونگی۔ افغانستان کے حق میں اتنی ہی زیادہ مضر اگر نادرخان ہندوستانی فوج کے سردار ہوتے۔ تو ۱۹۱۹ء میں بجائے اعلان استقلال افغانستان کے ہمارے کان کچھ اور سنتے۔

آبائی وطن میں جب امیر عبدالرحمان خان کے زمانہ میں سرزمین افغانستان کو امن وچین نصیب ہوا۔ اور حکومت ہند نے عبدالرحمن خان کو امیر کابل تسلیم کر لیا۔ تو اس جلاوطن خاندان کو بھی اپنے آبائی ملک میں جانے کی اجازت مل گئی۔ امیر عبدالرحمن نہایت بیدار مغز اور دوراندیش انسان تھا۔ اس نے سردار محمد یوسف خان وغیرہ کو شاندار عہدے دئے۔ اور اپنے بیٹے حبیب اللہ خاں کی شادی محمد یوسف خاں کی بیٹی یعنی نادرخان کی ہمشیرہ سے کر کے تعلقات کو استوار و مضبوط کر لیا۔ جب حبیب اللہ خاں تخت کابل پر بیٹھے۔ تو انہوں نے اپنے خسر کو اپنا مشیر خاص مقرر کیا۔ اور اپنے سالے نادرخاں کو فوج کا کرنل بنا دیا۔ نادرخان نے چندہی روز میں ترقی کر کے برگیڈیر کا عہدہ سنبھالا۔ اور اس کے بعد اپنی فوجی قابلیت کے سبب سے فوج کے جرنیل بنا دئے گئے۔ ان کی ہر لحظہ ترقی کرنیوالی طبیعت اب بھی مطمئن نہ تھی۔ اور جنگی لیاقت واستعداد مزید عروج کی ساعی اور سفارشی۔ چنانچہ چند روز بعد آپ نائب سپہ سالار افواج افغانیہ ہوئے اور اس کے بعد آخری جلیل القدر منصب سپہ سالاری پر مامور کئے گئے۔ امیر کی

حرف سے سردار اعظم کا خطاب تھا۔ اس عہدۂ عظیم القدر پر آپ امیر شہید حبیب اللہ خان کی زندگی تک فائز رہے۔ اور بطا بحث عمدہ سے اپنے ... منصبی کو ادا کیا۔ آپ کے دوسرے بھائیوں نے بھی نمایاں ترقی کی جس ... فوج کے سپہ ... شاہ کی حفاظت تھی۔ اس کے تمام ذمہ دار عہدے آپ کے خاندان کے افراد کے ہاتھ میں تھے۔

شخصیت ہندوستان میں غریب الوطنی کی طویل زندگی بسر کرنے کے بعد امیر عبدالرحمٰن خان کے تدبر کے طفیل میں آزادی وطن نصیب ہوا۔ اور یہاں کے دن صبر آسکتے تھے میدان ترقی کی وسعت جتنی اجازت دے سکی ترقی کی۔ اطمینان سے ... وقت گزر رہا تھا۔ کہ ایک نئی مصیبت نازل ہوئی یعنی ۲۰ فروری ۱۹۱۹ء کی رات کو جبکہ امیر حبیب اللہ خان جلال آباد آئے ہوئے تھے کسی نے انہیں قتل کر دیا۔ نادر خان حسب دستور امیر مرحوم کے ساتھ تھے۔ اس واقعہ قتل نے سارے ملک میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ جلال آباد میں امیر شہید کے ساتھ جس قدر وزرا تھے ان کے مشورہ کے مطابق سردار نصر اللہ خان برادر امیر شہید کو نیا امیر منتخب کر لیا گیا۔ اس وقت سردار عنایت اللہ خان ولیعہد تھے اور بجا طور پر انہوں نے اپنی امارت کا حق حاصل کرنا چاہا لیکن حالات نے ان سے مساعدت نہ کی۔ اور اب اس قصہ کو طول کیا دیا جائے۔ مختصر یہ کہ ولیعہد جو اپنے مرحوم باپ کی امارت کے جائز حقدار تھے محروم رہ گئے۔ کابل میں امان اللہ خان جو اپنے والد کے عہد میں کمانڈر اعظم افواج افغانیہ کے منصب پر ممتاز تھے۔ اور اس وقت اپنے والد کے قائم مقام تھے۔ انہوں نے اپنے باپ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے لئے فوج کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ اور باپ کی جگہ خود تخت نشین ہو گئے۔

قاتلوں کی تلاش و جستجو ہونے لگی۔ سردار نصر اللہ خان اور جرنیل نادر خان پر امیر شہید کے قتل کا الزام عائد کیا گیا۔ جس سے قدرتی طور پر امان اللہ خان کو یہ فائدہ پہنچا۔ کہ جرنیل نادر خان کا افواج افغانیہ پر جو اثر و اقتدار تھا وہ زائل ہو گیا اور جو فوج نادر خان کے اشارہ لب پر کام کرتی تھی۔ وہی ان کے خلاف آتش زیر پا ہونے لگے۔ امان اللہ خان نے تخت نشین ہوتے ہی ان تمام لوگوں کی گرفتاری کا حکم دیدیا جن پر قتل کا شبہ کیا جا رہا تھا۔ ان لوگوں میں نصر اللہ خان اور نادر خان بھی شامل تھے۔ نصر اللہ خان نے جب امان اللہ خان کی تخت نشینی کی اطلاع پائی تو اپنی امارت سے دست بردار ہو گئے۔ اور اپنے بھتیجے امان اللہ خان کو خط لکھا کہ میں تمہاری امارت کو تسلیم کرتا ہوں۔ اور اپنی امارت سے دستبردار ہوتا ہوں۔ اس خط کی نقل ہم امان اللہ خاں کی تخت نشینی کے سلسلہ میں ان کی سوانح عمری میں درج کر چکے ہیں۔ ہاں جلال آباد کی سپاہ نے جو بیعت نامہ امان اللہ خاں کو کابل بھیجا تھا اس کے بعض الفاظ یہاں نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں :-

"اعلیحضرت ہم امیر شہید کے قاتلوں کی جستجو میں اول دن سے مصروف ہیں۔ ہمیں جن لوگوں پر شبہ ہے ان میں چھ دیگر ملازمین درگاہ شاہی کے علاوہ نادر خاں بھی ہیں۔ ان سب کو ہم نے ان گیارہ محافظین سمیت گرفتار کر لیا ہے۔ جو شہادت کی رات کو محافظت کی ڈیوٹی پر لگے ہوئے تھے۔ ان سب کو جلد کابل لایا جائے گا۔"

چنانچہ یہ سب ملزمین جن میں امان اللہ خان کے چچا نصر اللہ خاں اور افغانستان کے آئندہ بادشاہ بننے والے نادر خاں بھی شامل تھے کابل میں قیدی کی حیثیت سے لائے گئے۔ ملک میں اور بھی کئی پارٹیاں اور

ان کے افراد شبہ کی نظروں سے دیکھے جا رہے تھے۔ چنانچہ بہت سی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ اور پوری تفتیش و تحقیق کے بعد بھی صحیح طور پر اصل قاتل کا پتہ نہ چل سکا۔ عدالتی تحقیقات کے نتیجہ کے طور پر ایک شخص کرنل غلام رضا کو قاتل ٹھہرایا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کی سزا پھانسی سے کم کیا ہو سکتی تھی۔ عدالت نے نادر خان اور نصر اللہ خان کو بیگناہ قرار دیا۔ عدالت سے رہا ہونے کے بعد نصر اللہ خان تو شاہی حکم سے نظر بند کر دئے گئے اور نادر خاں اپنے سپہ سالاری کے عظیم القدر عہدے سے گرا کر برگیڈیر بنا دئے گئے۔ برگیڈیر بنا کر بھی کابل میں ان کا قیام خلاف مصلحت سمجھا گیا۔ اور خوست میں فوج کی کمان کرنے کے بہانہ سے کابل سے دور پھینک دیا گیا۔

۱۹۱۹ء کی مشہور جنگ

۱۹۱۹ء کا سال ایک اعتبار سے افغانستان کے لئے ہولناک تھا۔ اور ایک اعتبار سے مبارک و مسعود۔ ہولناک تو اس لئے کہ ایک بے گناہ امیر رات کو سوتے میں قتل کیا گیا۔ اس کا بھائی اور وفادار سپہ سالار اپنی معصومیت کے باوجود قید کئے گئے۔ گرفتار ہو کر دار السلطنت میں پہنچائے گئے۔ عدالت میں کھچے کھچے پھرے۔ ملک کا ولیعہد تخت و تاج کا جائز وارث اپنے حق وراثت سے محروم ہوا۔ ان سب کے بعد ایک عظیم الشان طاقت سے حکومت افغانستان کو متصادم ہونا پڑا۔ غیر مصافی پر امن باشندگان افغانستان کے سروں پر بم کے گولے پھٹے۔ اور افراتفری بپا ہوئی۔ کہ کسی ملک نے کم دیکھی ہوگی۔ مبارک و مسعود اس لئے کہ ان تمام مصائب و طوفان خیزیوں کے بعد افغانستان کا مستقبل روشن اور شاندار نظر آنے لگا۔ غلامی کی گھاٹی سے نکل کر آزادی کی وادی میں پہنچ گیا۔ دوسرے ملکوں سے

آزادانہ اور مساویانہ تعلقات قائم ہوئے۔ سفیروں کی آمد و روانگی نے افغانستان کو دنیا کی نظر میں ایک اہم ملک بنا دیا۔ اس کا امیر اب امیر کابل نہیں بلکہ بادشاہ افغانستان کہا جانے لگا۔

جس وقت امان اللہ خان نے استقلال افغانستان کا اعلان کیا۔ اور انگریزی سفیر سے کہا کہ تم اپنی حکومت کو ہمارے اعلان و ارادہ سے مطلع کر دو۔ تو افغانستان کی حالت ہر اعتبار سے ناقابل اطمینان تھی۔ خود انگریزی سفیر حیران رہ گیا۔ کہ یہ نوجوان امیر کچھ سے کیا کہہ رہا ہے۔ بہت سے سربرآوردہ اہلکار بھی اس اعلان کو قبل از وقت خیال کرتے تھے۔ اکثر افسران افواج ملک نے بھی اس کی مخالفت کی لیکن امان اللہی عزم کو کوئی بھی تبدیل نہ کر سکا۔ اس اعلان کا نتیجہ وہی ہوا۔ جو ہونا چاہئے تھا یعنی انگریزوں اور افغانوں کی جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کا مختصر سا نقشہ ہم سوانح غازی امان اللہ خاں میں لکھ چکے ہیں۔ یہاں صرف اسی قدر حال بیان کریں گے جس کا تعلق نادر خاں کے کارناموں سے ہے۔ اور جو نادر خاں کو ایک غیر معمولی فوجی قابلیت رکھنے والا اور اعلیٰ درجہ کی فراست و تدبر کا مالک ثابت کرتا ہے۔

نادر خانی تاخت

جنگ نے جب نازک صورت اختیار کر لی۔ اور افغانی فوج بعض مقامات پر انگریزی فوج کا مقابلہ نہ کر سکی۔ تو نادر خاں خوست سے اپنی فوج لیکر بڑھے۔ اور ایک ایسے مقام سے حملہ کیا جہاں سے حملہ کرنا ناممکن نظر آتا تھا۔ اس پہلے ہی حملہ سے انگریزی اور افغانی مدبرین دنگ رہ گئے۔ یہ مقام اصل میدان جنگ سے اس قدر دور تھا کہ وہاں سے حملہ کا قیاس و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا ابھی انگریزی افسران افواج دیکھ ہی رہے تھے۔ کہ کس طرح اس حملہ کا جواب دیں

سارے سرحدی قبائل جنگجوئی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ افغانیوں کو تو وہ "نرم دل کابلی" کہتے ہیں جب "نرم دل کابلی جرنیل" وزیرستان تک پہنچ گیا۔ تو سرحدی قبائل کب رکنے والے تھے مختلف مقامات پر حملہ کرنے اور چھاپے مارنے شروع کر دئے۔ ۹ مئی کو یہ جنگ شروع ہوئی تھی۔ ۲۰ دن بعد یعنی ۳۰ مئی ۱۹۱۹ء سے سرحدی بھی افغانیوں کے ساتھ شریک ہو کر انگریزوں سے لڑنے لگے اور جنڈولہ۔ پشاور۔ اور کچا گوڑی پر ایسے وحشیانہ حملے گئے کہ سب کو تنگ کر دیا کہیں تار کاٹ دئے۔ کہیں بازار لوٹ لیا کہیں سٹیشن سے ریل کی پٹڑی اُتار دی۔ اس طوفان بے تمیزی نے افسران افواج ہند کے اوسان خطا کر دیئے۔ کسی ایک مناسب محاذ جنگ پر لڑائی ہو اور باقاعدہ افواج سے مقابلہ ہو تو البتہ جدید طرز جنگ اور سامان حرب وضرب سے کام لیکر ان کا مقابلہ بھی کیا جائے۔ ایسی صورت میں کیا مقابلہ کیا جائے۔ اور کس سے کیا جائے کہ سارے نہیں تو تقریبًا سارے سرحدی علاقے میں سے جس قبیلہ کو جس وقت موقع ملا۔ اس نے اپنے "فن حرب" کے مطابق چھاپا مار دیا۔ لوٹ کھسوٹ یا توڑ پھوڑ کی اور چلتا ہوا۔ نہ دن کا وقت لڑائی کے لئے معین نہ رات کا وقت التوا کے لئے مقرر چوبیس گھنٹے جنگ ہی جنگ ہے۔ اور وہ بھی نہایت بے قاعدہ یا کم از کم سرحدی قاعدہ کے مطابق۔ اور سرحدی قواعد حرب آپ ملاحظہ فرما ہی چکے کہ اندھیرے اُجالے چھاپا مارا۔ تار توڑ ے۔ دکانیں وغیرہ لوٹیں بسب کو بے چین کیا۔ اور چلتے بنے۔ دن دہاڑے انگریزی وردی میں باضابطہ مارچ کرتے چلے آرہے ہیں۔ قریب پہنچے تو گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور جواب پانے سے پہلے ہی دروں اور گھاٹیوں میں جا چھپے۔ یہ صورت حالات زیادہ دیر تک قایم رہنے والی نہ تھی۔ وسط جون تک تو خاصی افراتفری برپا رہی لیکن ساتھ ہی صلح کے لئے

رسل و رسائل شروع ہوگئی۔ متحارب حکومتوں نے تبادلۂ خیالات کے بعد آخر جون میں نمائندگان صلح کا تقرر کیا۔ اور اس موقع پر عید الفطر کے تہوار نے تاریخ صلح کو ایک مہینے پیچھے ہٹا دیا آخر جولائی میں صلح کی باقاعدہ گفتگو انگریزی و افغانی نمائندوں کے مابین راولپنڈی میں شروع ہوئی۔ صلح کا تذکرہ کرنے سے قبل ہم علمبردار فاتح تھل کا بیان درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

بیان علمبردار فاتح تھل

جب یکایک جنگ شروع ہوئی۔ تو افغانی جرنیل متحیر ہوگئے۔ اس تحیر میں ایک مستعدی اور عزم موجود تھا۔ وہ واقعات معلوم کرنے میں مصروف ہوگئے۔ جب واقعات کا پورا علم حاصل کر لیا۔ تو انہوں نے ایک نقشہ جنگ مرتب کیا۔ جب اس کے ترتیب دینے کے بعد ان جرنیلوں کے چہرہ پر نظر ڈالی گئی تو ایک اطمینان موجود تھا۔ کسی قسم کا تحیر و استعجاب نظر نہ آتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ متعلقات جنگ میں سے کسی اہم کام کو وہ انجام دے چکے ہیں۔ جب وہ اپنے ماتحت افسروں کو ہدایات دیتے تو خود بخود کامیابی قریب معلوم ہوتی تھی۔ حالانکہ ابھی کچھ بھی نہ ہونے پایا تھا یہ بات بھی ہماری آنکھوں کے سامنے تھی کہ ہماری فوج کے پاس بافراط یا کم از کم خاطر خواہ سامان رسد بھی نہیں ہے۔ فوجی قوت بھی کمزور اور ناقابل اطمینان ہے خصوصاً حریف کے مقابلہ میں اور بھی زیادہ کمزور نظر آتی تھی۔ بخلاف اس کے دشمن کے استحکامات قوی۔ سامان رسد وافر۔ ہر قسم کی سہولتیں مہیا۔ ان باتوں کو دیکھ کر ہم اپنے کیمپ کو زبان حال سے ناسازگاری حالات و وقت کا شکوہ سنج پاتے تھے لیکن ایک عجیب بات تھی۔ کہ جب ہم اپنے اولوالعزم جرنیل کی زبان سے جنگ کے متعلق کچھ سنتے تو ہم کو اپنی کامیابی کا یقین سا ہو جاتا تھا جب اپنی بے سر و سامانی

کی طرف دیکھتے تو تذبذب سا دلوں میں پیدا ہوتا اور جب اپنے بہادر جرنیل کی اطمینان اور تدبیر پر نظر کرتے تو ڈھارس بندھ جاتی اور خدا جانے کیوں ہمیں ایسا معلوم ہوتا جیسے کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے حقیقت یہ ہے کہ اس اہم موقع پر جرنیل نادر خاں کے استقلال و تدبر نے ہمیں کامیابی کا پورا یقین دلایا اور افغانستان کا کوئی جرنیل یقینا نہ ولا سکتا تھا جرنیل نادر خان کے احکام کے بعد ہزاروں فدایان حریت و جان نثاران اسلام ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس سے ہماری ہمتیں اور بڑھ گئیں۔ اس وقت ہم ایسا محسوس کر رہے تھے کہ جیسے فتح و کامرانی کے ملائکہ ہماری امداد کو مشہور جنگ بدر کی طرح آ گئے ہیں جس وقت جرنیل نادر خان نے جنگ کا حکم دیا۔ اور ہمیں علم لیکر گھوڑے پر سوار ہوا تو اللہ اکبر کے نعروں نے زمین و آسمان کو ہلا دیا نعرۂ جہاد نے اور بھی جوش پیدا کر دیا۔ اور ہمیں اپنی موت میں بھی زندگی کی شان نظر آنے لگی۔ ہمارے دلوں میں یقین و اعتقاد کی طاقت ترقی کرنے لگی۔ ہمارے قبائلی سردار اور علما بلند آواز سے قرآن کریم کی آیات جہاد کے مطالب و معانی بتا رہے تھے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مجاہدانہ زندگی کا درس ہم کو اس انداز طریق پر دیا جا رہا تھا۔ جیسے سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اور ہمارے ساتھ مل کر دشمنوں کا مقابلہ کر رہے ہیں ہم بہادروں کی طرح بڑے مردوں کی طرح لڑے۔ زخمی ہوئے۔ اُٹھے اور اُٹھ اُٹھ کر لڑے جرنیل نادر خاں کے تدبر جنگ کا اگرچہ ہمیں پہلی دفعہ علم ہوا لیکن اس علم کے ساتھ ہی یہ بھی یقین ہو گیا۔ کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، خدا نے چاہا تو کامیابی ہمارے ہی ہاتھ رہے گی۔ نادر خان کی فراست و دانائی سے ہم اپنے حریفوں پر غالب آ رہے تھے۔ دشمن ہماری یقینی کامیابی کو دیکھ کر

قلعہ بند ہو چکا تھا۔ لیکن اس موقع پر جبکہ ہم پوری فتحیابی سے دوچار ہونے والے تھے۔ ہمارے فوجی مرکز ہائے مشرقی افغانستان سے کچھ شکست خوردہ سپاہی پہنچے اور انھوں نے ڈکہ اور علی آباد وغیرہ کے مفتوح ہو جانے کی خبر دی۔ ایسی حالت میں کہ ہم مرکزی محاذ پر اپنی شکست کی خبر سن چکے ہیں عام قاعدہ کے مطابق شکستہ خاطر ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اگرچہ عام فوجی حلقوں میں ایک افسردگی سی نمودار ہوئی لیکن ہمارے فوجی افسر اپنے ماہر فن حرب جرنیل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کہ وہ کیا حکم دیتا ہے۔ آیا آگے بڑھتا ہے یا [illegible] پیچھے ہٹتا ہے چنانچہ جلدی ہی ہمیں معلوم ہو گیا کہ جو قدم ہم آگے اٹھا چکے ہیں وہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔ لیکن ہمیں اپنی مشرقی فوج کی شکست کا خیال لگا ہوا تھا۔ قلعہ بارہ سے اطلاع پہنچی کہ گو وہاں جارحانہ کارروائی کا خطرہ نہ تھا۔ مگر پھر بھی سردار [illegible] نے اس حفاظت و مدافعت کے تمام سامان کر چکے ہیں۔ اس خبر سے کچھ اطمینان سا ہوا اور ہم پھر اپنے جرنیل کی طرف دیکھنے لگے۔ کہ آیا وہ جلال آباد کی خبر گیری کو بھی اپنا فرض سمجھتا ہے یا نہیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں معلوم ہو گیا کہ نادر خاں نے وزیری مجاہدین کا ایک جرار لشکر مرتب کر کے اپنے ایک کرنیل کے زیر کمان مشرقی سمت روانہ کرنے کا حکم دیدیا ہے۔ اور پورے طور پر اسے نقشہ جنگ سمجھا دیا ہے۔ چنانچہ وزیری لشکر اپنی مہم پر روانہ ہو گیا۔

ہم تھل کے قلعہ کی طرف برابر بڑھتے رہے یہاں تک کہ ادھر ہم تھل کے قلعہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ اور ادھر وزیریوں کے لشکر نے انگریزی فاتح فوج کے پیچھے سے جا کر ایسا زبردست حملہ کیا۔ کہ کامیابی نے ان کے قدم چوم لئے۔ انگریزی افواج کے افسر جلال آباد کی شکست کو احتیاطی پسپائی خیال کر رہے تھے۔ اور شہر جلال آباد ان کے سامنے تھا۔

صلح کی سلسلہ جنبانی اور معاہدہ

جب نقشہ جنگ نے پلٹا کھایا۔ اور ہوا کا رُخ کچھ افغانوں کے بھی موافق نظر آنے لگا تو صلح کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی اور جولائی سے لیکر نومبر تک صلح کی تین کانفرنسیں ہوئیں پہلی صلح کانفرنس راولپنڈی میں۔ دوسری منصوری میں اور تیسری کابل میں۔ یہ صلح کانفرنس آخری تھی جو قصر دلکشا کابل میں ۲۳ نومبر ۱۹۲۱ء کو منعقد ہوئی اور جس نے عہد نامہ صلح کی شکل اختیار کرلی۔ ہر ایک صلح کانفرنس کی روئداد درج کرنا تو باعث طوالت ہے۔ خلاصہ کے طور پر ہم آخری صلح کانفرنس یعنی معاہدہ صلح کے مفہوم کا مختصراً اندراج کافی سمجھتے ہیں۔ جو حسب ذیل ہے:۔

(۱) برطانیہ عظمیٰ افغانستان کی کامل آزادی کو تسلیم کرتا ہے (۲) لندن اور کابل میں افغانستان اور انگلستان کی طرف سے سفیر رہا کریں گے۔ اور ایسے ہی افغانستان اور ہندوستان میں قونصل مقرر کئے جائیں گے۔ (۳) افغانستان موجودہ انگریزی اور افغانی سرحد کو منظور کرتا ہے۔ (۴) متعاہد حکومتوں کے مابین سرحدی قبیلوں کے متعلق جو غلط فہمیاں ہوگئی تھیں وہ دور ہوگئی ہیں۔ اگر سرحدی قبائل کے خلاف قیام امن کی غرض سے متعاہدین میں سے کوئی ایک جارحانہ کارروائی کرنی چاہے گا تو ایک دوسرے کی منظوری حاصل کرے گا۔ (۵) دوستانہ تعلقات جاری رکھنے کے لئے تجارت اسلحہ کے قانون کی شرائط بعد میں طے پائیں گی۔ حکومت افغانستان کو پہلے کی طرح پھر مراعات حاصل ہوگئی ہیں۔ (پہلی اور دوسری کانفرنس میں بعض مراعات حکومت برطانیہ نے بطور ناراضگی منسوخ کردی تھیں) کہ ہندوستان کے رستے سامان جنگ کی درآمد کرسکے معمولی شرائط کے ماتحت محصول چنگی اس سامان پر منسوخ کیا جاتا ہے

جو بندرگاہ ہندوستان سے ہوتا ہوا افغانستان جائے (۶) تجارت اور ڈاک خانے کے متعلق علیحدہ علیحدہ معاہدے ہوں گے۔

نادر خان کی شاندار خدمات کا اعتراف

جب جنگ ختم ہو گئی

صلح نامہ مکمل ہو گیا۔ تو نادر خان کو کابل طلب کیا گیا۔ اور عساکر افغانیہ کا سپہ سالار بنایا گیا۔ حکومت افغانستان نے محل شاہی کی مشرقی شاہراہ پر وزارت جنگ کے قریب ایک مینارہ یادگار استقلال کے نام سے تعمیر کیا۔ اور اس مینارہ میں ایک لوح نصب کی گئی جس میں نادر خان کو آزادی افغانستان کا روح رواں تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد "یادگار استقلال" کے نام ایک کتاب چھاپی گئی جس میں نادر خان کے شاندار طریق پر فوٹو دیے گئے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جرنیل نادر خاں نے عین موقع پر اپنے کمالات دکھائے۔ اور ایسی برمحل امداد پہنچائی کہ اس کے بغیر کامیابی ناممکن نہیں تو محال ضرور تھی۔

کابل سے پیرس

نادر خان کی اس قدر ہردلعزیزی کو بعض حاسد طبیعتیں برداشت نہ کر سکیں اور ان کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ مخالفین کی فہرست میں سردار محمود طرزی کا نام نمایاں بتایا جاتا ہے۔ ملکہ ثریا کے والد ہونے کی وجہ سے انہیں شاہ امان اللہ خان پر کچھ اقتدار بھی زیادہ تھا۔ شاہ ممدوح نوجوان تھے ان کے کان بھرنے شروع کر دئے گئے۔ اور بتایا گیا۔ کہ نادر خاں کا اقتدار ملک کے لئے سخت خطرناک ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو سفیر بنا کر پیرس کو روانہ کر دیا گیا۔ سفارت کیا تھی اسے ایک طرح کی جلاوطنی کہیئے۔ کیونکہ نادر خاں سے بہتر افغانی فوج کے لئے کوئی

دوسری ہستی موجود نہ تھی۔ اور پیرس کی سفارت کے لئے آسانی سے دوسرے
شخص کا انتخاب کیا جا سکتا تھا۔ اور پیرس بھیج کر بھی جب نہ آیا تو ان کے خلاف
بعض لوگوں نے وہ طرز عمل اختیار کیا جس سے انھوں نے سمجھ لیا کہ اب افغانی
حکومت کا رکن رہنا بے سود ہے۔ گو نادر خاں کے حامی افغانستان میں
بہت زیادہ تھے مگر ان کا اقتدار ایسا نہ تھا جیسا کہ مخالفین میں سے بعض کا۔
پھر حامیوں کی کثرت کیا کرتی۔ ہماری خدائی ایک طرف، بیوی کا بھائی ایک طرف
ہندوستانی ضرب المثل ہے جو افغانستان کی اس فضا سے مناسبت خاص
رکھتی ہے۔ محمود طرزی شاہ غازی کے دل و دماغ پر چھا جانا چاہتے تھے۔ نادر خان
کی دوربینی نے پیرس میں بیٹھے بیٹھے دیکھ لیا کہ افغانستان میں ان کے خلاف
کیا کچھ ہو رہا ہے۔ انھوں نے اپنی حکومت سے درخواست کی کہ میری ضعیف العمری
اب خدمات سے سبکدوشی چاہتی ہے۔ چنانچہ آپ کی درخواست منظور کر لی
گئی۔ دیکھنے والے سمجھے کہ حکومت منتظر ہی بیٹھی تھی کہ نادر خاں استعفا دے تو اسے
پہلے اسے منظور کیا جائے۔ سفارت کے بار گراں سے جب آپ کے کاندھے
ہلکے ہو گئے تو آپ نے افغانستان آنا مناسب نہ سمجھا بلکہ پیرس ہی میں رہے
اور ان کے بھائی ہاشم خاں و شاہ ولی خاں بھی افغانستان کی فضا کو اپنے
ناموافق پا کر اپنے بھائی کے پاس فرانس چلے گئے۔

سیاحت شاہی اور نادر خان

سفارت کے عہدے سے مستعفی ہونے کے
بعد خیال کیا جاتا تھا کہ اب نادر خاں سرزمین افغانستان میں قدم نہ رکھیں گے۔
کیونکہ وطن کی آب و ہوا انہیں موافق نہ تھی۔ ایک دفعہ سپہ سالاری کے عہدے
سے گرا کر نہ صرف ان کی ہر دلعزیزی کو نقصان پہنچایا گیا۔ بلکہ دوست کشی کا ذلیل

سنگین الزام عائد کرکے بازنجیر کیا گیا۔ عدالت سے بری الذمہ قرار دئے جانے پر بھی سپہ سالاری کے منصب پر فائز نہیں کئے گئے۔ بلکہ برگیڈیر بنا کر دار السلطنت سے دور خوست بھیجدئے گئے۔ جب وہاں سے انہوں نے قوم اور وطن عزیز پر ناقابل فراموش احسان یالاتق یادگار خدمات انجام دیکر اپنی ہستی کی اہمیت کو واضح کیا۔ اور ملک وملت کو استقلال وآزادی کی دولت سے مالامال کر دیا۔ او فن جنگ کے وہ جوہر دکھائے جس سے دنیا کی جنگی قوتیں ستحیر رہ گئیں۔ تو اس خدمت و احسان کا بدلہ ملک وقوم کی طرف سے یہ ملا کہ سفارت کے بہانے جلا وطن کر دیئے گئے۔ جس کے بعد انہوں نے خود اپنا دامن سیاسیات ملک سے کھینچ لیا۔ وطن کی اس ناموافق آب وہوا کو دیکھ کر بجا طور پر یہ اندازہ کیا گیا کہ شاید اب مدت العمر نادر خاں وطن کی صورت نہ دیکھیں گے۔ غیور نادر خاں کی برداشتہ خاطری اور قوم کی سردمہری بلکہ ناقدر شناسی سے اثر پذیری اس امر سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جس وقت شاہ غازی امان اللہ خاں سیاحت یورپ کے دوران میں فرانس پہنچے تو نادر خاں کے پاس بھی سربرآوردہ افغانی افسر وسردار گئے اور ان سے جلوس میں شریک ہونے کی درخواست کی لیکن انہوں نے علالت کا عذر پیش کرکے شرکت سے انکار کر دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کی عدم شرکت جلوس کا ایک سبب ملکہ ثریا کی بے پردگی بھی تھی۔ وہ ایک افغان ملکہ کو اہل مغرب کی ناقدانہ نظروں کا مرکز بنا ہوا دیکھنا گوارا نہ کرسکتے تھے۔ ممکن ہے ایک وجہ یہ بھی ہو۔ لیکن بڑی وجہ وہی ہے جسے قوم کی ناقدردانی کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال جلوس میں نادر خاں کے شریک نہ ہونے سے ان کے قلبی حالت کا خفیف سا اندازہ ہوسکتا ہے۔ یوں تو وہ اس قدر گہرے انسان ہیں کہ ان کے ضمیر کی حالت کا صحیح اندازہ کرنا سخت دشوار ہے۔ بڑے بڑے

سمجھ نہیں پہچان سکتے۔ کہ کس وقت وہ کس قسم کے تاثرات قبول کر رہے ہیں لیکن یہ ایک بدیہی بات ہے کہ شاہ افغانستان کا قابل یادگار سفر یورپ جو سیاسی مصالحہ سے بھی خالی نہ تھا۔ اس سفر کے دوران میں فرانس جانا اور نادر خاں کا وہاں موجود ہونے کے باوجود شریک نہ ہونا کسی خاص اندرونی ملال اور تاسف و مایوسی ہی کے سبب سے ممکن ہے۔ اگر نادر خاں کے ساتھ یہ طرز عمل نہ رکھا گیا ہوتا جسکا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ اور غازی امان اللہ خاں کی طرف سے ان کی خاطر خواہ ہمت افزائی کی گئی ہوتی اور انہیں ملک کا دشمن سمجھکر دور نہ پھینک دیا جاتا۔ یا کم ازکم ان کے استعفے ہی کو منظور نہ کیا جاتا اور ان کی خدمات کا کما حقہ اعتراف و احترام کیا جاتا۔ تو نادر خاں فرانس میں امان اللہ خاں کے جلوس میں ضرور شریک ہوتے خواہ وہ کیسے ہی بیمار کیوں نہ ہوتے لیکن جلوس کی شرکت سے کبھی انکار نہ کرتے۔ جلوس خوب شان سے نکلا۔ نادر خاں اپنے گوشہ عافیت سے نہ نکلے۔ اور زبان حال سے غالب کا یہ شعر گنگناتے رہے ؎

لے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے،

جب امان اللہ خاں یورپ کے دورے سے فارغ ہو کر اپنے ملک میں بعافیت پہنچ گئے۔ اور مراجعت وطن پر چراغاں اور جشن مسرت منایا گیا۔ تو سارا ملک افغانستان خوشی منا رہا تھا۔ بچہ بچہ شادمانیوں کے گیت گا رہا تھا ہر طرف سے تبریک و تہنیت کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ تین دن کے لئے سب کاروبار چھوڑ کر تعطیل منائی گئی۔ تاکہ کابل کو تزئین و آرائش دیکر دلہن بنایا جائے۔ ادھر خوشی کے شادیانے بج رہے تھے۔ ادھر ایک سرفروش فرزند افغانستان ہوٹی کے تن لبر کر رہا تھا۔ اور زبانِ حال سے مسرور و خرم افغانیوں کو یہ پیغام دے رہا تھا کہ ؎

یہ صبح جشن یاران وطن تمکو مبارک ہو ہماری شام غربت پر بھی دو آنسو بہا لینا

قدرت متبسم تھی کہ خوش ہونے والو! چند ساعتوں کے لئے خوش ہو لو مغموم اور بیوطنوں کی مسرت کی باری تمہارے بعد آنے والی ہے۔ یہ قہقہے چھوڑ نہایت قلیل وقت کے لئے تم کو دئے گئے ہیں جشن ہو چکے۔ شادمانیاں ختم ہو گئیں۔ ملک کی فضا میں سکون ہوا۔ تو امان اللہ خاں نے اپنی اصلاحات نافذ کیں۔ ترقیات کی طرف قدم بڑھانا اور جدید تجربات سیاحت سے فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ سکیمیں مرتب ہوئیں اور جدید دور کا آغاز ہونے لگا۔

بغاوت و شورش اور نادر خان

امان اللہ خاں نے واپسی یورپ کے بعد اس قدر تیزی سے اصلاحات کا اجرا کیا۔ کہ دنیا حیران رہ گئی۔ ساتھ ہی ان کے خسر محمود بیگ طرزی نے جو مغرب پرست پارٹی کے لیڈر مانے جاتے تھے بعض ایسی تجاویز منظور کرائیں جنہیں خود امان اللہ خان خلاف مصلحت اور قبل از وقت خیال کرتے تھے۔ اور جنہیں ملک کا طبقہ عوام کسی طرح پسند نہ کر سکتا تھا منظوری کے وقت سرداران قبائل افسران افواج اور وزرائے سلطنت نے بھی اختلاف رائے کا اظہار کیا۔ لیکن کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ اور غیر ضروری بلکہ ایک حد تک احکام اسلامی سے متصادم ہونے والی اصلاحات و تجاویز منظور ہو گئیں جن کا نتیجہ وہی ہوا جو افغانستان جیسی جگہ میں ہو سکتا تھا۔ یعنی مولویوں اور پیروں کے علاقے میں بدامنی اور شورش کے آثار نمودار ہونے لگے۔ ابتداً ایک قبیلہ شنواری سے ہوئی اور انتہا سارے ملک پر۔ اس آتش فساد و بغاوت کو فرو کرنے کی ہر چند تدبیریں کی گئیں۔ لیکن سب بے سود ثابت ہوئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ امان اللہ خاں کو نہایت نازک حالت میں جان بچا کر تخت و تاج سے بھائی کے حق میں دست بردار

ہونا پڑا جس حالت کو امان اللہ خاں جیسا بیدار مغز اور سیاسیات عالم سے واقف انسان خود نہ سنبھال سکا۔ اسے عنایت اللہ خاں جیسے سیدھے سادے۔ نیک سیرت صوفی منش بزرگ کیونکر سنبھال سکتے تھے۔ شاہ عنایت اللہ خاں نے بھی جب پانی سر سے گزرتا دیکھا تو شاہی خاندان کے افراد کی جان کی حفاظت کیلئے ہندوستان ہوتے ہوئے۔ بھائی کے پاس قندھار چلے جانا مناسب سمجھا۔ دارالسلطنت کابل کا کوئی والی اور سرپرست نہ رہا۔ وہ کابل جو کل چمن بنا ہوا تھا۔ اور نسیم بہار اس کی رونقوں میں اضافہ کر رہی تھی۔ آج اس چمن پر خزاں چھا چکی تھی۔ بہار رخصت ہو چکی تھی۔ مرغان چمن بھی اپنی زبان میں یہ چہچہاتے ہوئے اڑ گئے ؎

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا اس کی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے

قدرت کے بے رحم ہاتھوں نے تاج و تخت افغانستان اہلوں سے چھین کر نا اہلوں کے سپرد کر دیا۔ ڈاکو اور چور اس پر قابض و متصرف نظر آنے لگے۔ اور لٹا سر غنہ بچہ سقہ اپنے آپ کو تمام نالائقوں سمیت ملک کا حکمراں سمجھنے لگا۔ باشندگان کابل نے بادل خواستہ یا بادل ناخواستہ اسے حکمراں مانا۔ اس کا سکہ اور حکم چلا اور قابل تسلیم سمجھا گیا۔ بہادر افغان سعدیؒ کا یہ مقولہ بھول گئے ؎

کس نیاید بزیر سایۂ بوم ور ہما از جہاں شود معدوم

ملک و ملت سے دور سرزمین وطن سے سات سمندر پار ایک جاں نثار فرزند وطن ان سب حالتوں کو بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ "دیکھا مردم ناشناسی کا نتیجہ؟ اگر مجھے ملک بدر نہ کرتے تو آج اس نوبت کو نہ پہنچتے۔ اب جبکہ تم سب کچھ کھو چکے ہیں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ اب بھگتو اپنی ناقابل تلافی غلط فہمیوں کے خمیازہ" گو لیکن وہ اتنا ہی کہہ کر خاموش نہ بیٹھ سکتا تھا۔ اس کا دل جلا۔ جی کڑھا۔ اور وہ اپنے ملک کی تباہی دیکھ کر بے چین ہو گیا۔ اس نے یہ سب کچھ اپنے دل ہی سے کہا

کسی کے کانوں تک اس کے الفاظ نہ پہنچے۔ پھر دل کو سمجھایا کہ یہ سب کچھ درست ہے کہ انہوں نے تیری قدر نہ کی۔ برادران وطن نے تجھکو نہ پہچانا۔ غلطی کی اور غلطی کا بڑے سے بڑا ہولناک نتیجہ پا لیا۔ اب اُٹھ اور جو کچھ کر سکتا ہے کر۔ وطن کی بھلائی اور قوم کی بہبودی کے لئے جو تجھ سے بن پڑے کر۔ مخبروں کی طرح طعن و تشنیع سے کام نہ لے اُٹھ اور اپنی قابلیتوں کے آخری جوہر دکھادے۔ برادران وطن کو بتادے کہ انگریزی اور افغانی جنگ میں تم نے میرے کمالات فن حرب کو دیکھ لیا ہے۔ اور چند گھڑیوں کے لیے تم معقول اعتراف کر چکے ہو۔ وہ جنگ میں نے ہتھیاروں سے فتح کی تھی۔ تھوڑا بہت ساز و سامان بھی تھا۔ اور ملک کی متفقہ آواز بھی میرے ساتھ تھی۔ اب دیکھو کہ بے سر و سامانیوں میں بھی۔ بلکہ تنہا ہو کر بھی بیمار و زار ہو کر بھی ایک ایسے ملک میں جہاں کسی مقام پر بھی جان کی خیر نہیں نظر آتی۔ کسی جگہ بھی امن چین دکھائی نہیں دیتا۔ جہاں ہر طرف بغاوت و فساد بے چینی اور بدامنی کی آگ بھڑک رہی ہے۔ کیا کچھ کر سکتا ہوں۔ ایک ایسے شخص سے جس کے پاس روپیہ دولت جمع شدہ ہیں۔ سامان حرب۔ فوج سب کچھ ہے۔ اور جو دو بادشاہوں سے اپنا لوہا منوا چکا ہے نہیں اپنے مرکز سے نکال چکا ہے۔ خود دار السلطنت پر قابض ہو چکا ہے کامیاب مقابلہ کر سکتا ہوں۔

نادر خان ہندوستان میں

اس وقت جبکہ کابل میں یہ وحشیانہ ہوکڑی مچ رہی تھی اور بچۂ سقہ کا ڈنکا بج رہا تھا۔ نادر خاں مقام نیس میں صاحب فراش تھے ضعف کمزوری کی وجہ سے چل پھر بھی نہ سکتے تھے۔ جب انہوں نے مراجعت وطن کا قصد کیا تو ڈاکٹروں نے کہا کہ اتنا طویل سفر آپ کی صحت کے لئے مہلک ہے۔ نادر خاں جن کے جذبات حبّ وطن میں تلاطم برپا تھا۔ اور ملک و ملت کی تباہی و بربادی آنکھوں

کے سامنے اپنے مشوروں کو قبول نہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے ڈاکٹروں کو جواب دیا
کہ آپ کے قیمتی مشورہ کا شکریہ لیکن میں بے بس ہو کر بیٹھے بیٹھے مر جانے سے سفر میں مر جانے
سفر میں مر جانے کو ترجیح دیتا ہوں۔ زندہ رہ گیا تو وطن کو آخری ہلاکت سے بچا لونگا
ورنہ اسی جد وجہد میں خود ہلاک ہو جاؤں گا۔ اس اٹل قصد اور مضبوط ارادہ کے
سامنے کس کی پیش جا سکتی تھی۔ نادر خاں پیرس سے چل پڑے۔ وہ جہاز پر
اپنے قدموں سے سوار نہ ہو سکتے تھے۔ سٹریچر پر ڈال کر جہاز میں سوار کرایا گیا
ان کے دونوں بھائی تیمار داری اور جاں نثاری کے لئے ان کے ساتھ تھے
حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا بیمار شخص جو زمین پر قدم رکھنے سے بھی معذور ہو۔
ایسے کام کے لئے چلا ہے جو نہایت اعلیٰ جسمانی اور روحانی قوت کو چاہتا ہے
اسی حالت میں وہ ۲۲ فروری ۱۹۲۹ء کو اپنے دونوں بھائیوں شاہ ولی خاں
اور سردار ہاشم خاں سمیت ڈاک کے جہاز سے بمبئی پہنچے۔ جہاں انہوں نے
سفیر افغانستان مقیم بمبئی کے ساتھ چائے نوش فرمائی۔ اور تاج محل ہوٹل میں
قیام فرمایا۔

مقاصدِ سفر

بمبئی پہنچنے پر چاروں طرف سے سوالات کی بوچھاڑ ہو گئی۔ اسلامی انجمنوں کی طرف سے۔ اخبار نویسوں کی جانب سے۔ قومی اداروں کی طرف سے غرض ہر طرف سے ایک ہی سوال پیش ہونے لگا۔ جس کے الفاظ کسی قدر مختلف تھے۔ مگر مفہوم ایک تھا۔ اور وہ سوال یہ تھا کہ آپ کیا مقصد لیکر چلے ہیں۔ کیا ارادہ رکھتے ہیں۔ امان اللہ خاں کی حمایت کا قصد ہے یا اپنی حکومت کے قیام کا۔ بالخصوص کس کی طرفداری کا۔ ہندوستان کے مختلف مقامات سے تار اور خطوط کے ذریعہ بھی اسی قسم کے سوالات پیش ہو رہے تھے۔ آپ نے اپنے مقاصدِ سفر کو یوں بیان فرمایا کہ:-

"میں واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مجھے یا میرے رشتہ داروں کو تخت و تاج کی خواہش نہیں ہے میں اپنی تمام قوت و استعداد اپنے ملک کی خدمت کیلئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ افغانستان میں امن و امان قائم ہو جائے۔ انتشار و تشتت دور ہو جائے۔ اور میرا وطن ایک مضبوط اسلامی سلطنت بن جائے۔ جب تک یہ نہ ہوا افغانستان کا استقلال اور امن و چین خطرہ میں ہے اور نہ صرف افغانستان ہی کا امن چین خطرہ میں ہے بلکہ امن و امان عالم خطرہ میں ہے۔ مجھے افغانستان کے امن چین سے دنیا کا امن چین وابستہ نظر آ رہا ہے۔ [illegible] خالت و کمزوری کے باوجود میں نے سفر کی صعوبتیں اٹھائیں اور ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کیا۔ کہ اس ملک کے امن چین کو بحال کروں جس سے تمام دنیا کے امن چین کو بہت گہرا تعلق ہے۔

یقین کیجئے کہ میں خالص مصالحت اور امن کا پیغام لیکر آیا ہوں میرے آنے میں خود غرضی کو مطلق دخل نہیں ہے۔ بہت سے دوست کہہ رہے ہیں کہ مجھے سیدھا قندھار جانا چاہیئے۔ وہ مجھ پر پورا اعتماد کریں۔ میں اپنے ملک کی حالت سے ان سے زیادہ واقف ہوں۔ یہ معاملہ وہ مجھ پر چھوڑ دیں کہ جو راہ مناسب سمجھوں اختیار کروں۔ وہ میری نقل و حرکت پر اخلاقی پابندیاں عائد نہ کریں۔ میں ہمیشہ افغانستان کا وفادار خدمتگذار رہا ہوں۔ سب سے پہلا کام میرا یہ ہے کہ اس آگ کو ٹھنڈا کروں جس نے اہل ملک کا اطمینان چین جلا ڈالا۔ اور اتنی تباہ کاریوں کا باعث بنی ہوئی ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس وقت فرزند افغانستان ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ مادر وطن کی ہر خدمت انجام دوں۔ خدا میرے نیک ارادوں میں معاونت کرے۔ اور افغانستان کی عزت و آزادی کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ میں

پھر کہتا ہوں اور بار بار کہوں گا کہ میں تخت وتاج کا دعویدار بننے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ وطن کی خدمت کا عشق مجھے کشاں کشاں لایا ہے۔ میرے بھائیوں اور عزیزوں میں سے بھی کسی کو تخت وتاج کی خواہش نہیں ہے۔ میری دلی خواہش صرف اس قدر ہے۔ کہ فتنہ و فساد مٹ جائے۔ ذاتی اختلافات دور ہوجائیں ملک کی عظمت و عزت قایم رہے۔ اور افغانستان ایک عظیم الشان باہرکت اسلامی حکومت بن جائے۔

نادر خان کا اردو زبان میں تحریری بیان

باوجود خرابی صحت بحیثیت ایک ادنیٰ رضاکار کے میں نے اپنے فرض منصبی کو پہچانا اور خدمت وطن کے عشق سے سرشار ہوکر افغانستان جارہا ہوں۔ خدا نے عزوجل افغانستان کو آزاد اور مستقل رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ بغرض امان اللہ کو توفیق عنایت فرمائے جس کی وطن کو ضرورت ہے۔ مجھے اور میرے کسی عزیز کو تخت افغانستان کی آرزو نہیں ہے۔ آرزو ہے تو یہ ہے کہ افغانستان میں فوراً امن قایم ہوجائے۔ اور تمام فساد رک جائے۔

میں افغانستان کو اپنا صادقانہ اور بیغرضانہ مشورہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ آپس میں متفق ہوکر اپنے ملک کی عزت کو جو اس وقت سخت خطرہ میں ہے بچاؤ۔ اور خداوند کریم سے معاونت طلب کرو۔ کہ وہ تمہاری امداد کرے۔ اور تمہیں توفیق دے کہ تم اپنی سلطنت میں ایسی حکومت کی بنیاد قایم کرسکو جو افغانستان کے استقلال اور امن وامان کی ضامن ہوسکے۔

"جرنیل نادر خاں"

نادر خان سے انگریزی جرائد کے نمائندوں کی ملاقات

"ایوننگ نیوز" اور "ڈیلی کرنیکل" کے نمائندوں نے آپ سے ملاقات کی جس کا مفہوم و خلاصہ سوال وجواب کی شکل میں حسب ذیل ہے۔

س۔ آپ وطن پہنچکر کیا تدابیر اختیار کریں گے؟

ج۔ میں براہ راست پشاور جا رہا ہوں۔ چند روز قیام کرکے افغانستان چلا جاؤں گا۔ وہاں پہنچکر اپنے چھوٹے بھائیوں کی امداد سے ملک میں امن قایم کروں گا۔

س۔ اگر آپ کی کوششیں ناکام ہوئیں؟

ج۔ ناکام ہو سکتیں ہی نہیں۔ مجھے یقین ہے۔ کہ جنگ کے بغیر امن قایم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

س۔ آپ برسراقتدار لوگوں میں سے کسے پسند کرتے ہیں؟

ج۔ میں ایک محب وطن کی حیثیت سے ان تمام حضرات کے خیر مقدم کے لئے تیار ہوں جو افغانستان کی بہتری کے خواہشمند ہیں۔ میں نہ امان اللہ کے خلاف ہوں نہ بچہ سقہ کے۔ اور نہ علی احمد جان کے خلاف۔ اگر ان تینوں میں قوم کی فلاح و بہبود کے جذبات موجود ہیں۔ تو یہ تینوں میرے لئے یکساں ہیں۔

س۔ کیا آپ متحارب فریق کے درمیان ثالث بننا چاہتے ہیں یا کچھ اور ارادہ ہے؟

ج۔ میں پیغام امن لیکر جا رہا ہوں۔ اور انتہائی کوشش کروں گا۔ کہ بلا خونریزی کے امن قایم ہو۔ اور متحاربین میں صلح ہو جائے۔

س۔ کیا فیصلہ کن جنگ سے کامیابی نہیں ہو سکتی؟ اور کیا جنگ کا انسداد دشوار نہیں؟

ج۔ مجھے امید قوی ہے۔ کہ بہت سے قبائل میرے ہمخیال ہو جائیں گے۔ اور انکی امداد سے فتنہ و فساد کو فرو کر دینا ناممکن نہیں ہے۔ اور جو ممکن ہے وہ میرے لئے

دشوار نہیں ہے۔ میں بڑی بڑی جماعتوں کو جمع کروں گا۔ اور ایک جلسہ منعقد کر کے باہم صلح اور سمجھوتہ کی جدوجہد کروں گا۔ میں جنگ کو جاری رکھنے کے خلاف ہوں۔ میرے دل میں جنگ کو مزید تقویت پہنچانے کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں ہے مجھے یقین کے درجہ تک توقع ہے۔ کہ یہ سب باتیں پُرامن طریق سے طے ہو سکینگی اگر مجھے قیام امن میں کامیابی ہو گئی تو پھر کسی بیرونی و اندرونی طاقت کو مداخلت کی گنجائش نہ ہو گی۔ میں انتہائی کوشش کروں گا۔ کہ جلد سے جلد افغانستان میں ایک پُرامن اور خودمختار حکومت قایم ہو جائے۔

س۔ امان اللہی اصلاحات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

ج۔ کوئی دانشمند اصلاحات کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ دنیا کی کسی قوم نے ترقی حاصل نہیں کی جب تک اس میں حسب ضرورت زمانہ اصلاحات نافذ نہیں کی گئیں۔ افسوس کہ امان اللہ خاں اصلاحات کے معاملہ میں اعتدال سے متجاوز ہو گئے۔ جیسے مقوی ادویات کی کثرت بیمار کو نقصان پہنچا دیتی ہے۔ ایسے ہی اصلاحات کی زیادتی نے بیمار افغانستان کو نقصان پہنچایا۔ امید ہے کہ امان اللہ خاں اس تجربہ کے بعد پہلے سے زیادہ سمجھدار ہو جائیں گے۔

س۔ افغانستان میں آپ کو اپنی جان کا تو کوئی خطرہ نہیں؟

ج۔ میں نے افغانستان میں امن قایم کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ خواہ اس نیک کام میں مجھے جان کی قربانی دینی پڑے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ قیام امن کے بعد حکومت افغانستان مضبوط و مستحکم ہو جائے۔ اور اس کا بادشاہ عقلمند نیک دل اور پاکباز ہو۔ اگر اس مبارک کوشش میں میری جان کام آ گئی تو میں اپنے بھائیوں کو یہ وصیت کر جاؤں گا۔ کہ وہ اس نیک جدوجہد میں اپنی جانیں لڑا دیں اور مقصد کو تکمیل تک پہنچا کر چھوڑیں۔

نادر خاں کی بمبئی سے روانگی

آپ بمبئی سے دہلی۔ دہلی سے لاہور۔ لاہور سے پشاور پہنچے۔ ہر مقام پر نہایت شاندار خیر مقدم کیا گیا اور ہر مقام پر ان سے مسلسل یہی سوال کیا جاتا تھا۔ کہ آپ کس کے ساتھ رہیں گے؟ کابل جائیں گے یا تمہارا بادشاہ خود تو تخت سنبھالنے کا قصد نہیں ہے؟ یہ آخری سوال کھلے لفظوں میں نہ ہوتا تھا لیکن دوسرے سوالات دریافت کی ترتیب اس سوال کا مفہوم خود ادا کر دیتی تھی۔ آپ نے ہر مقام پر تقریباً اسی قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا جن کا اعلان بمبئی کے دوران قیام میں فرما چکے تھے۔ بمبئی سے جب آپ دہلی پہنچے۔ تو اسٹیشن پر ہزارہا مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ آپ نے وہاں ایک مختصر سی تقریر فرما کر اپنی پوزیشن کو واضح کیا۔ اور بعض سوالات کے مختصر جواب بھی دئے۔ اور فرمایا کہ میں ابھی تک تندرست نہیں ہوں۔ مجھے ضیق النفس کا عارضہ ہے میں لمبی چوڑی تقریر نہیں کر سکتا۔ دہلی سے مولانا محمد علی اور مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند آپ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ راستے میں نادر خاں مولانا محمد علی صاحب سے نہایت محبت کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے۔ اور اگرچہ مولانا محمد علی نے اپنے لئے علیحدہ سیٹ ریزرو کرائی تھی لیکن جرنیل نادر خاں کے اخلاق و محبت نے انہیں دوسرے درجہ میں جہاں ان کی سیٹ ریزرو کرائی گئی تھی نہیں جانے دیا۔ لاہور تک انہیں کے پاس بیٹھے گفتگو فرماتے رہے۔

لاہور اسٹیشن پر بھی مشتاقان دید کا ہجوم زائد از بیان تھا۔ ان کے شایان شان استقبال کیا گیا۔ نادر خاں حاضرین کے نعرہ ہائے زندہ باد کے جواب میں دونوں ہاتھوں سے سلام کرتے تھے۔ نادر خاں نے بہت آہستہ آواز میں تقریر فرمائی۔ ان کی یہ تقریر بھی بمبئی اور دہلی کی تقریر کا خلاصہ تھی۔ الفاظ کے تغیر و تبدل کے سوا مفہوم ایک ہی تھا

اس موقع پر بھی ان سے جو سوالات کئے گئے۔ وہ تقریباً سب کے سب پہلے کئے جا چکے تھے۔ اور ان کے جواب بھی پہلے ایک سے زیادہ بار دئے جا چکے تھے۔ لاہور کی تقریر میں ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ خدا مجھے خدمتِ وطن کی توفیق بخشے اور امان اللہ خاں کو تخت پر واپس لائے جس پر مجمع نے "آمین آمین" اور "اللہ اکبر" کے فلک شگاف نعرے بلند کئے۔ لاہور سے آپ پشاور تشریف لے گئے۔

چند روز پشاور میں

جرنیل نادر خاں غازی جب پشاور میں پہنچے تو وہاں بھی عظیم الشان پیمانہ پر آپ کا استقبال کیا گیا۔ "زندہ باد نادر خاں" کے نعرے بلند کئے گئے آپ کی قیامگاہ مرجع خلائق بن گئی۔ اسلامیہ کالج پشاور کے تمام طلبہ نے چھٹی منائی۔ اور نادر خاں کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا جس میں یہ درخواست بھی کی گئی تھی کہ آپ قندہار تشریف لے جائیں۔ اور امان اللہ خاں کی ہدایت کے بموجب کام کریں نادر کوہ وقار نے جواب میں کہا:-

میں آپ کے محبت بھرے جذبات کا شکر گزار ہوں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ میں کمزور ہوں۔ میری جسمانی طاقت قابل اطمینان نہیں ہے۔ لیکن خدا کے فضل و کرم سے میری روح میں وہی قوت و طاقت ہے جو کبھی پہلے تھی۔ آج جو ناتوان و نحیف سپاہی آپ کے سامنے ہے وہ اپنے وطن کی خدمت کے لئے سر ہتھیلی پر رکھ کر آیا ہے۔ اس کی ناچیز لیکن فداکارانہ خدمات آپ پہلے دیکھ چکے ہیں۔ آج پھر اسی جوش اور ولولہ کو لئے ہوئے دور و دراز ملک سے خدمت وطن کی خاطر سر سے کفن باندھکر آیا ہوں۔ لیکن جنگ میں شریک ہونے کو نہیں بلکہ جنگ کی آگ بجھانے کے لیے۔ اور برادران عزیز کا قطرہ خون سر زمین وطن پر گرائے بغیر افغانستان میں عظیم الشان انقلاب پیدا کرنے کے لئے۔

آپ دو چار ہی ہفتے کے اندر دیکھ لیں گے۔ کہ میرے خیالات سچی قربانی اور حقیقی ایثار و فداکاری سے لبریز ہیں ہیں اسلامیہ کالج کے طلبہ کا شکریہ ادا کرتا اور انہیں دعا دیتا ہوں۔ کہ خدائے قدوس ان کو اسلام کا فرزند سعید خادم قوم و دین بنائے۔

سرحدی وفود اس کے بعد آزاد علاقے کے وفود جو آفریدیوں اور مہمندیوں پر مشتمل تھے نادر خاں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ بوجہ ناسازیٔ طبع اپنے کمرہ میں بغرض آرام تشریف لیجا چکے تھے اس لئے وفود ہاشم خاں کے پاس پہنچے۔ ان سے دیر تک حالات حاضرہ پر گفتگو ہوئی وفود نے زور دیا کہ نادر خاں امان اللہ خاں کی امداد کے لئے قندہار جائیں۔ اور اگر نادر خاں قندہار نہ گئے تو ہم سمجھیں گے کہ نادر خاں انکے مخالف ہیں۔ اور جب ہم یہ سمجھ لیں گے کہ وہ امان اللہ خاں کے مخالف ہیں تو ہم ان کے راستے میں ہر قسم کی رکاوٹ پیدا کریں گے۔ ہم قرآن پر ہاتھ رکھکر حلف اٹھاتے ہیں کہ ہم اپنے عزم و ارادہ کو پورا کریں گے۔ ورنہ ہمیں واضح طور پر بتایا جائے کہ جرنیل نادر خاں اور ان کے رفقائے کار سیدھے قندھار جائیں گے یا نہیں۔ سردار ہاشم خاں نے کہا کہ جرنیل صاحب پہلے جلال آباد جائیں گے وہاں تمام قبائل کا ایک جرگہ طلب کیا جائے گا۔ جو بادشاہ کو منتخب کرے گا۔ لیکن آفریدی اور مہمندی نمائندگان وفود نے کہا کہ ہم انتخاب ونتخاب کچھ نہیں جانتے۔ ہم تو امان اللہ خاں کو بادشاہ مانتے ہیں پھر انتخاب کیسا؟ جب ارکان وفد بار بار اپنے مطالبہ پر اصرار کرتے رہے تو پھر ایک دفعہ اپنے عزم و ارادہ پر پہاڑ کی چٹان کی طرح قائم رہنے والا دنیا کا واحد جرنیل مدبر اپنے کمرہ سے باہر آیا۔ اور جرگہ کو یقین دلایا کہ میں بہترین طریق کار اختیار کروں گا۔ آپ حضرات مجھ پر اعتماد کریں۔ اور مجھے اپنی سکیم کے مطابق خدمت وطن انجام دینے کی اجازت دیں۔ اور اگر آپ نے نہ مانا تو میں یورپ چلا جاؤں گا۔

اور علاج کرانے کے بعد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کو چلا جاؤں گا۔ آخر میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں جلال آباد کے راستے قندھار جانے کا قصد رکھتا ہوں۔ آخری الفاظ سنکر "امان اللہ خاں زندہ باد" "نادر خاں زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ اور خوشی خوشی دونوں وفد رخصت ہو گئے۔

پشاور سے روانگی

پشاور سے ۶ مارچ ۱۹۲۹ء کو نادر خاں جنوبی افغانستان کو روانہ ہو گئے۔ آپ کی یہ روانگی نیس کی روانگی سے بہت مشابہ تھی۔ جب وہاں ۱۵ فروری تک دوستوں تک کو بھی معلوم نہ تھا۔ کہ آپ عنقریب وطن روانہ ہو جائیں گے۔ اور ۱۶ فروری کو معلوم ہوا کہ آپ نیس سے روانہ ہو چکے۔ اسی طرح پشاور میں ۵ مارچ ۲۹ء تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ آپ کی روانگی کس تاریخ کو کس وقت اور کس سمت کو ہو گی۔ لیکن ۶ مارچ کی صبح کو آپ پشاور میں نہ تھے۔ حالانکہ پشاور میں ان کے معالجین نے صاف کہہ دیا تھا کہ آپ کو آرام کی شدید ضرورت ہے۔ اگر کوئی دماغی یا جسمانی محنت کی تو صحت سخت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ بستر پر لیٹے رہیے حرکت نہ کیجئے آپ نے ان طبی ہدایات پر عمل کیا کہ بلا حرکت جنوبی افغانستان پہنچ گئے۔ آپ کی نقل و حرکت سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جو مقصد آپ کے پیش نظر تھا۔ وہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ نیس میں بھی آپ نے طبی مشوروں کی ایسی ہی قدر کی تھی۔ ڈاکٹروں نے اس طویل سفر کو خودکشی کے مرادف قرار دیا تھا۔ لیکن آپ نے کھلے بندوں اس بدپرہیزی کا ارتکاب کیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نادر خاں کو طبی ہدایات کی خلاف ورزیاں راس ہیں۔ اور آپ ایسی بدپرہیزیوں کے عادی ہیں۔ نیس سے روانگی اور ورود ہند نے ان کی صحت کو قدرے قابل اطمینان بنا دیا اگرچہ ضعف و ناتوانی میں تخفیف نہ تھی اور دور دراز سفر نے

آپ کو کھٹکا دامنگیر تھا چند روز بمبئی میں رہ کر تکان دور کر لی۔ اور پھر چل پڑے۔ پشاور
تک پہنچ کر پھر دم لینے کی ضرورت پڑی۔ چند دن ٹھیرے اور بعض مشوروں پر
عمل کرتے ہوئے جنوبی افغانستان پہنچ گئے۔ وہاں پہنچتے ہی سیاسی سرگرمیوں
میں منہمک ہو گئے۔

مشرقی قبائل کے نام اعلان

[illegible] بعض غلط فہمیوں

فساد اور بغاوت کا سبب بنی ہیں اگر ان کے انسداد کی جلد سے جلد تدابیر
نہ کی گئیں تو افغانستان کے علاوہ دوسرے ممالک پر بھی اس کا امن سوز اثر
پڑے گا۔ میں افغانستان کا خادم اور سپاہی ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھتا ہوں
کہ ملک و قوم کی خدمت بجا لاؤں میں آپ کو یہ جتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھے اور میرے
بھائیوں اور عزیزوں کو تخت و تاج کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ خواہش ہے تو صرف یہ کہ
جلد سے جلد امن قائم ہو اور فساد و خونریزی بند ہو۔ میں صدق و اخلاص سے یہ مشورہ
پیش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ وقت نفاق و خانہ جنگی کا نہیں ہے۔ بلکہ اتحاد و اتفاق کی
کوشش کرنا ہے تاکہ ملک کی عزت آزادی خطرہ سے محفوظ رہے۔ خدا سے سب ملکر دعا
کرو کہ وہ ہم کو اپنی عزت کی حفاظت کی توفیق بخشے۔

بچہ سقہ کو خط

جرنیل نادر خاں نے ایک خط امیر حبیب اللہ (بچہ سقہ) کے
نام ارسال فرمایا جس میں لکھا کہ "تم نے بادشاہ بننے میں
غلطی کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ تمہارے اندر وہ قابلیت استعداد اور لیاقت وافر
نہیں جو شاہ افغانستان کے لئے ضروری ہیں میں تمہیں اس جرگہ میں شریک
ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔ جو افغانستان کا بادشاہ منتخب کرنے کے لئے منعقد
ہونے والا ہے۔ اگر تم اشتراک عمل سے گریز کرو گے۔ اور جرگہ میں شرکت نہ کرو گے

و یاد رکھو کہ میں تمام ان قبائل کو جہاں میرا اثر و رسوخ ہے تمہارے خلاف آمادۂ
جنگ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھونگا"

بچہ سقہ کی طرف سے ...... اس مکتوب کا کوئی جواب موصول نہ ہوا
اور جب شرکت کا وقت بھی گزر گیا۔ تو اس کی طرف سے ایک ایسا "مکتوب" آیا
جسے لفظ مکتوب سے تعبیر کرنا ایسا ہی ہے جیسے بچہ سقہ کے لئے "شاہ افغانستان" کا
لفظ استعمال کرنا۔ نادر خاں اپنی مصروفیتوں میں برابر منہمک رہے۔

نادر خان اور بچہ سقہ میں آویزش { مارچ۔ اپریل اور مئی ۱۹۲۹ء

تک نادر خاں ابتدائی کارروائیوں سے فارغ ہو گئے۔ اور اس مدت میں انہوں
نے بہت کچھ فضا کو اپنے موافق بنالیا بہت سے قبیلے آپ کے ہمخیال ہو گئے لیکن
سب سے بڑی قلت روپے کی تھی۔ باقاعدہ فوج کے لئے باقاعدہ تنخواہ اور باقاعدہ
وردی اور باقاعدہ راشن کی ضرورت ہے۔ پھر باقاعدہ سامان حرب و ضرب
بھی ہو۔ اور باقاعدہ میگزین۔ باقاعدہ اسباب بار برداری۔ اور باقاعدہ لشکر و فوج
لیکن یہاں تو اللہ کا نام تھا اور بس۔ خدا بھلا کرے افغان وکیل التجارت پشاور کا
جس نے وقتاً فوقتاً تھوڑی بہت مالی امداد پہنچائی۔ وہ بھی مشروط یعنی اس شرط
سے کہ امان اللہ خاں کو تخت کابل پر دوبارہ لایا جائے۔ نادر خاں بیچارے کیا
کرتے وہی کیا جو سب سے کہہ آتے تھے کہ میں خود تخت و تاج کا خواہاں نہیں ہوں
افغان قوم جسے پسند کرے اپنے ملک کا تاج و تخت سونپ دے۔ امان اللہ خاں
کو قوم پسند کرے گی تو کیا میں اسے روک دوں گا۔ مجھے ذاتی طور پر امان اللہ خاں
سے کوئی مخالفت نہیں ہے میں ان کی ترقیات کو بھی مستحسن سمجھتا ہوں۔ اور دس سال
کے اندر انہوں نے جس قدر ملک و قوم کی خدمت کی وہ نہایت قابل قدر ہے

وکیل صاحب سمجھے کہ ضرور امان اللہ خاں دوبارہ منتخب ہو جائیں گے۔ اس لئے انھوں نے نادر خاں کی وقتاً فوقتاً مالی امداد کی۔ اور امان اللہ خاں سے جس قدر وفاداری کا ثبوت دیا وہ قابل قدر ہے۔ لیکن اس مالی امداد سے نادر خاں کا کیا بھلا ہو سکتا تھا۔ ان کی اکیلی جان ہوتی تو کسی امداد کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہاں تو فوج کیلئے اور اس فوج کے لئے روپے کی ضرورت تھی۔ جو بر سر پیکار میدان جنگ میں سر ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھی۔ یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ ابتدا میں نادر خاں نے کیونکر کام چلایا۔ زیادہ تر ان کے تدبر اور قابلیت۔ ان کی ہر دلعزیزی اور مہارت حرب و پیکار نے اور کمتر دنیوی اسباب نے انہیں کام کے قابل کر دیا۔ اور ان کی ابتدائی جدوجہد سے لیکر آخر تک خدائی نصرتیں ان کے ساتھ رہیں جو انسانی آنکھوں سے اور خصوصاً ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھی جا سکتیں بہر نوع بچہ سقہ اور نادر خاں میں آویزش شروع ہو گئی۔ شیر آغا سلیمان خیل اور غلزیوں نے نادر خاں کی تائید و حمایت میں حصہ لیا۔ اکثر مقامات پر نادر خاں اور بچہ سقہ کی فوجوں میں مقابلہ ہوا لیکن ابھی تک کوئی قابل ذکر نتیجہ بر آمد نہ ہوا تھا

غیبی امداد ۵ جون کو جرنیل غلام نبی خاں نے جو پہلے سفیر افغانی متعینہ روس تھے ہزارہ قبائل کا لشکر لیکر شمال کی طرف سے کابل پر حملہ کرنے کی مہم شروع کر دی۔ غلام نبی خاں کا اپنا بیان ہے کہ وہ بھی بے سروسامانی کی حالت میں روس سے چل کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ابتدا میں صرف ۲۷ نوجوان طلبہ تھے۔ جو بیرونی ممالک سے تعلیم حاصل کر کے ان تک پہنچے تھے۔ اور جن میں سے اکثر کا تعلق فوجی لائن سے تھا۔ جب حدود کابل میں داخل ہوئے تو اپنے جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق ہم ۲۷ نفوس نے مزار شریف پر حملہ کا ارادہ کیا۔ سرحد وار سے میں نے

پوچھا کہ تم اس کے حامی ہو تو اس نے "امان اللہ خاں زندہ باد" کا نعرہ لگایا۔ میں نے
احتیاطاً ان کا سارا میگزین اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اور ہدایات دیکر آگے بڑھ
گیا۔ جہاں ایک بڑا لشکر دکھائی دیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ انقلاب کے بعد وفادار
گروہ مزار شریف کو چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ اور کوئی اسے سنبھالنے والا
اور ہدایات دینے والا میسر نہیں ہے۔ میں نے ان کو ملا کر اپنی کمان میں لے لیا
افغانی سرحدی چوکی سے روانہ ہو کر مزار شریف پہنچنے تک میرے جوانوں کی
تعداد سات سو ہو گئی۔ مجھے اطلاع ملی۔ کہ دشمن کی تعداد صرف دو ہزار ہے۔
بس میں نے فوراً حملہ کر دیا۔ تین چار گھنٹہ کی جنگ کے بعد میں گورنر کے محل پر
امان اللہ خاں کا پھریرا لہرانے کے قابل ہو گیا۔

اس جنگ میں سرکاری خزانہ کا بہت سا حصہ میرے ہاتھ آ گیا لیکن ایک
مصیبت یہ نازل ہوئی کہ اسی دن تیسرے پہر کو دشمن کی ۱۲ ہزار فوج نے شہر کا
محاصرہ کر لیا۔ میں اردگرد کے دیہات کی نگرانی کے بہانہ سے شہر سے
نکلا ہی تھا کہ حریف کی فوج سامنے آ گئی۔ اب لڑنے کے سوا کیا چارہ تھا۔
جنگ شروع ہو گئی۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ ہم تھوڑے ان بہت پر غالب آ گئے۔
بہت سے قید کر لئے گئے۔ اور سامان حرب اور دوسری کارآمد چیزیں غنیمت میں
ملیں۔ جب میں نے اپنے ہاتھ آئے ہوئے مال غنیمت پر نظر ڈالی۔ تو حیرت کی
انتہا نہ رہی۔ جس میں وہ ہوائی جہاز بھی تھے۔ جو امان اللہ خاں نے دوران
سیاحت یورپ میں خریدے تھے۔ بچہ سقہ کے آدمی بندوق چلانے کے سوا
کچھ نہ جانتے تھے۔ اس لئے وہ اس سامان سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے
بلکہ ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ میرے آدمی چونکہ ٹرکی اور دیگر ممالک کے تعلیم یافتہ
تھے۔ اس لئے انہوں نے وہ سامان جو غنیمت میں حاصل ہوا تھا لیس کر لیا

اور اب میں اس قابل ہوگیا کہ افغانی ترکستان میں ایک زبردست فوج کی قیادت کرسکوں۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے ۲۳ لڑائیاں لڑیں۔ اور سب میں فتح پائی۔ سارا ترکستانی علاقہ میرا حامی ہوگیا۔ جس وقت میں نے یہ سنا کہ امان اللہ خاں خونریزی سے اجتناب کرکے ترک وطن کر گئے ہیں تو مجھے سخت صدمہ ہوا۔ بس میری آنکھوں کے سامنے اپنے بادشاہ کی تصویر پھر گئی اور میرے ضمیر نے مزید خونریزی سے انکار کر دیا۔

نادر خاں کو غلام نبی خاں کی سرگرمیوں سے قدرتاً فائدہ پہنچا جس جس دشمن کے خلاف وہ تن تنہا اپنے بھائیوں کی امداد اور خدا کے بھروسہ پر نبرد آزما تھے۔ اس کے مخالفین میں ایک اہم مخالف کا اضافہ ہوگیا۔ اور نادر خاں کو اس قدرتی امداد سے بڑی سہولت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ غلام نبی خاں نے جب ۵ جون کو بچہ سقہ کے خلاف مہم شروع کی تو پہلے ہی موقع پر اس کے سپاہیوں کو غور بند پر شکست فاش دی۔ ایک طرف تو غلام نبی خاں بچہ سقہ کے سینے پر مونگ دَل رہے تھے۔ دوسری طرف نادر خاں کے بھائی محمد ہاشم خاں نے خوگیانیوں میں جو آپس میں سر پھٹول کر رہے تھے۔ صلح کرادی۔ اور وہ اپنی خوشی سے ہاشم خاں کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ تیسری سمت شاہ ولی خاں اہم جنگی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ اور چوتھی جانب ان سب کے استاد ابوالحرب نادر خاں اپنے کمالات حرب وضرب دکھا رہے تھے۔ بچہ سقہ کی بدحواسیوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ کبھی نادر خاں کے سر کی قیمت ایک لاکھ روپیہ مقرر کرتا۔ کبھی ان کے بھائیوں کا سر لانے والوں کے لئے انعام کا اعلان کرتا۔ کبھی غلط پروپیگنڈے سے کام لیتا۔ کبھی بعض اہم قبائل میں ایسے اشتہارات تقسیم کراتا کہ نادر خاں سے میری صلح ہوگئی ہے۔ اب تم کو ان کے پاس جانے اور ان کی امداد کرنے کی

ضرورت نہیں۔ لیکن اس کو اپنی چالوں میں کامیابی نہ ہوئی۔ اور ہر طرف سے مایوسی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ آخر اس نے ایک نئی چال چلی۔ اور نادر خاں کے پاس پیغام بھیجا کہ کابل میں آکر جدید بادشاہ کے انتخاب کے لیے جرگہ منعقد کیجیے۔ لیکن نادر خاں ایسی کچی گولیاں کھائے ہوئے نہ تھے۔ کہ ایک جاہل کندۂ ناتراش کی چال میں آجاتے۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ جدید بادشاہ کا انتخاب اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب بچہ سقہ تخت سے دستبردار ہو جائے۔

جنگ گردیز میں نادر خاں کی کامیابی

بچہ سقہ نے ایک جرار لشکر غلام صدیق خاں کی سرکردگی میں خرقہ منتشر سمت جنوبی کو روانہ کیا تاکہ جرنیل نادر خاں اور ان کے بھائیوں کو یا تو زندہ گرفتار کرے یا سمت جنوبی سے نکال باہر کرے۔ اور پورے علاقہ پر تسلط جمالے۔ جب غلام صدیق خاں گردیز کے قریب تیراہ میں پہنچے تو اہل تیراہ نے جرنیل شاہ ولی خاں کی خدمت میں حاضر ہو کر ہدایات طلب کیں۔ شاہ ولی خاں نے ان کی تسلی کی اور نادر خاں کے پاس پیغام بھیجا۔ نادر خاں یلغار کرتے ہوئے ایکدم گردیز پہنچ گئے۔ اور انہوں نے اہل گردیز کی طرف سے ایک پیغام جرنیل غلام صدیق خاں کے پاس بھیجا۔ جس کا مطلب اور مفاد یہ تھا کہ باشندگان گردیز کسی حالت میں بچہ سقہ کی حکومت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور وہ اپنے صوبہ پر اس کا ذرہ برابر اقتدار دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ بہتر یہی ہے کہ تم خونریزی سے باز آؤ۔ اور خاموشی سے واپس چلے جاؤ۔ غلام صدیق خاں نے اس پیغام سے یہ نتیجہ نکالا۔ کہ باشندگان گردیز ہمارے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور بچاؤ کی تدبیر

نکال رہے ہیں۔ اس لئے اس نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور اس پیغام کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ اہل گردیز نے غلام صدیق خاں کے روبرو کو بھانپ لیا۔ نادر خاں کی بیعت کر کے حلف وفاداری اٹھایا۔ اور راتوں رات سقہ شاہی فوج پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے۔ چار ہزار سقوی اس جنگ میں مقتول ہوئے۔ ۷۰ سے گرفتار ہوئے۔ اور کچھ بھاگ گئے۔ بہت سا مال غنیمت نادر خاں کے ہاتھ آیا۔ جس میں ۸ بڑی توپیں دو ہزار سے زائد رائفلیں بے شمار کارتوس۔ تین موٹر لاریاں اور کثیر المقدار سامان رسد میگزین گھوڑے خچر۔ خیمے اور سامان تھا۔ نادر خاں کی فوج کے ۹ آدمی شہید ۸ مجروح اور دو مفقود الخبر ہوئے۔

کابل کی طرف پیشقدمی

اس شاندار فتحیابی سے حامیان نادر خاں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور وہ بیش از بیش مستعدی اور چستی دکھانے لگے۔ نادر خاں نے اعلان کیا جو شخص سب سے پہلے کابل میں فاتحانہ داخل ہو گیا۔ اسے ۲۶ لاکھ روپیہ نقد دیا جائے گا۔ اس عظیم الشان انعام نے ہمتوں میں اضافہ۔ دلوں میں جوش اور طبیعتوں میں شوق اور ولولہ پیدا کر دیا۔ ہر طرف سے پیشقدمیاں شروع ہو گئیں۔ ہر سردار چھبیس لاکھ روپیہ کا تصور کر کے جلد سے جلد کابل میں پہنچنے کی تدبیریں اور جد وجہد کرنے لگا۔ جرنیل نادر خاں نے حاجیوں کا ایک لشکر مرتب کر کے اپنے بھائی شاہ محمود خاں کی سرکردگی میں جلال آباد کی طرف بھیجا اور سردار ہاشم خاں کی زیر کمان خوگیانیوں کا ایک لشکر ترتیب دیا خوگیانی ہاشم خاں سے محبت کرتے ہیں۔ ہاشم خاں کو نادر خاں نے ہدایت کی کہ جلال آباد کے قریب تم شاہ محمود کے لشکر سے ملو۔ اور دونوں ملکر کابل پر

حملہ کرو۔ ساتھ ہی غلام نبی خاں کو خط لکھا کہ جلد سے جلد کابل پر چڑھائی کرو۔ میں نے بھی کابل پر حملہ کی تیاری شروع کر دی ہے۔ غلام نبی خاں کا لشکر ۲۵ ہزار کی تعداد تک پہنچ چکا تھا۔ نادر خاں نے ملا اکاؤ کوہستانی کو بھی کابل پر حملہ کرنے کی ہدایت کی۔ خود دوسرے دن بڑھ کر قلعہ ارگون پر قبضہ جمالیا جماحل گردیز کے درمیان ایک اہم جنگی مقام خیال کیا جاتا ہے۔

وادیٔ لوگر کی فتح

وسط جولائی میں جرنیل نادر خاں کو جو اس وقت گردیز کے قرب و جوار میں تھے اطلاع ملی کہ کابل کی رعایا سب کی سب بچہ سقہ کی مخالف ہے۔ ہزارہ اور وردک قبائل بھی بچہ سقہ کے دشمن بن گئے ہیں۔ ہزاروں کے دشمن بنجانے کا سبب یہ تھا کہ ایک جنگ میں بچہ سقہ کے سپاہی ہزاروں کی چند عورتیں پکڑ کر کابل لے گئے تھے۔ کابل لیجا کر ان کو نیلام کیا گیا۔ اس سے ہزاروں میں جوش و غصہ کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ ہزاروں نے نادر خاں کو لکھا کہ اگر آپ کابل پر حملہ کریں تو ہم آپ کی ہر طرح امداد کرنے کو تیار ہیں۔ دوسری طرف سردار ہاشم خاں سیلاب کی طرح بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اور مقام چکری تک جو کابل سے صرف ۱۶ میل کے فاصلہ پر ہے پہنچ چکے تھے جرنیل نادر خاں نے حاجیوں کے علاقہ میں بمقام قاسم خیل قیام فرمایا۔ اور بچہ سقہ سے آخری اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

اس وقت تک ملائے شور بازار کا بھائی شیر آغا بھی آپ کا حامی بن چکا تھا۔ اور جرنیل نادر خاں کو ہر قسم کی امداد پہنچا رہا تھا۔ بچہ سقہ نے جس وقت یہ سنا کہ شیر آغا نادر خاں کا حامی بن گیا ہے تو اس نے شیر آغا کی تمام جائداد ضبط کر لی۔ اور اس کے بھائی گل آغا کو گرفتار کر لیا۔ لیکن وہ برابر

نادر خاں کا وفادار رہا۔ ہاشم خاں کی مزید امداد کا سامان خدا نے یہ کر دیا کہ ملک نور محمد صاحب خوگیانی جو اس وقت حاکم جلال آباد تھے۔ وہ ہاشم خاں سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ اور بچہ سقہ سے کسی امر متنازعہ پر برسرپیکار ہونا چاہتے تھے۔ ملک نور محمد صاحب کے ساتھ ایک بھاری جماعت تھی۔ یہ برمحل غیبی امداد نہایت گرانبہا ثابت ہوئی۔ نور محمد صاحب خوگیانی نے ہاشم خاں سے امداد کا وعدہ کیا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ایک طرف نادر خاں کے پاس سرداران قبائل بغرض حمایت و امداد پہنچ رہے تھے۔ اور وہ حسب موقع سب کو ہدایات دے رہے تھے۔ دوسری طرف ان کے بھائی ہاشم خاں اپنی عسکری قوت میں اضافہ کر رہے تھے۔ اور اپنے حامیوں میں روز افزوں ترقی پاتے تھے۔ اور بڑھتے چلے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ کابل سے ۲۶ میل کے فاصلے پر حکمری تک پہنچ گئے۔ تیسری طرف شاہ محمود خاں وادی لوگر پر حملہ آور ہوئے اور ۲۶ گھنٹہ کی شدید جنگ کے بعد دشمن پسپا ہو گیا۔ غنیمت میں ایک بڑی توپ ایک ہزار بندوقیں اور بہت سا سامان حرب ہاتھ آیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر وہ کارہ ز درویش کی طرف بڑھے۔ اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ جرنیل شاہ محمود کی فوجیں جو جرنیل گل محمد خاں کے زیر کمان تھیں کابل سے دس میل کے فاصلہ پر پڑی ہوئی تھیں۔ اور حملہ کے حکم کی منتظر۔ ہاشم خاں کابل سے ۲۶ میل کے فاصلہ پر حملہ کرنے کو تیار بیٹھے تھے۔ ان حالات کو دیکھ کر بچہ سقہ کی بدحواسیوں کا عالم قابل دید تھا۔ مگر زبان سے کہتا تھا کہ خدا میرے ساتھ ہے اس لئے چاہے سب مجھ سے پھر جائیں مجھے فکر نہیں ہے۔ یہ کہتا جاتا تھا اور ہر ممکن تدبیر اپنے بچاؤ کی کرتا جاتا تھا چنانچہ اس نے روپیہ کی فراہمی اور جبری بھرتی کی کاروائیاں شروع کر دیں۔ جن لوگوں کے ذمہ مالیہ اراضی یا کسی

قسم کے محصولات کی رقوم لگا رکھی تھیں۔ انہیں بھی فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔
نیز اس نے اعلان کیا کہ تمام رعایا اپنی بندوقیں حکومت کابل کے حوالے کر دے
جو اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا۔ شدید سزا کا مستوجب ہوگا۔ اس کی اس
قسم کی کارروائیوں سے اور زیادہ بددلی پھیلی۔ اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔
جولائی کا سارا مہینہ اسی قسم کی جنگی سرگرمیوں میں بسر ہوگیا۔ نادر خاں اور اُن کے
رفقا مرکز پر پھر حملہ کرنے کی تدبیریں کرتے رہے۔ اور بچہ سقہ اپنی حفاظت میں
مصروف رہا۔ کسی مقام پر حامیانِ نادر خاں کامیابی پاتے کسی جگہ بچہ سقہ
کی افواج انہیں پسپا کر دیتیں۔ آج ایک مقام ایک فریق کے پاس آگیا
تو کل دوسرے کے پاس چلا گیا۔ پرسوں پھر اسی کے تصرف میں نظر آنے لگا۔
چند دِنے یہی ہوتا رہا۔ اور اس دوران میں ہندوستان میں مختلف قسم کی متضاد
خبریں پہنچتی رہیں۔ بچہ سقہ اور اس کے حامیوں کا غلط پروپیگنڈا اور زیادہ
خبروں کو ناقابل اعتبار بنا رہا تھا۔ اس نے ایک ہی بات سیکھی تھی۔ بادشاہ
بننے کے بعد وہ ڈکیتی، چوری لوٹ نہ کر سکتا تھا۔ ہاں جھوٹ بول سکتا تھا اور
خوب پیٹ بھر کر بول رہا تھا۔ وہ خود اور اس کے حواری اعلیٰ سیاست سے
نابلد محض تھے۔ اسی وجہ سے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے تھے۔ ان حالات
میں کہ اس کو ہر ممکن طریق پر باشندگان کابل اور اپنی فوج کی دلجوئی اور
تالیف قلب کرنی چاہیے تھی۔ وہ برابر سختی سے کام لے رہا تھا۔ اور اس کے
مامورین اس سے بھی زیادہ اشد واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ خوشی کے مقام پر
جب اس کے لشکر نے نادر خانی افواج سے مقابلہ کیا تو فریقین میں سے ایک کو
ضرور شکست ہونی تھی۔ اور وہ سقوی سپاہ کے حصہ میں آئی۔ جب شکست
کھا کر ۵۰۰ سپاہ اپنے مرکز کابل کی طرف جا رہی تھی۔ تو راستہ میں چار سپاہ

کے نزدیک ملک محمد محسن گورنر کابل انہیں مل گیا۔ ملک محمد محسن کو چاہئے تھا کہ اپنی فوج کی تسلی کرتا ان سے ہمدردی سے پیش آتا اس کے خلاف اس نے نہایت وحشیانہ غصہ کا اظہار کیا اور پستول نکال کر دو سپاہیوں کو خود قتل کر دیا تیسرے نے انہیں کو بندوق کا نشانہ بنا کر جہنم رسید کر دیا باقی سپاہیوں نے حملہ کر کے ملک مقتول کے حامیوں کو بھی انہی کے پاس پہنچا دیا۔ اور اس واقعہ کے بعد حالت باینجا رسید کہ سقہ شاہی عہدیدار کو خود اس کے سپاہی بے حقیقت اور بے وقعت سمجھنے لگے۔ ساکھ اٹھ گئی رعب داب ختم ہو گیا۔ کسی ایسے حاکم کے لئے جس کا پبلک پر کوئی اثر نہ ہو نہ عجب ہو نہ ڈر۔ کوئی چارہ کار اس کے سوا نہیں کہ وہ حکومت سے دستبردار ہو جائے لیکن بچہ سقہ کو موت قبول تھی اور تخت چھوڑنا قبول نہ تھا۔

تائید ایزدی اوائل اگست میں سردار ہاشم خاں نے جلیر بزوغیرہ پر حملہ کیا۔ مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور بھی مختلف مقامات پر حملوں کا سلسلہ جاری رہا جس کا کوئی قابل ذکر نتیجہ برآمد نہ ہوا سردار ہاشم خاں کابل کے قریب چھوٹے چھوٹے مقامات پر حملے کرتے رہتے جسے سقوی سپاہ روکتی رہی۔ اور ہاشمی لشکر کو اکثر مقامات پر پسپا ہونا پڑا۔ آفریدیوں اور مہمندوں نے نادر خاں کی حمایت کا اعلان کر کے ان کی ہدایت کے بموجب ایک ہزار آفریدیوں کا لشکر سردار ہاشم خاں کی امداد کی غرض سے روانہ کر دیا گیا۔ جس سے ہاشم خاں کی ہمت بندھ گئی۔ اور وہ زیادہ مستعدی سے سرگرم کار ہو گئے۔ اس وقت ان کے پاس ۵ ہزار خوگیانی اور دو ہزار لنگرا و بھی موجود تھے۔ ایک ہزار آفریدیوں کا اور اضافہ ہو گیا۔ علی خیل میں غلزئیوں کی ایک جرگہ نے نادر خاں کی حمایت کا فیصلہ کر کے حلف اٹھایا کہ ہم اپنے گذشتہ

اعمال پر اظہار پشیمانی کرتے ہیں۔ اور آئندہ کے لئے نادر خاں کی وفاداری کی قسم کھاتے ہیں۔ اور بچہ سقہ سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں۔ نادر خاں کی قوت روز بروز ترقی کر رہی تھی۔ اوران کی ترقی ہی بچہ سقہ کے تنزل کا باعث تھی۔ وہی لوگ جو بچہ سقہ کے حامی تھے اُس سے ٹوٹ کر ان میں مل رہے تھے۔ مجاہدین با اخلاص کو کامیابی کی سُنہری کرنیں آنکھوں کے سامنے نظر آرہی تھیں۔ نادر خاں نے ایک اعلان کوہ دامنیوں کے نام شائع کیا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

اعلانات نادری

"سمت جنوبی کے عساکر نے دو اہم جنگوں میں کامیابی حاصل کرلی ہے۔ چند روز تک سمت مشرقی کے لشکر ہر طرف سے کابل پر یورش کرنے والے ہیں۔ مجھے خدا کے فضل و کرم سے قوی امید ہے۔ کہ عنقریب آپ لوگ بدکرداروں کے انجام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اب بھی اگر آپ لوگ ہمارے ساتھ ملکر ڈاکوؤں اور لٹیروں پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور اپنے کو ان کی محکومی و غلامی سے آزاد کرالیں۔ تو آپ کے خلاف کوئی الزام نہیں رہے گا۔ اور آپ کے نام بھی قوم افغان کے مقدس مجاہدین کی فہرست میں لکھے جائیں گے لیکن اگر آپ لوگوں نے اس کے خلاف کیا تو سمجھ لو کہ ایک دن ضرور اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتو گے۔"

اس کے علاوہ بھی بعض مخالف قبائل میں آپ نے اہم اعلانات تقسیم کرائے اور پیغامات بھیجے تاکہ ان سے مخالفت دور ہو کر مودت و اخوت کا رشتہ قایم ہو جائے۔ بعض کی طرف سے تو کوئی جواب نہیں ملا۔ بعض نے مناسب جواب دیا۔ بعض غیر جانبدار قبائل میں بھی اعلانات نادری کی اشاعت کی گئی

جس کا اچھا اثر پڑا۔ اوائل ستمبر میں وزیریوں کا ایک زبردست لشکر جس کی تعداد ساڑھے تین ہزار تھی۔ نادر خاں کی امداد کے لئے خوست کی طرف روانہ ہو گیا۔ اہل خوست وزیریوں سے سخت حسد کرتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے مداخلت کی لیکن وزیری خوستیوں کی مزاحمت کے باوجود ماتون کی چھاؤنی میں پہنچ گئے۔ مزید لشکر زیارت بابا میں جمع ہونے لگا مسعودیوں کی طرف سے پیغام آیا کہ آپ کے عساکر میں شامل ہونے کے لئے ہماری طرف سے ایک بڑی جماعت روانہ ہونے والی ہے۔ ہمارے پہنچنے کا انتظار کیجئے۔ جرنیل نادر خاں نے وزیریوں کے لشکر کو لوگر کی طرف سے حملہ کرنے کی ہدایت دینے کا فیصلہ کیا۔ جرنیل شاہ ولی خاں دو ہزار کا لشکر لیکر دوبندی کو روانہ ہو گئے۔

مجاہدین کی سرگرمیاں

ان ہی ایام میں نادر خاں کے اخبار "اصلاح" نے مجاہدین حریت کی سرگرمیوں کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا۔

"حاجی منگل۔ میرزکہ۔ احمدزئی اور طوطاخیل قبائل کے لشکر بمقام بالا آدہ سقویوں سے جنگ کر رہے ہیں۔ کوہ سین کی طرف بھی منگلوں نے سقویوں کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ تیراہ کا ایک قبیلہ علی خیل پہنچ گیا ہے۔ لشکر کے اور بھی بہت سے حصے بالا دبہ پر سقویوں سے نبرد آزما ہیں۔ بعض قبائل نے اس جنگ میں سقویوں سے بندوقیں بھی چھین لیں۔ سمت شرقی کے لشکر جگدلک تک پہنچ گئے۔ مہمندوں کا لشکر تگاب کی طرف جا رہا ہے۔ اس کا ارادہ تگابیوں کے ساتھ ملکر کوہ دامنیوں پر حملہ کرنے کا ہے۔"

اواخر ستمبر ۲۹ء میں وزیریوں اور مسعودیوں کا ایک عظیم الشان لشکر غازئ مشرق جرنیل نادر خاں کے ہیڈ کوارٹر علی خیل میں پہنچا جس کی تعداد

ایک روایت کے مطابق ۱۲ ہزار تھی۔ اس لشکر کی آمد کی خوشی میں ۵ ضرب فائر کی عالم تباہ توپ سے سلامی اتاری گئی۔ عالم تباہ توپ امیر شہید کے زمانہ سے قوست چھاؤنی میں رکھی ہوئی ہے۔

زبیر خاں بریگیڈیئر جو بچہ سقہ کا آدمی تھا اس کے خلاف ہوگیا۔ اور اپنے تین سو تفنگ برداروں سمیت نادر خاں سے آملا جس نے مقام بالا دیہ اور نواح گرد نواح میں سقویوں سے مقابلہ کیا۔ دوسرے مجاہدین بھی مختلف اسمات سے ممد و معاون رہے آخر کندر خیل میں پندرہ گھنٹے کی مسلسل جنگ کے بعد سقوی سپاہ پسپا ہوگئی۔ اور مجاہدین نے بڑھ کر بالا دیہ پر قبضہ کر لیا۔ دو مشینیں اور کافی ذخیرہ بارود مجاہدین کے ہاتھ آیا۔ دوسری طرف پیشقدمی کر کے شاہ محمود خاں نے کوہ تکر دام کو فتح کر لیا۔ ہر طرف سے قدم قدم پر نادر خاں کی قوت و طاقت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور مجاہدین کے حوصلے بڑھ رہے تھے نادر خاں کے مجاہدین نے نہایت آسانی سے بڑھ کر مقام کاریز درویش کو فتح کر لیا۔

فتح قندھار کی خوشخبری

مجاہدین قندھار جن کا لشکر درانیوں پر مشتمل تھا۔ اور جو علیحدہ ہی قندھار کی فتح کے منصوبے مدت سے کر رہے تھے۔ قندھار پر چڑھ دوڑے۔ اور ایسا زبردست حملہ کیا کہ سقویوں کے دانت کھٹے کر دئے۔ اور سقہ شاہی فوج کے مقابلہ میں جانیں لڑا دیں۔ خدا نے ان کی کوشش کو بار آور کیا۔ انہوں نے جرنیل نادر خاں کو خوشخبری دی کہ ہم خدا کے عز و جل کا ہزار ہزار شکر ادا کر کے آپ کو اطلاع دیتے ہیں کہ مجاہدین قندھار کی ہمت و فداکاری کی برکت سے اشرف البلاد قندھار ڈاکوؤں اور چوروں

کی دستبرد سے نجات پاگیا۔ اب وہ مجاہدین کے قبضہ میں ہے۔ فتحیابی کے بعد فوراً ہی حفاظتی پہرے بٹھا دئے گئے جو سقوی شہر کے اندر مل سکے وہ گولی کا نشانہ بنے سرداران افواج سقوی کو گرفتار کرلیا گیا ہے کچھ مارے گئے قندھار کے تمام باشندے بالخصوص سرخیل مجاہدین اس فتح کی مبارکباد سپہ سالار غازی محمد نادر خاں کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ مجاہدین کی طرف سے امن وامان کا علم بھی آپ کے نام پر بلند کیا گیا۔ اس پیغام مبارکباد کو ہم آقائے عبدالکریم خاں کی معرفت جنہوں نے اس جہاد آزادی میں انتہائی فداکاری کا ثبوت دیا ہے۔ آنجناب کی خدمت میں پہنچانے کا شرف حاصل کرتے ہیں ہم آپکے احکام کے منتظر ہیں جو حکم ہوگا اس کی بسروچشم تعمیل کی جائے گی۔ اور آپکی ہدایت کے مطابق نظم ونسق کا اہتمام ہوگا۔ آخر میں ہم آپ کی فتحیابی اور کامرانی و بامرادی کے لئے حق سبحانہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں"

اس مبارکبادی کے پیغام پر مجاہدین سرخیل کے اسمائے گرامی بھی درج تھے جنہوں نے اس مقدس جہاد میں حصہ لیا تھا۔

فتح کابل

فضا کو عین موافق پاکر شاہ محمود خاں نے یکایک جنگ شروع کردی اور پیشقدمی کرتے ہوئے مقام شکرم کی چوٹی پر قبضہ کرلیا شکرم کے مقام پر جو سقوی افسر تھے انہیں گرفتار کرلیا۔ دیکھتے دیکھتے شاہ محمود خاں سمت جنوبی کے تمام علاقہ پر متصرف ہوگئے۔

شاہ ولی خاں نے دیکھا کہ یہی موقع ہے۔ اللہ کا نام لیکر وادی لوگر سے یلغار کرتے ہوئے آپ نے مقام چہار اسیہ پر حملہ کردیا اور نہایت جرأت اور بہادری سے مقابلہ کرکے آگے بڑھے اور کابل کا محاصرہ کرلیا۔ لڑتے

پھر اُنہوں نے معہ اپنے لشکر جرار کے جو وزیریوں اور حاجیوں پر مشتمل تھا حدود کابل میں داخل ہو گئے۔ اور دشوار گزار مقامات پر نبرد آزمائی کرتے ہوئے سقوی فوجوں کو روندتے پھاندتے شہر میں پہنچ گئے۔ بچہ سقہ کی فوجیں مجاہدین کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اور فاتحین کی شمشیر خارا شگاف کی تاب نہ لا کر فرار ہو گئیں اس طرح یہ شاندار اور قابل یادگار فتح نادر خاں کو اللہ تعالیٰ کے فضل و تائید سے حاصل ہوئی یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بچہ سقہ خود کمان کر رہا تھا اور صف اول میں تھا۔

کابل پر حملہ کرنے کے لئے خود نادر خاں نے اپنے بھائیوں کو ہدایات دی تھیں۔ شاہ ولی خاں اور شاہ محمود خاں کی قابلیتوں پر انہیں پورا پورا بھروسہ تھا۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کو میدان جنگ میں بھیجنے سے پہلے عساکر نادری کے دو حصہ کر دئے تھے۔ تاکہ دو محاذوں میں ایک ہی وقت جنگ شروع ہو سکے نتیجہ خاطر خواہ نکلا یعنی دونوں طرف سے ایک ہی وقت حملے ہوئے۔ سقوی افواج کے حوصلے پست ہو گئے۔ نادر خاں کی افواج نے انہیں خوفزدہ کر دیا۔ شاہ ولی خاں فاتحانہ انداز میں جب شہر کابل میں داخل ہوئے تو ان کی مسرت کی انتہا نہ تھی۔ فتح کابل کی خبر آناً فاناً دنیا کے ہر حصہ میں پھیل گئی۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں چراغاں کیا گیا۔ اور مسرت و شادمانی کے جلسے منعقد ہوئے۔ در و دیوار سے صدا آنے لگی۔ کہ ؎

فتح نادر خاں کو دی اللہ نے
بچہ سقہ کا آخر قتل ہوا

۹ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو کابل فتح ہوا۔ ۱۰ر اکتوبر کو شاہ ولی خاں نے قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۱۵ر اکتوبر کو جرنیل نادر خاں بھی کابل پہنچ گئے۔

نادر خاں کو اطراف و اکناف عالم سے اس قدر پیغامات مبارکباد موصول

ہوئے جن کے وہ فوراً جواب بھی نہ دے سکے۔ اور سب نے اظہار عقیدت و اعتماد کیا۔ ان پیغامات میں ایک سب سے نمایاں اور سب سے زیادہ قابل توجہ پیغام تھا۔ اور وہ شاہ امان اللہ خاں کا تھا۔ جو انہوں نے روما سے اعلیٰ حضرت نادر خاں کو ارسال کیا تھا۔ جس کو ہم بعینہٖ درج کرتے ہیں

"میں بحیثیت ایک بہی خواہ افغانستان کے آپ کی فتحمندی اور اس تاریخی نیکنامی پر جو آپ نے حال ہی میں حاصل کی ہے۔ آپ کو اور آپ کے رفقائے کار کو مبارکباد دیتا ہوں" امان اللہ خاں

اس کے بعد ناظرین بچہ سقہ کی اس چالاکی اور فرار سے تو واقف ہیں جو تسخیر کابل کے بعد اس نے اختیار کی اور جس کا تذکرہ ہم اس کی سوانح میں کر چکے ہیں۔ کہ کس طرح شاہ محمود خاں نے اس کا تعاقب کیا۔ اور گرفتار کر کے کیفر کردار کو پہنچایا۔ یہاں اس کے مزید اعادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ ہاں نادر خاں کے بادشاہ بننے کے متعلق بعض حالات پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

فتح کابل سے بہمہ وجوہ فراغت پانے اور نادر خاں کے کابل پہنچ جانے کے بعد تمام سربرآوردگان ملک کے نام دعوت نامے ارسال کئے گئے۔ کہ وہ جلد سے جلد کابل پہنچکر اپنے آئندہ بادشاہ کا انتخاب کریں۔ اور اگر اتنی جلد وہ مستقل بادشاہ کا انتخاب نہ کر سکیں تو عارضی طور پر بادشاہ منتخب کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ کوئی ملک بغیر بادشاہ کے ایک منٹ کے لئے خالی نہ رہنا چاہئے۔ چنانچہ ۱۶ ار اکتوبر ۱۹۲۹ء تک مہمند، جاجی، شنواری، منگل، جدران، سلیمان خیل، وزیری، فلسگانی، قندہاری قبائل کے سردار اور ملک نئے بادشاہ کے انتخاب کے لئے کابل پہنچ گئے۔ نادر خاں نے جرگہ منعقد کیا۔ اور اس میں افتتاحی تقریر فرمائی۔ جو حسب ذیل ہے۔ (یہ تقریر ہمیں حیات نادر سے ملی ہے)

تاجِ شاہی کا ردّ و قبول

افغانی قبائل کے سردارو! آپ حضرات پر وہ حالات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں جو اس ملک میں تقریبًا ایک سال تک جاری رہے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے مصیبت اور تباہی کا زمانہ ختم ہو گیا۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے جب کہ آپ حضرات کو نہایت ذمہ دارانہ طریقہ سے اپنے ملک کے نظم و نسق کا انتظام کرنا ہے۔ آپ حضرات کو سوچنا چاہیے کہ مادر وطن کی بہبودی کے لئے آپ کا فرض کیا ہے۔ اور آپ اسے کیونکر انجام دیں گے۔ میرے نزدیک ضرورت ہے کہ اسوقت آپ عارضی طور پر ایسا انتظام کریں کہ سلطنت کا کام چلتا رہے۔ اس کے بعد لوئی جرگہ بلایا جائے اور وہ افغانستان کے تاجدار کا انتخاب کرے۔

ایک ملک کی آواز:۔ ہم لوگ اپنے اپنے قبیلہ کے نمائندے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اپنے خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنی ضمیر کی روشنی میں ہم جو فیصلہ کریں گے اسے ہمارے بھائی قبول کریں گے۔ اس لئے ہمیں اس جرگہ میں بادشاہ کا انتخاب کر دینا چاہیے۔ اور میری رائے میں اس وقت ملک کو تباہی سے جس نے بچایا ہے اس کے سر پر افغانستان کا تاج رکھنا چاہیے۔

ملک کی اس تقریر کے بعد نادر خاں نے اپنی تقریر پھر شروع کی اور فرمایا کہ میں اپنے محترم دوست کی مہربانی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں لیکن اس کے ساتھ میں صاف الفاظ میں یہ کہدینا چاہتا ہوں کہ میں ملک پر قربان ہونے کے لئے آیا تھا۔ حاشا وکلا مجھے تاج کی خواہش جب تھی نہ اب ہے۔ میں بوڑھا ہوں۔ میں نقیح ہوں اور تاج و تخت کے جائز وارثوں کی موجودگی میں میں ایک منٹ کے لئے بھی اسے پسند نہیں کر سکتا۔ کہ افغانی تاج اپنے سر پر رکھوں میں افغانستان کا خادم ہوں اور خادم ہی رہنا چاہتا ہوں۔ خدا کے واسطے ایسا خیال بھی دل میں نہ لایئے۔ کہ

نادر تخت افغانستان پر بیٹھ سکتا ہے۔ اس خیال کو دل سے نکال دیجئے اور خالی الذہن ہو کر غور کیجئے۔ کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ وہ کس حد تک افغانستان کی بہبودی کے لئے ضروری ہے۔

میں خدا کا واسطہ دیکر آپ سے کہتا ہوں کہ بادشاہ کے انتخاب میں ہرگز ہرگز جلدی نہ کیجئے۔ اور فی الحال عارضی انتظام کیجئے۔ اور شاہ کے انتخاب کا فیصلہ لوئی جرگہ پر چھوڑ دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ و فساد پھر پیدا ہو جائے گا۔ اور میں ہرگز پسند نہیں کر سکتا کہ ملک پھر تباہی کے غار میں دھکیلا جائے میں آپ سے مکرر یہ عرض کرنے کے بعد رخصت ہونا چاہتا ہوں۔ میرے ضمیر اور قلب پر سردار کی تقریر سے بہت چوٹ لگی ہے۔ وہ اس لئے کہ مجھ سے وہ چاہا جاتا ہے جس کے لئے میں تیار نہیں ہوں میں اسے گوارا کر سکتا ہوں۔ کہ افغانستان سے چلا جاؤں۔ لیکن تاج نہ پہنوں۔ تاج ان لوگوں کو مبارک رہے جو اس کے حقدار ہیں۔ میں تو اگر کچھ کر سکتا ہوں تو افغانستان کے ایک سپاہی کی حیثیت سے۔ نہ کہ تاجدار کی۔" نادر خاں اس تقریر کے بعد جلسے سے چلے گئے۔

جلسہ نے چالیس ملک انتخاب کئے۔ کہ وہ جرنیل نادر خاں کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں آمادہ کریں۔ کہ وہ تاج شاہی قبول کر لیں۔ ملک نادر خاں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے تمام واقعات پر مدلل بحث کی اور کہا کہ افغانستان کی حالت سے آپ سے زیادہ کون واقف ہے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ افغانستان کا کھویا ہوا امن بحال ہو جائے۔ تو آپ ہماری درخواست منظور کریں۔ کیونکہ اس وقت صرف آپ ہی کی شخصیت ہے۔ جس کی اطاعت تمام افغانستان کر سکتا ہے۔

نادر خاں نے اب بھی انکار کیا اور کہا کہ آپ کا یہ مطالبہ ناقابل قبول ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اسے قبول نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ میں اسے نہیں

چاہتا اور اسلئے کہ لوگ مجھے مورد الزام اور سرزنش ملامت قرار دینگے۔

نادرخاں کا یہ انکار بعض ملکوں کو ناگوار گذرا۔ دوران میں سے ایک بوڑھے ملک نے کہا " نادرخاں کو افغانستان زیادہ عزیز ہے۔ یا اپنا ذاتی خیال کیا نادرخاں ملک کے تمام ملکوں کی رائے کو اپنے ذاتی خیال کے مقابلہ میں ٹھکرانے کے لئے تیار ہے۔ اگر تیار ہے تو ہم یہ سمجھ لیں کہ افغانی ماؤں نے ایسے بچے ہی نہیں جنے جو اپنے ملک کی خاطر سب کچھ قربان کردیں۔ جب نادرخاں جو سب کچھ ملک پر قربان کرچکا ہے۔ جو اپنے وطن کو تباہی سے بچانے کے لئے بستر مرگ سے اُٹھ کر آیا ہے۔ اپنے وطن کی خدمت کے مقابلہ میں اپنے ذاتی خیال کو قربان نہیں کرسکتا۔ تو افغانستان میں کون فرد ایسا ہے جو افغانستان کو تباہی سے بچائے۔

یہ کون کہہ سکتا ہے کہ نادرخاں کی آنکھیں وہ سب کچھ نہیں دیکھ سکتیں جو ہمیں نظر آرہا ہے۔ ملک میں ایک خانہ جنگی برپا ہوگی ہر قبیلہ ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوگا۔ آج ہم سب جو یہاں بیٹھے ہیں۔ ایک دوسرے کا سر کاٹنے کیلئے تیار ہوں گے۔ اگر نادر یہ دیکھ سکتا ہے اور اسے گوارا کرسکتا ہے تو ہمیں افغانستان پر آج ہی سے فاتحہ پڑھ دینی چاہئے۔ اور سمجھ لینا چاہئے کہ دُنیا کی تاریخ سے افغانستان کا نام مٹ گیا۔ اگر نادرخاں اپنی ضد پر قایم رہے تو آج ہمیں افغانستان کے جنازہ کی نماز پڑھ لینی چاہئے۔ افغانستان کے لوگو! آؤ کہ ملک کو تباہی سے بچانے والا نادر آج خود اسے تباہی میں ڈالنے کے لئے تیار ہے۔

ہم نادرخاں کو کابل کا تاج اس لئے نہیں دے رہے ہیں کہ ہم اس کی عزت افزائی کرنی چاہتے ہیں۔ ہم نادرخاں کو اس لئے بادشاہی پر مجبور کررہے ہیں کہ ہم جانتے ہیں اس وقت افغانستان کا تاج سونے کا نہیں ہے۔ کانٹوں کا تاج ہے۔ اس وقت

افغانستان کی حالت ہمیشہ سے زیادہ خراب ہے۔ خزانہ میں ایک پیسہ نہیں ہے۔ ملک میں چاروں طرف پریشانی اور حیرانی ہے۔ ہم نادر خاں کو ایک اور امتحان میں ڈالنا چاہتے ہیں ہم ان سے تاج پہنا کر مصیبت میں پھنسا رہے ہیں۔ اگر وہ کوئی شخص بھی افغانستان کے لئے مصیبت میں نہیں پھنس سکتا۔ تو ہم سمجھ لیں گے کہ خدا کی مرضی یہی تھی کہ افغانستان تباہ ہو جائے۔"

بوڑھے ملک نے نہایت پرجوش تقریر کی۔ خود اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ نادر خاں بہت متاثر تھے اور رو رہے تھے۔ اور تمام حاضرین چشم پُرنم تھے۔ ملک نے تقریر کو ختم کرتے ہوئے کہا کہ "نادر خاں اس امتحان میں پڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔" نادر خاں اُٹھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ بدن کانپ رہا تھا جب آواز نکلی تو وہ بھرائی ہوئی تھی۔ نادر خاں نے جنگی گرج دار آواز دشمن کے دل ہلا دیتی تھی متاثر لہجہ میں مُردہ آواز سے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ آج افغانستان کا تاج ہیروں کا تاج نہیں ہے۔ کانٹوں کا تاج ہے۔ میں اسی لئے اسے قبول کرتا ہوں لیکن آپ وعدہ کریں۔ جسے آپ کانٹوں کا تاج دے رہے ہیں۔ آپ اس کے مددگار رہیں گے۔ اس کے شریک حال ہوں گے۔ سب ملکوں نے قرآن ہاتھوں میں لیکر قسمیں کھائیں۔ کہ ہم نادر کی اشارہ پر جان دیں گے۔ اس کے بعد بوڑھا ملک آگے بڑھا اور نادر خاں کے سر پر تاج رکھ دیا۔

جس وقت نادر خاں کے سر پر تاج رکھا گیا تو ان کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ لوگ سمجھتے ہوں گے۔ کہ نادر خاں تاج پہننے کے بعد بہت مسرور ہوئے ہوں گے۔ لیکن جن لوگوں نے ان کی اس وقت کی حالت دیکھی ہے ان کا بیان ہے کہ نادر خاں کی جو حالت اس وقت تھی۔ وہ کبھی بھی دیکھی نہیں گئی

نادرخاں سخت سے سخت مشکلوں میں مبتلا رہے ہیں لیکن ان کے چہرے پر وہ پژمردگی نہ دکھائی دی جو اس وقت تھی۔

شاہ پسند پارٹی اور نیا بادشاہ

نادرخاں کے انتخاب کو افغانستان کے قبائل نے نظر پسندیدگی دیکھا اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ سوائے مختصر سی شاہ پسند جماعت کے سب نے بالاتفاق انہیں بادشاہ تسلیم کر لیا شاہ پسند جماعت نے کھلے بندوں کسی مخالفت کا اظہار نہ کیا لیکن ان کے اطوار سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ غازی نادرخاں کی بادشاہی کو امان اللہ خاں کی بادشاہی کے مقابلہ میں قابل ترجیح نہیں سمجھتے چنانچہ عبدالحکیم صاحب وکیل التجارہ پشاور بھی اسی جماعت کے ایک فرد ہیں۔ اور انہوں نے انفرادی طور پر نادرخاں کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس انکار کی تہ میں ایک اور راز بھی ہے۔ اور یہ ناپسندیدگی اخلاص وحب قوم پر مبنی نہیں ہے۔ وہ راز یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ سردار عبدالحکیم خاں کے پاس ایک رقم حکومت افغانستان کی بطور امانت رہا کرتی تھی جس کی تعداد بعض اعداد و شمار کی بنا پر ۲۶ لاکھ روپے بتائی جاتی ہے۔ اور جس کی موجودگی سے اب وہ صاف جواب دے رہے ہیں۔ ان کا اپنا بیان اس سے مختلف ہے نہ وہ اتنی رقم تسلیم کرتے ہیں۔ اور نہ نادرخاں کو اس کا مستحق سمجھتے ہیں۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ نادرخاں نے مجھ سے حلفیہ اقرار کیا تھا کہ میں خود بادشاہ بننے کی آرزو اور ارادہ نہیں رکھتا۔ بلکہ امان اللہ خاں یا شاہی خاندان کے کسی فرد کو بادشاہ بنایا جائے گا۔ اسی وجہ سے انہوں نے نادرخاں کی مالی امداد کا وعدہ کیا تھا۔ اور ایک حد تک اس وعدہ کا ایفا بھی کیا لیکن سردار موصوف کی

اس الزام کے جواب میں فوراً کوئی فیصلہ صادر کر دینا غلطی کا ارتکاب کرنا ہے۔ جیسا کہ بعض ہندوستانی اخبارات نے کیا۔ ان اخبارات میں سب سے پہلے نادر خاں کو "سول اینڈ ملٹری گزٹ" اور "زمیندار" نے ملزم قرار دیا۔ اگر نادر خاں اور سردار عبد الحکیم خاں کو دو فریق قرار دیا جائے تو ایک جج کا یہ عدالتی فرض ہے کہ وہ ایک فریق کا بیان سُننے کے بعد دوسرے فریق کے بیان کا انتظار کرے۔ اور جو جج صرف مستغیث کا بیان سُنکر ملزم کا بیان سنے بغیر جھٹ فیصلہ دیدے۔ وہ کھڑے کھڑے عدالت کی چار دیواری سے باہر نکال دینے کے قابل ہے۔ ابھی تک نادر خاں نے وکیل التجارہ پشاور کے الزام کے جواب میں اپنا کوئی بیان شائع نہیں کیا۔ اور ان کی خاموشی کو اقبال جرم سمجھنا ایک اور جرم کا ارتکاب کرنا ہے۔ بعض دوسرے حالات سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نادر خاں نے کم از کم امان اللہ خاں کے دوبارہ واپس لانے کا حلفیہ وعدہ کبھی نہ کیا ہوگا۔ اس لئے کہ جب سے انہوں نے ساحل ہندوستان پر قدم رکھا تمام مسلمانان ہند ان سے یہی الفاظ کہلوانے کی انتہائی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر نادر خاں نے یہی نہیں فرمایا۔ اگرچہ وہ جانتے تھے کہ سات کروڑ مسلمانوں کی خواہش پوری نہ کرنا۔ ان کی ہر دلعزیزی پر برا اثر ڈالے گا۔ لیکن وہ اپنی ذات کے معاملہ میں ملک و قوم کی بہبودی کو قربان نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے جو فیصلہ کیا تھا اس پر برابر قائم رہے پھر کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے جس بات کا کسی سے وعدہ نہیں کیا اس کا سردار عبد الحکیم خاں سے وعدہ کر لیا بہر نوع جب تک خود نادر خاں اس معاملہ کوئی فیصلہ کن جواب نہ دیں۔ صرف سردار صاحب کے الفاظ سن کر شاہ نادر خاں کو متہم کرنا غیر مناسب ہے۔

بعض انڈین اخبارات

غازی محمد نادر خاں کی مخالفت میں ہندوستان کے دو اخبار

سب سے پیش پیش رہے۔ ایک انگریزی اخبار "سول ملٹری گزٹ" جس نے ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء
کی اشاعت میں "شاہ نادر کے قدم جم رہے ہیں" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا تھا۔
جس میں شاہ نادر خاں پر چند الزام لگائے تھے۔ دوسرا اردو اخبار "زمیندار" جس نے
ان کی مخالفت کو ایک قومی یا اسلامی خدمت سمجھ کر اب تک ترک نہیں کیا ہے۔ اور بجائے
شریفانہ اور معقول اظہار اختلاف کے رکیک اللفظی تک سے اجتناب نہیں کیا بعض
ہندو اخبارات نے بھی نادر خاں کی مخالفت کی اور اپنی سرشت و دناءت کے مطابق
اول فول بک کر خاموش ہو گئے۔ وہ بیچارے کسی اسلامی معاملہ میں اصابت رائے کا
اظہار کرنے سے معذور ہیں۔ ان سے تو ہمیں کبھی حسنِ ظن پیدا ہی نہیں ہوا۔ یا یوں سمجھو
کہ انہوں نے خود ہی اس کا موقع نہیں دیا۔ ان کی معقولیت کا تو یہ عالم ہے کہ ہندوستان
کے اندر گائے کو خدا سے بھی بڑھا دیا ہے۔ اگر کوئی ہندو خدا کی ہستی سے انکار کر دے
تو ہندو سوسائٹی اسے برابر ایک معزز ہندو سمجھتی رہے گی لیکن اگر کوئی ہندو گائے
کی قربانی کی حمایت کر بیٹھے۔ یا کم از کم مخالفت نہ کرے تو وہ قابل ملامت اور لایق مذمت
ہے۔ جس قوم کی یہ ذہنیت ہو اس سے کیا امید ہے کسی آزاد ملک کے فرمانروا کے انتخاب کے
بارے میں خصوصاً جب وہ آزاد ملک اسلامی بھی ہو کسی صحیح رائے اور معقول مشورہ
کی توقع ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ اس لئے ہندو اخبارات کو چھوڑ کر ہم انہی دو اخباروں
کی طرف توجہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان کے بھی ایسے خیالات سے چشم پوشی کرنا ضروری
سمجھتے ہیں جو کسی خاص غرض یا مصلحت یا غیر پسندیدہ جذبات کی وجہ سے تحریر
میں آئے۔ جب ہم اس مخالفت کے طومار اور اختلاف و ناراضی کے پلندے کو
سامنے رکھتے ہیں۔ تو مضمونوں کے فائلوں میں سے صرف تین باتیں سامنے آتی
ہیں جنہیں لوٹ پھیر کے مختلف پہلوؤں سے مختلف رنگوں میں پیش کیا جا رہا ہے
اور ہندوستان کی پبلک کو بلاوجہ گمراہی اور غلط فہمی میں ڈالنے سے احتراز نہیں

کیا جاتا۔ وہ تین باتیں جنہیں ہم قابل جواب سمجھتے ہیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) نادر خاں کی بدعہدی۔ کہ وہ اپنے وطن عزیز کی خاطر آئے تھے اور شاہ امان اللہ کو تخت و تاج سونپنے کا وعدہ کیا تھا۔

(۲) کابل میں بادشاہ کے انتخاب کے لئے جو جرگہ منعقد ہوا تھا اس میں ملک کے ہر گوشہ اور قبیلہ کے منتخب شدہ ارکان موجود نہیں تھے۔

(۳) امان اللہ خاں سابق شاہ افغانستان کا جدید بادشاہ افغانستان نادر خاں کو تسلیم کر لینا غیر متوقع امر ہے۔

اِن تینوں باتوں کے جواب بھی سُن لیجیے:۔

پہلی بات یہ کہ محمد نادر شاہ نے بدعہدی کی ہے ہم نہیں جانتے ہیں۔ وہ کبھی اپنی زبان سے نہیں پھرتے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اپنے اہل وطن کے درمیان انہیں جو اسقدر اثر و رسوخ حاصل ہے۔ وہ اسی وجہ سے ہے۔ کہ وہ اپنے مواعید اور اعلانات کو حرف بحرف اور نقطہ بہ نقطہ پورا کرنے کے عادی ہیں۔ اس معاملہ میں بھی انہوں نے اپنی اس عادت سے انحراف نہیں کیا۔

انہوں نے بار بار یہ اعلان تو کیا تھا کہ مجھے تخت و تاج کی کوئی خواہش نہیں ہے لیکن انہوں نے ایک دفعہ بھی یہ وعدہ نہیں کیا۔ کہ وہ امان اللہ خاں کو واپس لائینگے بمبئی۔ دہلی۔ لاہور۔ پشاور اور کوہاٹ میں ان کی زبان سے یہ کلمات کہلوانے کی تمام مساعی ناکام رہیں۔ ہندوستان میں محض اسی وجہ سے ان کی ہر دلعزیزی کو بہت بڑا صدمہ پہنچا۔ . . . . لیکن ان میں اپنے اس اعتقاد پر عمل کرنے کی ہمت تھی۔ کہ انہوں نے قندھار جانے سے انکار کر دیا۔ امان اللہ خاں کی تخت کو دوبارہ حاصل کرنے کی مساعی کا اپنے کو مویدظاہر نہ کیا۔ وہ اپنے ملک کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور اس قسم کا تعجیلی وعدہ نہیں کر سکتے تھے۔

انہوں نے یہ اعلان ضرور کیا کہ میں اپنے وطن کے لئے لڑ رہا ہوں اور کوئی شخص اس بارہ میں ان کی نیت پر شبہ نہیں کر سکتا۔ ۱۴ جنوری ۱۹۲۹ء کے ساڑھے نو بجے صبح سے لے کر تخت نشینی کی ساعت تک یعنی کامل ۸ ماہ جس کے دوران میں افغانستان میں خانہ جنگی کی آگ مشتعل رہی اور ہمسایہ ہمسائے کی جان کا پیاسا رہا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا نقشہ جم رہا۔ اور افغانستان کی وحدت ملی پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔ یہ شخص نہ صرف خانہ جنگی کو ختم کرنے، امن و امان اور وحدت ملی کو بحال کرنے بلکہ افغانستان کی زندگی کو بچانے کے لئے جد و جہد کرتا رہا۔

بادشاہ کا انتخاب

افغانستان میں قومی جرگہ کے متعلق طے شدہ قوانین نہیں۔ ہر بادشاہ کو شاہی خاندان کے بزرگ عمر بھر کے لئے امیر منتخب کر لیا کرتے ہیں۔ اور اس کام میں لشکر کے سرداروں اعلیٰ ملکی حکام بارسوخ خوانین پیروں اور ملکوں کی رضامندی کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ جب محمد نادر شاہ یہ کہتے تھے۔ کہ بادشاہ کا انتخاب قومی جرگہ سے کرایا جائے گا۔ تو ان کی مراد ایسے ہی جرگہ سے ہوا کرتی تھی۔ ہندوستان میں اس اعلان کو غلط سمجھا گیا جہاں کے لوگ افغانستان کے حالات سے اسی طرح واقف ہیں جس طرح وہ چاند میں رہنے والے آدمی کے حالات سے واقف ہوں۔ تمام انگریزی اخباروں نے یہ لکھا کہ نادر شاہ غازی حکومت کو جمہوری بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ جمہوریت ان کے خیال سے اتنی دور تھی کہ اور کوئی شے اتنی دور نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ افغان جمہوریت کے وہم سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ ان کے لئے لفظ جمہوریت لا مذہبی اور کفر کی حکومت کا نام ہے جو ان کے شمالی ممالک کے نظام روسیہ شورائیہ میں دیکھی جاتی ہے۔ اس غلط اثر کو دور کرنے کے لئے انہوں نے ایک اعلان جاری کیا۔ کہ میں شاہی خاندان کے کسی فرد کو تخت پر بٹھاؤں گا۔ انہوں نے عبد الحکیم خاں وکیل اتحاد پشاور کے ساتھ

یہی وعدہ کیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ آپ نے یہ نہیں کہا۔ کہ میں امان اللہ خان کے خاندان کے کسی فرد کو بادشاہ بناؤں گا۔ بلکہ شاہی خاندان سے ان کی مراد محمد زئی خاندان یا وزیر پائندہ خان بارک زئی کی اولاد سے تھی۔ جو اس خاندان کے بانی اور امیر دوست محمد خاں مرحوم کے والد تھے۔ اس اعلان نے ان کے اہل وطن کو مطمئن کر دیا لیکن افغانستان سے باہر اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے یہ وعدہ بھی پورا کر دکھایا کیونکہ افغانستان کا موجودہ بادشاہ محض پائندہ خان ہی کی نسل سے نہیں۔ بلکہ دوست محمد خاں کی اولاد اور شاہ شجاع کی اولاد سے ہے۔ جو درانی خاندان کے آخری بادشاہ تھے (اعلیحضرت کی والدہ ماجدہ سدوزائی شاہی خاندان کی چشم و چراغ تھیں)

یہ کہا جائے گا کہ انہوں نے یہ اعلان کرنے کے باوجود کہ وہ تخت و تاج کے خواہشمند نہیں تاج قبول کر لیا۔ "وہ تاج و تخت کے خواہشمند نہیں" کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ افغانستان کے باشندے بھی یہ نہیں چاہتے کہ وہ اس تاج کو نہ پہنیں۔ انہوں نے محمد نادر شاہ غازی کی امداد اس لئے نہیں کی تھی۔ کہ وہ امان اللہ خان غازی کے جرنیل ہیں بلکہ ان کی ذاتی صفات کی وجہ سے کی تھی۔ مستقبل بتا دے گا کہ وہ کس حد تک لوگوں کے اس اعتماد کے مستحق تھے۔ وہ تاج سر پر رکھتے یا نہ رکھتے۔ کابل کی تسخیر کے بعد ملک کے حقیقی حکمران وہی تھے۔ اگر معاملہ ان کی ذات پر چھوڑ جاتا تو غالباً وہ بادشاہت کے تزک و احتشام پر بادشاہ گر کے منصب کو ترجیح دیتے۔ اس ضعیف العمری میں۔ وہ تخت کے پس پردہ اصلی عامل قوت بنے رہنا پسند کرتے اور خود سامنے نہ آتے۔ لیکن قومی جرگہ نے فیصلہ کر لیا۔ اور اس نے محسوس کر لیا کہ ان کی بادشاہی کے سوا ملک کو کوئی متحد نہیں کر سکتا۔ انہوں نے قومی جرگہ کی بات مان لی۔ اور ایسا کرنے میں فرض شناسی کی قربانگاہ پر اپنی زندگی کی سب سے

بڑی قربانی کی. تاکہ افغانستان کے امن اور خوشحالی کو بحال کیا جائے۔ از سر نو پائیدار حکومت قائم کی جائے. جو بحالات موجودہ بہت زبردست کام تھا بلکہ محال کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔

قومی جرگہ کی حقیقت

اب رہا دوسرا سوال کہ آیا قومی جرگہ جس نے نادر خاں کو بادشاہ منتخب کیا آئینی تھا یا نہیں۔ اس کی جانچ افغانوں کے رواج سے کرنی چاہیے۔ اور ہندوستان یا یورپ کے معیار سے نہ پرکھنا چاہیے۔ افغانستان میں قوم سے مراد قبیلہ ہے۔ اور جسے ہندوستان میں قوم کہتے ہیں۔ اسے افغانستان میں ملت کے لفظ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بادشاہ یا امیر کے انتخاب کے لئے قومی جرگہ سے وہی مراد ہے جس کی تشریح کردی گئی۔ یعنی محمدزئی خاندان کے بزرگوں۔ اعلیٰ ملکی اور فوجی افسروں اور قبائل کے دینی اور دنیوی رہنماؤں کا اجتماع جن کی امداد کی بادشاہ کو ضرورت ہو۔ قومی جرگہ سے مراد نیشنل اسمبلی نہیں جیسی کہ یہاں کانگرس یا مجلس وضع قوانین میں دیکھی جاتی ہے ایسا اجتماع آجتک افغانستان میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ اگست ۱۹۲۸ء کا لوئی جرگہ بھی اس مفہوم کے مطابق منتخب نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ مغرب میں سمجھا جا رہا ہے۔ قومی رواج کو فراموش کردینا اور مغربی طریق پر عام انتخاب کرنا بحالات موجودہ فساد کو دعوت دینا تھا۔

امان اللہ خان اور نادر خان

اب رہی تیسری بات کہ امان اللہ خان نے کیوں جدید بادشاہ کی بادشاہی تسلیم کرلی۔ سابق شاہ افغانستان سے بہتر کوئی شخص نہیں جانتا۔ کہ اس کے اہل وطن اس سے نفرت کرتے ہیں گو وہ اس نفرت کے مستحق نہ ہوں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی بہتر سے بہتر روشن ضمیری کے ساتھ بہتر سے بہتر خدمات انجام دیں لیکن یہ بات امر واقعہ کو منسوخ نہیں کرسکتی کیونکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے

انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بجنسہٖ جنہیں امان اللہ خاں نے اپنی بادشاہت کے آخری مہینہ میں خطیر رقمیں دی تھیں۔ اب وہ روپیہ انہیں یا کسی اور کو دینے سے انکار کرتے ہیں کیا یہ بات تعجب انگیز ہے کہ انہوں نے حقائق کی طرف سے نظر نہیں پھیری۔ جیساکہ بعض ہندوستانی اخبار نویسوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ افغانستان کے حالات سے بےخبری کے باعث وہ چاہتے ہیں۔ کہ شاہ امان اللہ خاں بھی ان کی طرح حقائق سے آنکھیں بند کرلیں۔

شاہ پسند جماعت اصلی رنگ میں

اب کہ شاہ امان اللہ خان اپنے دعوے سے محمد نادر شاہ کے حق میں دست بردار ہو چکے ہیں۔ شاہ پسند جماعت اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہو جائے گی۔ اس جماعت میں ہندوستان اور ممالک مغرب میں رہنے والے ایسے افغان مامورین شامل ہیں جن کے پاس عہد امان اللہی کے وقت سے افغانوں کے سرکاری خزانہ کا بہت سا روپیہ ہے۔ اور جسے وہ ہاتھ سے دینے کے خواہاں نہیں۔

محمد نادر خاں بادشاہ منتخب ہونے کے بعد سب سے پہلے امن و آئین قائم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ ان اشخاص کا جو بالشوزم کے خلاف ایک مضبوط و متحد و آزاد اور دوست افغانستان کو ہندوستان کی سپر بنتا دیکھنے کے خواہاں ہیں فرض ہے کہ اس مخلص شخص کے چند الفاظ اور اکثر اعمال پر اعتماد کریں۔

حکومت نادری کے تقررات

جدید حکومت افغانستان کی ہیئت ترکیبی حسب ذیل ہے:-

(۱) سردار شاہ ولی خاں بوقت ضرورت وکیل اعلیحضرت کے فرائض انجام دینگے۔

فی الحال آپ افغانی سفیر متعینہ لندن مقرر ہو چکے ہیں۔ ۲۴ دسمبر کو بعزم انگلستان کابل سے روانہ ہو گئے۔

(۲) شاہ محمود خاں وزیر دفاع و حفاظت ملک۔

(۳) سردار فیض محمد خاں وزیر خارجہ۔

(۴) سردار محمد ہاشم خاں وزیر داخلہ بنائے گئے جو بعد میں اعلیحضرت نادر خان کے وکیل قرار پائے۔

(۵) سردار شیر احمد خاں وزیر عدالت۔

(۶) سردار علی محمد خاں وزیر تعلیم۔

(۷) سردار محمد ایوب خاں وزیر مالیات۔

(۸) سردار علی احمد خاں وزیر دربار۔

(۹) سردار محمد اکبر خاں وزیر تجارت۔

(۱۰) غازی امان اللہ خاں کے عہد میں سردار فیض محمد خاں وزیر تعلیم، سردار علی محمد خاں وزیر تجارت، سردار شیر احمد خاں صدر کونسل آف سٹیٹ اور محمد یعقوب خاں جنرل سیکرٹری امان اللہ خاں تھے۔

صوبجات کے گورنر اور کمان افسر

(۱) مرزا محمد خاں نائب وزیر خارجہ

(۲) مسٹر گل محمد خاں قائم مقام وزیر داخلہ

(۳) حضرت شیر آغا خاں وزیر عدلیہ

(۴) قاضی میر محمد خاں نائب وزیر عدلیہ

(۵) مرزا محمد حسین خاں نائب وزیر مالیہ

(۶) محمد حسین خاں آفندی نائب وزیر تجارت

(۷) اللہ نواز خاں وزیر دربار

(۸) غلام محی الدین خاں نائب وزیر دربار

(۹) محمد گل خاں قائم مقام میر آخور

(۱۰) محمد گل خاں میر آخور

(۱۱) مرزا نوروز خاں چیف سیکرٹری

(۱۲) عبدالغنی خاں صدر بلدیہ کابل

(۱۳) مرزا سید کمال خاں کماندار اعظم صیغہ امنیت

(۱۴) عبدالجلیل خاں جنرل آفیسر کمانڈنگ افواج کابل

(۱۵) جان باز خاں قائم مقام گورنر قندہار

(۱۶) عبدالغنی خاں قائم مقام جنرل آفیسر کمانڈنگ قندہار

(۱۷) مہر دل خاں قائم مقام گورنر و کماندار اعظم ہرات

(۱۸) عبدالرحیم خاں قائم مقام گورنر مزار شریف

(۱۹) عطا محمد خاں جنرل آفیسر کمانڈنگ مزار شریف

(۲۰) محمد اکلیل خاں قائم مقام گورنر بدخشاں

(۲۱) محمد ہاشم خاں قائم مقام کمشنر جلال آباد

(۲۲) مرزا احمد خاں جنرل آفیسر کمانڈنگ جلال آباد

(۲۳) محمد عمر خاں قائم مقام کمشنر و جنرل آفیسر کمانڈنگ گردیز

(۲۴) نور محمد خاں گورنر میمانہ

(۲۵) نائب سالار غلام نبی خاں گورنر و جنرل آفیسر کمانڈنگ سمت شمالی

جدید بادشاہ کا جدید اعلان

حنفی فقہ کے اصول و آئین کا اجرا

۱۶ر نومبر ۲۹ء کو اعلیحضرت غازی محمد نادر شاہ نے ایک اعلان شائع کیا جس سے جدید حکومت افغانستان کا خاکہ سامنے آجاتا ہے ---------- اور جس سے افغانستان کی اسلامی حکومت کا مستقبل روشن دکھائی دیتا ہے۔ اعلان حسب ذیل ہے:-

"موجودہ حکومت دین مقدسہ اسلام اور مذہب حقہ حنفیہ کے مطابق امور مملکت کو طے کیا کرے گی اور ہر امر کے لئے شریعت غرا احمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قایم و دایم رہے گی جس کی ذمہ داری شورائے ملی وزارت عدلیہ پر عاید ہوگی اور شعبہ احتساب اس حکومت کے لازمی امور میں سے ہوگا۔ جو ایک منتظم صورت اختیار کرکے احکام دین کے موافق افغانستان میں بلا امتیاز نسل و قومیت ایک دوسرے کو برادرانہ مساوی حقوق کی برکات سے آشنا کرے گا۔ اور پردے کو شریعت اسلامیہ مطہرہ کے مطابق قایم کرے گا۔

امتناع رشوت و شراب

ہر ایک محکمے کے ذمہ دار افراد وزارت عدلیہ کے روبرو قرآن پاک کی قسم کھاکر عہد کریں گے۔ کہ کبھی اور کسی وقت بھی رشوت نہیں لیں گے۔ اور پاک نفسی اور پاکدامنی سے خلق خدا کی خدمت بجا لائیں گے۔ اور آج کے دن سے لیکر تمام دوران اطاعت میں خیانت مالی یا خیانت عملی کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ اور ہمیشہ صدق نیت سے فرائض مفوضہ ادا کریں گے۔ اور شراب نوشی کی سزا شریعت غرا نبویہ کے مطابق دی جائے گی۔ نیز یہ شراب فروشی ظاہرہ و خفیہ ہر دو طریق سے تمام افغانستان میں ممنوع قرار دی گئی ہے اور

یہاں کا کوئی باشندہ شراب کھینچنے کا مجاز نہیں رکھتا اگر کسی گھر میں شراب کھینچی جائے گی یا کسی دکان میں شراب فروخت کی جائے گی تو تحقیق ہونے اور ثبوت مل جانے پر تمام شراب ضبط کی جائے گی اور شراب کھینچنے والے مستوجب سزا ہوں گے۔ اور اگر یہ ثابت ہوگا کہ سرکاری افسر بھی شراب نوشی کرتا ہے۔ تو علاوہ سزا کے شبہ بھی کے وہ اپنے منصب سے بھی علیحدہ کر دیا جائے گا۔ لیکن غیر ملکی لوگ ان احکام سے مستثنیٰ ہیں۔

امورِ حربیہ افغانستان

موجودہ حکومت چاہتی ہے کہ تحفظ ملک اور قیام امن و آزادی کے لئے ایک منتظم فوج معہ اسلحہ نئی طرز پر تشکیل دے۔ اور اس طرف اپنی کامل توجہ منعطف کرے۔ کیونکہ افغانستان کی حیات و ممات صرف اسی سے وابستہ ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ منصب داران نظامیہ تعلیم حاصل کریں۔ اور دنیائے متمدن کی طرح علوم و فنون جنگ و آلات حربیہ سے واقف ہو جائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ مکتب حربیہ جلد سے جلد قائم ہو جائے گا۔ نیز قومی لشکر میں برضا و رغبت شامل ہونے کا مسئلہ بھی عنقریب طے ہو جائے گا۔

افغانستان و دولِ خارجہ

موجودہ حکومت دول خارجہ اور افغانستان کے دوستانہ تعلقات کو اعلیٰحضرت امان اللہ خان کے زمانہ کی طرح قائم و برقرار رکھنا چاہتی ہے۔ اور اسی طرح دول خارجہ کو بھی افغانستان سے دوستی اور حسن سلوک کی توقع رکھنی چاہئے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ موجودہ حکومت افغانستان کے تحفظ استقلال کو قائم رکھنے کے لئے اپنے تمام ذرائع کے ساتھ ممالک خارجہ سے ہمیشہ دوستانہ و خیرخواہانہ معاہدات قائم رکھنے کیلئے ہر طرح سے آمادہ ہے۔

امورِ داخلہ

وزارت داخلہ کی تمام تر توجہ اس امر کی طرف مائل رہے گی کہ ہر قسم کی ذمہ دارانہ خدمات بہترین طور پر انجام دینے والے افراد کو تفویض کی جائیں اور ایسے ماموریں کی فہرست کو مجلس انتخاب میں پیش کرے گی۔ تاکہ اس پر غور و خوض کیا

جائے۔ نیز ٹیلیفون اور تار کی اصلاح اور اسے عام کرنے کی سعی و کوشش کرے گی اور ڈاک خانہ کے انتظامات کو بہترین صورت میں لانے کی سعی و کوشش کرے گی۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی گاڑیوں اور موٹر کاروں کی آمد و رفت کے لئے جلد سے جلد سہولتیں بہم پہنچائے گی۔

مالیات وزارت مالیہ بوجہ احسن کوشش کرے گی کہ تمام ولایات کے مالیہ کی اقساط سابق کی طرح حکومت کے خزانہ عامرہ میں جمع ہوا کریں اور محصولات چنگی بھی قدیم چنگی خانوں سے پرانے طریقہ کے مطابق لئے جائیں۔ اور بقایا رقوم کو بطور مراعات وصول کیا جائے۔ باوجود اس کے بھی تساہل سے کام لیا جائے گا تاکہ جن لوگوں کی طرف کچھ بقایا رہ گیا ہے۔ بوقت ادائی وہ خوار اور پریشان نہ ہوں۔ اور حکومت کو بھی زحمت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ علاوہ بریں حکومت برطانیہ نے جن مراعات کا اعلان کیا تھا۔ وہ اسی طرح بحال رہیں گے۔

تجارت و زراعت آج افغانستان ان شعبہ جات کی ترقی کا بے حد احتیاج مند ہے۔ اور چاہتا ہے کہ دول خارجہ مثلاً ایران اٹالیہ فرانس برطانیہ روس امریکہ بلجیم جرمنی اور جاپان وغیرہ کے ساتھ مناسب تجارتی تعلقات قایم کرے اور متمدن ممالک سے اس سلسلہ میں استفادہ کرے۔ نیز جلد سے جلد افغانستان میں ریل جاری کر کے معادن کو اپنے کام میں لائے۔ اور زراعت کے لئے نہریں نکالے نیز حکومت چاہتی ہے۔ کہ ترقی یافتہ دنیا کے مطابق تا حد امکان ایسے وسائل اختیار کرے۔ کہ جس سے افغانستان کی زرعی حالت سدھر جائے۔

علم و فن افغانستان کے لئے دینی و دنیوی ترقی میں یہ دو امور اہم شمار کئے گئے ہیں۔ اور موجودہ حکومت اس مسئلہ کو نہایت اہم خیال کرتی ہے۔ جس وقت مجلس شوریٰ اور نمائندگان ملت جمع ہوں گے۔ تو امید ہے کہ یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور پھر یقیناً ملت اپنی حفاظت کیلئے مستند علما پیدا کرنے کے قابل ہو جائیگی۔

مجلس شوریٰ اکابر ملک و زعمائے ملت تمام اطراف واکناف سے ایک مرکز پر جمع ہو کر سابقہ طریقہ سے وزرائے دولت حکام مسئول اور نمائندگان ملت کا انتخاب کیا کریں گے۔ اور رئیس مجلس شوریٰ کا انتخاب نمائندگان ملت کی رائے کے مطابق عمل میں آئے گا۔

صدر اعظم شاہ افغانستان خلد اللہ ملکہ بنفس نفیس صدر اعلیٰ کا انتخاب فرمائیں گے اس کے بعد صدر اعظم کابینہ وزارت کو مرتب کرکے شاہانہ منظوری حاصل کرے گا۔

اعلیٰحضرت نادر خان نے اپنے نام کا سکہ جاری کردیا ہے جس کا نام افغانی ہے۔ سائز میں تقریباً ہندوستان کے ایک روپیہ کے برابر ہے۔ مگر اس سے کسی قدر وزن کم ہے سکہ پر ایک طرف "الغازی محمد نادر خان شاہ افغانستان" لکھا ہوا ہے۔ اور دوسری طرف محراب اور افغانی جھنڈے کی تصویر ہے۔

غازی نادر شاہ کی حکومت کو تقریباً تمام بیرونی حکومتوں نے تسلیم کرلیا ہے۔ مثلاً روس۔ ٹرکی۔ ایران۔ برطانیہ۔ امریکہ وغیرہ وغیرہ۔

حکومت روس کا پیغام جناب فرہ خاں نے حکومت روس کی طرف سے غازی نادر شاہ کے وزیر خارجہ کو حسب ذیل پیغام بھیجا ہے:-

"حکومت روس جدید حکومت افغانستان کو تسلیم کرتی ہے اور امید ظاہر کرتی ہے کہ روس اور افغانستان کے تعلقات پہلے کی طرح دوستانہ اور محبانہ طور پر قائم رہیں گے۔"

اس پیغام کا حکومت افغانستان کی طرف سے مناسب جواب دیا گیا۔

غازیٔ مشرق کا پیغام غازیٔ مشرق کے نام

جلالتمآب غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے اعلیٰحضرت غازی نادر شاہ کے نام حسب ذیل پیغام محبت ارسال فرمایا۔

"افغانستان کی حریت کے مناسبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں اظہار مسرت و شادمانی کرتا ہوں۔ اور دلی مبارکباد اور قلبی احساسات کا ہدیہ پیش کرتے ہوئے ذاتی طور پر ملت افغانی کی رفاہ و فلاح اور بہبود و سعادت کی خواہش کی تجدید کرتا ہوں"

"مصطفےٰ کمال"

پیغام محبت کا جواب پیغام محبت

غازی محمد نادر شاہ تاجی افغانستان نے اپنے اسلامی بھائی اور دوست مصطفےٰ کمال پاشا صدر جمہوریہ ترکی کو حسب ذیل جواب بھیجا۔

"ریاست پناہ کا برقی پیغام ملا۔ کامل مسرت ہوئی حضرت عالی کے احساسات و نیات جو آپ نے اہل افغانستان کی سعادت و رفاہ اور فلاح و حریت کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں۔ مجھے معلوم اور ثابت ہیں۔ آپ کا دوست بہت خوش اور متشکر ہے۔ اور اپنے دلی تعلق و احساسات پیش کر کے خدائے قادر و توانا سے ترکی کی ترقی و عروج کیلئے دعا گو ہے"

"نادر شاہ"

تقریباً اسی قسم کے دوستانہ پیغامات دوسری حکومتوں کی طرف سے بھی موصول ہوئے جن کے مناسب جوابات جدید حکومت افغانستان کی طرف سے دئے گئے۔ جن کے اعادہ کی یہاں چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

اب افغانستان کی صورت حالات یہ ہے کہ تقریباً سارا کا سارا افغانستان مطیع و منقاد ہو چکا ہے۔ سوائے چند شنواریوں کے اور وہ بھی اب تک کبھی کے اطاعت قبول کر چکے ہوتے اگر انھوں نے بچہ سقہ کی حکمرانی کے عہد میں بے اندازہ

لوٹ مار نہ کی ہوتی۔ اب انہیں یہ خیال ہو رہا ہے کہ جو سیم و زر اور مال و اسباب ہم لوٹ چکے ہیں قبول اطاعت کی صورت میں واپسی کا مطالبہ ہوگا۔ اور واپسی کے بعد بھی اگر بادشاہ وقت ہمارے مظالم سابقہ سے چشم پوشی کر کے معاف کر دے تو مراحم خسروانہ ہے اور نہ معاف کرے تو سزا بھی دے سکتا ہے۔ چنانچہ ملک محمد عالم نے جو بچہ سقہ کا زبردست حامی تھا کہا ہے کہ اگر شاہ نادر خاں میرے اور میرے ہمراہیوں کے پاس وہ سامان رہنے دیں جو بچہ سقہ کی حکومت میں ہمیں ملا ہے۔ تو میں بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ ہزاروں کے رہنما شاہ نور نے تین ہزار وردکوں اور اتنے ہی ہزاروں کے ہمراہ کابل پہنچ کر باقاعدہ اطاعت قبول کر لی ہے۔ ملک قلیس خوگیانی نے بھی اپنا بیعت نامہ بھیج دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ گندمک میں بچہ سقہ کی قلعہ گیر فوج کے پاس جو اسلحہ۔ گولہ بارود مشین گنیں تھیں۔ وہ سب مل گئی ہیں اور عنقریب یہ سب چیزیں کابل کے وزیر جنگ کے پاس بھیجدی جائینگی بچہ سقہ کے دوسو سپاہیوں نے اسی قسم کے بیعت نامے بھیجے ہیں۔ افغانستان کی مالی حالت بہت تباہ ہو چکی تھی۔ جواب نہایت حوصلہ افزا تیز رفتاری سے درست ہو رہی ہے مزار شریف سے ایک سو گھوڑوں پر خزانہ آیا ہے۔ کابل کے تجار بھی حکومت کی مالی امداد کر رہے ہیں۔ چنانچہ عبدالعزیز خاں بن عبدالحمید خاں تاجر نے شاہ نادر خاں کی خدمت میں پیغام تہنیت کے ساتھ ایک لاکھ روپیہ تاشقند سے بھیجا ہے۔

شاہ نادر خاں نہایت سرعت کے ساتھ افغانستان کی رفتار ترقی کو اپنی انتہائی جدوجہد سے بحال کرنے میں منہمک ہیں۔ جیسا کہ ان کے ۶ ؍ نومبر ۲۹ءکے اعلان اصلاحات سے واضح ہوتا ہے جس میں رشوت و شراب کی ممانعت اور شریعت اسلامی حنفی کے مطابق نظم و انصرام وغیرہ کا ذکر آ چکا ہے۔ شاہ ممدوح نے ایک مہینہ کے اندر اندر بہت کچھ کام کیا ہے۔ ابھی تک جبکہ یہ سطور قلم بند کی جا رہی ہیں غازی نادر خاں کو تخت کابل پر متمکن ہوئے تین مہینے بھی نہیں ہوئے ہیں کہ کابل سے بیرونی دنیا کے درمیان

سلسلہ آمدورفت درسل ورسائل کے ذرائع کی باقاعدہ بحالی عمل میں آچکی ہے۔ نومبر کے آخری ہفتہ میں کابل سے ہندوستان اور یورپ کے لئے رجسٹری شدہ خطوط پشاور میں موصول ہو چکے ہیں۔ تجارت بھی بڑی تیزی سے شروع ہو گئی ہے۔ موٹر لاریوں کی آمدو رفت دوبارہ جاری ہو چکی ہے۔ تجارت کو فروغ دینے کے لئے شاہ افغانستان نے محصول درآمد میں بقدر پچاس فی صدی کی تخفیف کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نومبر کے آخری دو ہفتوں میں ٹل اور پاراچنار سے پانچ لاکھ روپے کا مال افغانستان پہنچ چکا ہے۔

شاہ نادر خاں محکمہ پرواز کی فوج قائم کرنے کے لئے حکم دے چکے ہیں۔ اور محمد احسان جو غازی امان اللہ خاں کے رشتہ ملازمت میں رہ چکے ہیں ہوائی فوج کی سپہ سالاری کے لئے کابل میں ٹھیرا لئے گئے ہیں۔ یورپ سے جو طلبہ واپس آئے تھے انہیں ہوائی فوج میں بھرتی کر لیا گیا ہے۔ آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا۔ کہ اس وقت جبکہ ہوائی فوج کے قیام کا ارادہ کیا جا رہا ہے۔ کابل میں صرف تین ہوائی جہاز ایسے ہیں جو استعمال کے قابل سمجھے گئے ہیں۔ نادر خاں کس قدر بلند عزم وارادہ کا انسان ہے کہ صرف تین ہوائی جہازوں کی موجودگی میں ہوائی فوج قائم کرنے کا قصد کر رہا ہے۔ ٹھیک ہے ایک لحاظ سے قطعاً تعجب نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ وہی فوق العادہ ہستی ہے۔ جو اس سے قبل اس سے زیادہ حیرت انگیز کارنامے دکھا چکی ہے جن کا مختصراً اس چھوٹی سی کتاب میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور جس کا سب سے نمایاں اور سب سے زیادہ حیرت انگیز کارنامہ یہی ہے۔ کہ خالی ہاتھ سات سمندر پار سے اٹھا۔ اور صحت بھی میسر نہ تھی بیماری کی حالت میں خالی ہاتھ اٹھا جس حالت میں کہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو لڑکھڑا کر گر پڑتا۔ مگر نادر خاں دیکھتے دیکھتے اپنی تمام بے سروسامانیوں کے باوجود تخت افغانستان پر جلوہ گر نظر آرہا ہے۔ اور یہ تخت اس نے کس سے لیا؟ جو دو صاحب افسر و دیہیم بادشاہوں کو ان کے آبائی تخت سے اتار چکا تھا ایسی جو

انسان یہ کچھ کر کے دکھادے وہ کیا نہیں کرسکتا ؟ تیں ہوائی جہازوں کی موجودگی میں ہوائی فوج بھی مرتب کر سکتا ہے۔ اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے جو کوئی نہ کر سکے جسے دُنیا حیرت انگیز کہتی ہے اسے وہ حیرت انگیز نہیں سمجھتا۔ سچ یہ ہے کہ اس کا وجود۔ اس کی ہستی۔ اس کی شخصیت ہی حیرت انگیز ہے۔ ایک حیرت انگیز شخصیت حیرت انگیز کام کرے تو وہ حیرت انگیز نہیں ہیں۔ دُنیا کے لئے چاہے ہوں مگر اس کے لئے تو ہرگز نہیں۔

بے نفسی

اخبار "طلوع افغان" نے حال ہی میں اپنی ایک اشاعت میں شاہ نادر خاں کا ایک اعلان شائع کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ "اعلیٰحضرت نے "عین المال" کو جسے شاہانِ افغانستان کی موروثی جائداد سمجھا جاتا ہے بیت المال یعنی سرکاری خزانہ میں شامل کر لیا ہے۔ شاہ نادر خاں نے اس امر کی وضاحت کی ہے۔ کہ "عین المال" میں وقتاً فوقتاً نامعلوم طریقوں سے اضافہ ہوتا رہا ہے اور اب اراضی مکانات دکانات اور کارخانوں کی ایک اتنی بڑی جائداد بن گئی ہے جس کے معاملات کی نگرانی کے لئے وزارت مالیات کے برابر دفتر رکھنا پڑتا ہے۔ اور یہ تمیز کرنا سخت دشوار ہے کہ اصل عین المال کس قدر تھا۔ اور اس میں اضافہ کس قدر ہوا۔ لہٰذا میں حکم دیتا ہوں کہ عین المال کا شعبہ منسوخ کر کے ساری جائداد کو مسلمانوں کے بیت المال میں شامل کر لیا جائے۔"

بعض کوتہ اندیش اس بے نفسی اور اخلاص کو بھی وہی مخالفت خاندان شاہی کا رنگ دینے میں دریغ نہیں کرتے لیکن انھوں نے حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ جس وقت شاہ ولی خاں فاتح کابل لندن کے سفیر بنکر افغانستان سے چلے تو انھوں نے پشاور میں وفد خلافت کے سپاسنامہ کے جواب میں ایک طویل تقریر فرمائی تھی جس میں امان اللہ خاں کے نام کے ساتھ اعلیٰحضرت کا لقب بھی استعمال فرمایا۔ اور یہ بات بھی صاف الفاظ میں فرمائی کہ نادر خاں نے اہل افغانستان کے

اصرار پر صرف اس وجہ سے تاج قبول کر لیا۔ کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو بدنظمی اور طوائف الملوکی کا ایک اور دروازہ کھل جاتا۔ جو ملک کی تباہی کا موجب ہوتا۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ "نادر خاں اب بھی تخت سے دست بردار ہونے کو تیار ہیں۔ بشرطیکہ کوئی مستحق محب وطن اُٹھے۔ اور اہل ملک اسے منتخب اور تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔" اس سے زیادہ نادر خاں سے اور کیا چاہا جاتا ہے۔

اسی دوران سفر میں جب شاہ ولی خاں سفیر کابل متعینہ لندن دہلی پہنچے تو مولانا محمد علی سے دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ بلکہ مولانا دہلی سے متھرا تک آپ کے ساتھ گئے۔ سردار شاہ ولیخاں نے بتایا کہ ہم اور شاہ نادر خاں افغانستان پہنچنے کے بعد بچہ سقہ کے مقابلہ میں جلد کامیاب کیوں نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بہت سے قبائل جو محمود طرزی خسر شاہ غازی امان اللہ خاں کے غیر شرعی طرز عمل سے بیزار اور نالاں تھے۔ اور ان کی وجہ سے شاہ امان اللہ خاں سے بھی بدظن ہو چکے تھے۔ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم بچہ سقہ کو ہٹا کر امان اللہ خاں کو تخت پر دوبارہ بٹھانا چاہتے ہیں جب ہم نے ان سے کہا کہ ہم کسی کے طرفدار نہیں ہیں۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں امن قائم ہو اور اہل ملک خود بادشاہ کا انتخاب کریں تو انہوں نے ہم سے مطالبہ کیا کہ تم ایک طرف بچہ سقہ کے خلاف اور دوسری طرف امان اللہ خاں کے خلاف جنگ کرو۔ اور ہم تم کو مدد دیں گے۔ تو ہم نے امان اللہ خاں کے خلاف جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر امان اللہ خاں افغانستان سے ترک وطن کر کے اٹلی چلے گئے اور ان قبائل نے دیکھ لیا کہ ہماری نیت میں اخلاص ہے۔ اور ہم واقعتاً کسی کے طرفدار نہیں ہیں تو انہوں نے ہماری امداد و اعانت شروع کر دی۔ اور ہمیں کامیابی حاصل کرنے میں بڑی سہولت ہو گئی۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ نادر خاں اور ان کے بھائیوں کو غازی

امان اللہ خاں سے کسی قسم کی پرخاش نہیں ہے۔ اور باوجود قبائل کے غلط فہمی میں مبتلا ہوجانے کے آپ نے امان اللہ خاں سے جنگ نہیں کی۔ اور ہر قسم کی مشکلات کو برداشت کیا۔ جو ان متشکک قبائل کی ہمدردی حاصل نہ ہونے سے انہیں بھگتنی پڑیں۔ اگر کسی قسم کی بھی دلی کاوش ہوتی تو نادر خاں اور ان کے بھائیوں کے لئے اس سے بہتر موقع اس کے اظہار کا نہیں ہوسکتا تھا۔ قبائل کی غلط فہمی بھی دور ہوجاتی اور ہر قسم کی امداد بھی مل جاتی لیکن ان محبان وطن نے مردانہ وار ہر قسم کی تکلیفات کو برداشت کیا۔ مگر غازی امان اللہ خاں کے خلاف کوئی قابل اعتراض حرکت نہ کی اور یہی ان کے شایان شان تھا۔

بچۂ سقہ کے متعلق سردار شاہ ولی خاں نے مولانا سے فرمایا کہ عورتوں نے اس کے قتل کئے جانے پر سب سے زیادہ اصرار کیا۔ اور قتل کے بعد بھی جب ان کے جذبۂ انتقام کی تسکین نہ ہوئی تو رات کے وقت اس کی قبر کھود کر لاش نکالی۔ اور اس لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے۔ ان ٹکڑوں کو اپنے پاؤں سے روندا اور ٹھوکریں لگائیں۔ ان کے غصہ اور جذبۂ انتقام کا عالم ناقابل بیان تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے دوران حکومت میں ان پر سخت ظلم توڑے تھے۔ اور ان کی عزت کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس کے مظالم و تشدد اہل کابل کے دلوں سے ایک عرصہ تک فراموش نہ ہوں گے۔

جب سردار اعلیٰ شاہ ولی خاں دہلی سے بمبئی پہنچے تو کارپردازان جمعیۃ خلافت مرکزیہ نے آپ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا جس کے جواب میں آپ نے ایک مبسوط تقریر فرمائی۔ دوران تقریر میں آپ نے فرمایا کہ نو مہینے تک ہمارا خاندان کابل میں بچۂ سقہ کے حکم سے قید رہا۔ افراد خاندان کی تعداد بچے۔ بوڑھے اور عورتیں ملا کر ۲۳۵ تھی۔ جن کے ساتھ قید خانہ کے اندر برا سلوک روا رکھا گیا۔ انہیں صرف ایک وقت

روٹی دی جاتی تھی۔ اور وہ بھی سوکھی۔ قید خانہ ہی میں شاہ نادر خاں کی ایک صاحبزادی تپ محرقہ میں مبتلا ہوگئی۔ اور بغیر علاج معالجہ اور دوا دارو کے نہایت بیکسی کی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے بعد بھی بچہ سقہ نے حکم دے رکھا تھا کہ کوئی شخص اس میت کو قبرستان تک نہ پہنچائے۔ نہ قید خانہ تک اس کے اقربا اور رشتے داروں کو آنے دیا جائے۔ ہم اس ظلم و تعدی سے بیخبر نہ تھے۔ ہم کو سب خبریں مل جاتی تھیں۔ ہم نے برابر پیشقدمی جاری رکھی۔ اور آخر کار بتوفیق الٰہی وطن کی رستگاری کا اعلان کر دیا۔ جب ہم کابل میں پہنچ گئے۔ تو بچہ سقہ نے ہمارے خاندان کو اپنے ساتھ قلعہ ارک میں قید کر لیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ہم اپنے خاندان کی حفاظت کی خاطر قلعہ ارک پر گولہ باری نہ کریں گے۔ مگر اس کا خیال غلط تھا۔ ہم نے قلعہ پر گولہ باری کی۔ کابل کی عورتیں تک رو رہی تھیں۔ کہ ہم اہل وطن کو ایک ظالم کے پنجہ سے چھڑانے کیلئے اپنے بال بچوں تک کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے ہماری نیک نیتی اور خلوص کا شیریں ثمر بخشا اور اہل و عیال کی سلامتی کے ساتھ فتح کابل کا انعام عطا کیا۔ اور بادشاہی کی ذمہ داریوں سے سرفراز فرمایا۔ افغانستان خالص اسلامی سلطنت ہے۔ اور ہر وقت اسلام کی ہر خدمت کے لئے تیار ہے۔ آخر میں اہل ہند کا شکریہ ادا کیا اور دعائیہ کلمات فرما کر اپنی تقریر ختم کی۔

اب افغانستان میں ہر قسم کا امن وامان ہے۔ کسی قسم کی کوئی شورش موجود نہیں یا سینکڑوں قبائل میں سے ایک بھی ایسا قبیلہ نہ ملے گا۔ جو مجموعی طور پر شاہ نادر خاں کی بادشاہت سے انکار کرتا ہو۔ یا ان کی بادشاہت کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ دو مہینے کے اندر تمام قبائل و افراد مطیع و منقاد ہو چکے ہیں۔ اور نادر خاں غازی کی اصلاحات و نظم و نسق کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔ حالات و کوائف پر ایک گہری نظر ڈالنے سے توقع ہوتی ہے۔ کہ چند روز بعد افغانستان پھر پوری رفتار سے شاہراہ ترقی پر گامزن ہو جائے گا۔

اور نادر خاں کے عہد میں اسلامی شان کے ساتھ ترقی و عروج کی ان بلند ترین منزلوں تک پہنچ جائے گا جہاں آج مہذب ترین اور متمدن ترین حکومتیں نظر آرہی ہیں اور دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گی۔ کہ اسلام اور احکام اسلام جدید ترقیات کے حصول میں کسی قسم کی روک نہیں ہیں۔ بلکہ مدارج ترقی کے حاصل کرنے میں ممد و معاون ہیں۔ اور اسلام کی امداد و اعانت ہی افغانستان کے عروج و کمال کو اہل عالم کی نظر میں سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز بنائے گی۔

ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نادر اور حیرت انگیز ہستی کو افغانستان کی نادر اور حیرت انگیز ترقی کا موجب بنائے۔ تاآنکہ اس کی حیرت انگیزیاں متمدن سے متمدن اور ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ ممالک کو بھی حیرت میں ڈالدیں اے خدا تو افغانستان کو نادر خاں کے حوصلہ کی سی وسعت دے۔ اور اس کے عزم و ارادہ کی سی رفعت و بلندی اے مستجاب الدعوات تو ہماری دعا کو قبول کرسکتا ہے۔ اور قبول کرلے۔

ایں دُعا از من و از اسلامیاں آمین باد

بعض اہم نکات

اس کتاب کو ختم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایسی نئی باتیں بھی ناظرین تک پہنچا دی جائیں جو تحقیقات کے بعد ثابت ہو چکی ہیں۔ اور جن کا جذبات محبت یا جذبات عداوت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور جن کو یہاں بیان نہ کرنا ہم سمجھتے ہیں کہ کتاب کو نامکمل چھوڑنا ہے

(۱) امان اللہ خاں کے متعلق پبلک میں جو عام حسن ظن موجود ہے وہ ایک تو اس لئے کہ افغانستان کے وہ ایک بیدار مغز بادشاہ تھے۔ اور اپنے ملک و قوم سے جہالت و قدامت کو دور کرکے اسے نئی روشنی اور نئی تہذیب سے منور و مہذب بنانا چاہتے تھے۔ دوسرے اس لئے بھی کہ بچہ سقہ کی بغاوت اور بعض مولویوں کے غلط پروپیگنڈے نے انہیں تخت و تاج سے محروم کرکے مظلوم کی حیثیت دیدی۔ اور مظلوم سے سب کو قدرتاً ہمدردی ہوتی ہے لیکن جب غور سے دیکھا جائے تو ایک حقیقت بھی ان تاریکیوں میں دکھائی دیتی ہے۔ اول تو غازی امان اللہ خاں اپنے بھائی عنایت اللہ خاں کی موجودگی میں جو باپ کے وقت سے ولیعہد تھے اور جن سے قوم کو کسی شکایت کا موقع نہیں ملا تھا۔ باپ کے تخت و تاج کے وارث و مالک نہ تھے۔ یہ حق ان کے بھائی عنایت اللہ خاں کا تھا۔ دوسرے یہ کہ جب وہ بادشاہ بن گئے تھے اور ان کے بھائی چچا وغیرہ نے ان کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا تھا تو انہیں قید و نظر بندی کی سزا نہ دینی چاہیے تھی۔ پھر تخت نشینی کے بعد نادر خاں سے جو سلوک ہوا وہ غیر مناسب تھا۔ ان سب کے علاوہ آخر وقت میں غازی امان اللہ خاں کے دل میں اسلام کی ایسی محبت باقی نہ تھی۔ جیسی کہ تخت نشینی کے وقت اور اس کے بعد تک تھی۔ اور اسلام کی محبت و عدم محبت کا ثبوت وقتاً فوقتاً ان کے طرز عمل سے ملتا رہا۔ یہ صحیح ہے کہ ان کے اندر اسلام سے بے نیازی اور تہذیب مغربی کی دلدادگی ان کے خسر محمود طرزی نے

پیدا کردی تھی لیکن اسباب سے یہاں بحث نہیں۔ نتائج کا ذکر ہے۔ غازی امان اللہ خاں کو اپنا وہ خواب فراموش نہ کرنا چاہیے تھا کہ "ایک بزرگ مجھ سے ایک وزنی صندوق اٹھانے کہتے ہیں لیکن میں اسے اپنی طاقت سے زیادہ سمجھ کر انکار کر دیتا ہوں۔ اور پھر اپنے ایک ہندوستانی استاد کی ہدایت کے مطابق درود شریف پڑھ کر اٹھا لیتا ہوں۔ اور دور تک لیجاتا ہوں" یہ اسی امر کی طرف اشارہ تھا۔ کہ جب تک مذہب کو مقدم رکھو گے خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھو گے سلطنت اور حکومت کے بارگراں کو سنبھالنے اور بادشاہی کی گرانبار ذمہ داریوں کو اٹھانے کی طاقت تمہیں ہوگی اور جس وقت خدا اور اس کے رسول اور دین کی محبت اپنے دل سے نکال دو گے تو بادشاہی کی عزت سے محروم ہو جاؤ گے۔ وہی ہوا۔ اس امر کے شواہد موجود ہیں کہ محمود طرزی امان اللہ خاں کو بڑی حد تک اپنے رنگ میں رنگ چکے تھے اور وہی انکی تباہی کا آخری سبب بنے۔

(۲) شاہ عنایت اللہ خاں۔ تقدیر کی نیرنگیوں کا مجسم نمونہ ہیں۔ بلاشبہ وہ ایک متقی اور نیک سیرت انسان ہیں۔ اور اپنے والد کی اچانک شہادت کے بعد ملک اور تاج و تخت کے جائز وارث تھے۔ لیکن چالاکی عیاری ان میں بالکل نہیں ہے۔ باوجود ولیعہد ہونیکے تخت و تاج سے محروم رہے۔ اور نہ صرف محروم ہی رہے بلکہ امیر ابن امیر ہو کر قید و نظر بندی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اسے کہتے ہیں نوشتۂ قسمت۔ جب وہ نظر بندیوں کی پابندی سے آزاد ہوئے تو انہوں نے سیاسیات ملکی سے قطعاً اپنا ہاتھ اٹھا لیا۔ اور ایک ایسے رئیس کی سی زندگی اختیار کر لی۔ جسے ٹینس کھیلنے اور سیر و تفریح کرکے سو رہنے کے سوا کوئی کام نہ ہو۔ آخر ایک وقت ان کی زندگی میں پھر ایسا آیا جب ان کو تخت شاہی پیش کیا گیا لیکن وہ وقت ایسا نہ تھا کہ کوئی ایسا رئیس تخت کابل کو سنبھال سکے۔ جو کل تک سیاسیات ملکی سے بالکل الگ تھلگ ہو کر سیر سپاٹے میں وقت بسر کر رہا ہو۔ چنانچہ بھائی کے مجبور کرنے سے چند گھنٹے کیلئے وہ بادشاہ بنے مگر ع تدبیر پس پشت تھی تقدیر پس پشت۔ آخر وہ اس تاج و تخت کو جو عارضی طور پر انہیں دیا گیا تھا عارضی طور پر باغیوں کے سپرد کر کے خود بھی بھائی کے پاس چلے گئے۔

اپنے موجودہ حالات گرد و پیش کو دیکھ کر جو کچھ انہوں نے کیا وہی مناسب تھا۔ سچ یہ ہے کہ شاہ عنایت اللہ خاں کو اپنی قابلیتوں کے اظہار کا موقع ہی نہیں ملا ممکن ہے پرسکون حالات میں وہ امان اللہ خاں سے زیادہ بہتر طریق پر حکومت کرسکتے بہرحال اپنے ملک سے نکل کر انہوں نے کافرستان کا رخ نہیں کیا جہاں جنازہ کی نماز بھی کوئی پڑھنے والا نہو بلکہ ایک اسلامی ملک کو اپنا مسکن قرار دے لیا۔

(۳) بچہ سقہ ایک ڈاکو ضرور تھا لیکن اسکے متعلق یہ باتیں محض دلچسپی کیلئے مشہور کیگئیں کہ اُسنے کموڈ میں شوربا کھایا وغیرہ۔ بلاشبہ وہ جاہل تھا اور عقل سلیم سے بے بہرہ لیکن وہ ایک زمانہ میں اچھی خاصی زندگی بسر کرچکا تھا اور کموڈ اور پیالہ میں ضرور تمیز کرسکتا تھا۔ البتہ ہوائی جہاز وغیرہ کا لطیفہ صحیح ہے۔ اور اسکے علاوہ بھی اس نے بہت سی حماقتیں کیں لیکن پھر بھی اسمیں بعض باتیں ضرور قابل تعریف تھیں جنمیں سے عزم کی پختگی اور دلیری بھی ہیں۔ وہ اوائل عمر سے ارتکاب جرم کرتا رہا۔ اور کبھی عام چوروں کیطرح گرفتار ہو کر سزایاب نہیں ہوا۔ دوسرے یہ کہ ایک ڈاکو ہو کر اس نے سارے ملک کے بادشاہ کو نہ صرف تخت سے دستبرداری پر مجبور کردیا بلکہ خود تاج و تخت کا مالک بنا۔ اور ایک دو دن کیلئے نہیں بلکہ مہینوں حکومت کرتا رہا۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اگر افغانستان میں ایک غیر معمولی دل و دماغ یعنی نادر خاں اور انکے کار آزمودہ بھائی نہ پہنچ جاتے اور دوسری طرف سے سردار غلام نبی خاں نہ اُٹھ کھڑے ہوتے تو وہ اپنی بقیہ زندگی فرمانروائے کابل کی حیثیت میں بسر کرتا۔ اسمیں دلیری اور بہادری تھی۔ سامان جنگ و رقم اور تیراندازی بھی تھی لیکن دماغ نہ تھا۔ نہ دماغ رکھنے والے کارکن میسر تھے۔ اگر یہ کمی اسمیں نہوتی تو اسے تخت کابل سے اتارنے والی کوئی طاقت نہ تھی۔ حکومت کیلئے دوسرے سامان و اسباب سے زیادہ دماغ کی ضرورت ہے۔ اسی کا یہاں فقدان تھا۔ آخر ایک دماغ سرزمین افغانستان میں پہنچ گیا۔ اور قلیل ترین مدت میں بے دماغ طاقت کو تخت کابل سے اُتار پھینکا۔

(۴) شاہ نادر خاں کی زندگی شروع سے آخر تک روشن ہے۔ انمیں اورنگ زیب کا سا جوش اسلامی۔ انور پاشا کی سی جراُت و دلیری۔ مصطفٰے کمال کا سا تدبر موجود ہے۔ وہ صرف اپنے تہور و تدبر ہی سے ملک کے بادشاہ نہیں بنے۔ بلکہ تمام ملک کی ہردلعزیزی بھی انہیں حاصل ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ایسے نازک وقت میں تخت و تاج کو قبول کرنا بھی اہل ملک پر ایک عظیم الشان اور آخری احسان کرنا ہے۔ نادر خاں نے ابتک افغانوں کی جس قدر قابل قدر اہم خدمات انجام دی ہیں ان میں تین سب سے زیادہ اہم اور نمایاں ہیں۔ ایک استقلال افغانستان یعنی جو خدمات انہوں نے ۱۹۱۹ء میں انگریزی افغانی جنگ میں انجام دیں اور جس سے افغانستان آزاد ممالک کی صف میں نظر آیا۔ دوسری نجات افغانستان یعنی باوجود علالت و بے سروسامانی کے اپنے ملک کو ایک ظالم ڈاکو کے پنجہ سے نجات دلائی۔ تیسرے بقائے افغانستان یعنی اپنی مرضی کے خلاف صرف قوم کے اصرار پر ملک و ملت کی فلاح و بہبود اور بقائے نظام استقلال و قیام امن کے لئے قبول تخت و تاج۔ ان تینوں خدمات بلکہ احسانات میں سب سے زیادہ اہم اور عظیم القدر کون ہے اس کا فیصلہ ناظرین خود کرسکتے ہیں +

غازی محمد نادر خان شاہی لباس میں

بچه سقه شاہی لباس میں